

الْإِفَاضَاتُ السَّنِيَّةُ

الْمَلَكُوتِيَّةُ

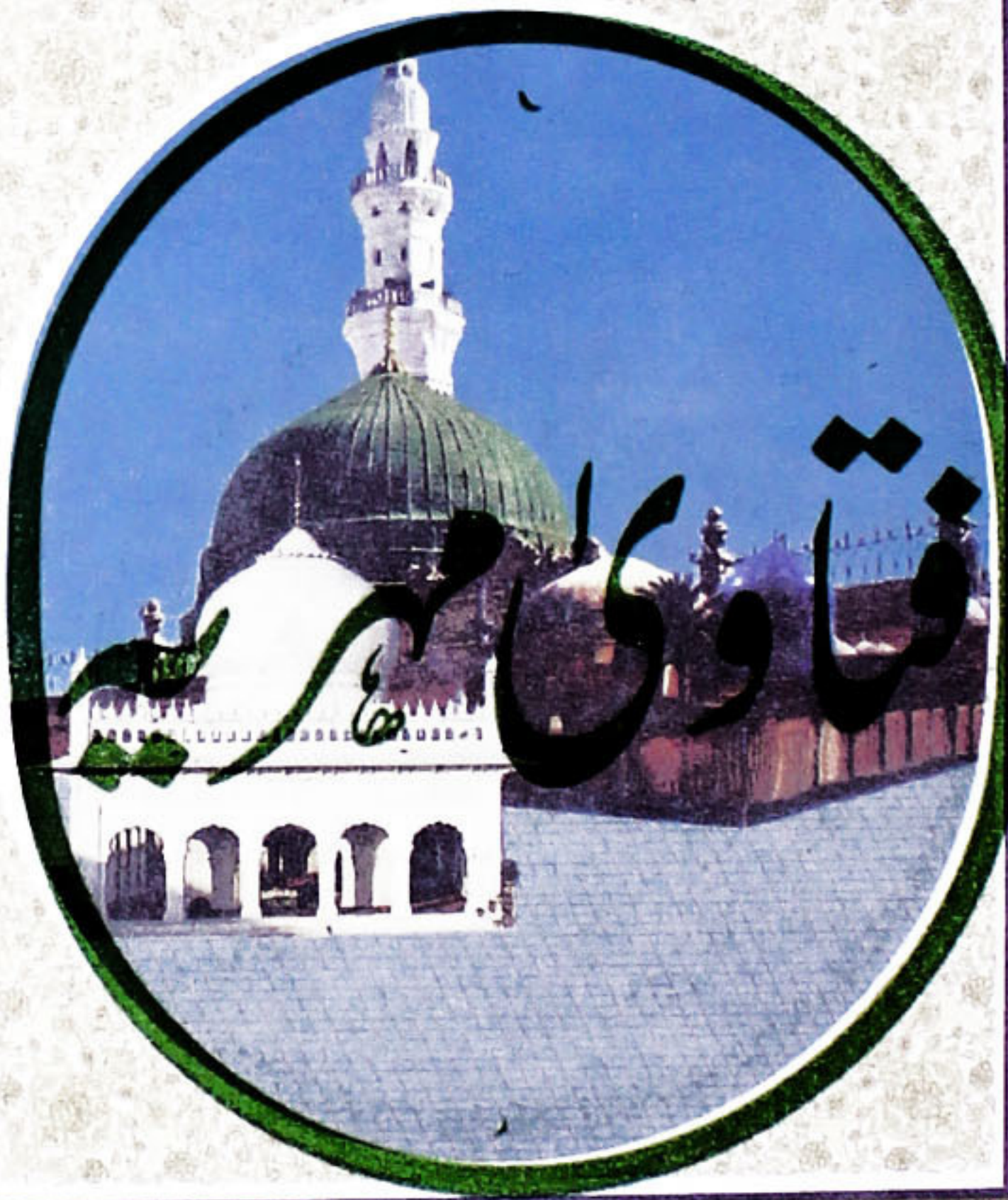
فتاویٰ مہرِیہ

مجدد دین و ملت، قاری قادیانیت

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

(اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو)



الأفاضات السنیہ

فتاویٰ مہریہ

مجددین و ملت، فاتح قادیانیت حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی



فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

(اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو)



الافاضات السنیہ

فتاویٰ مہریہ

مجددین و ملت، فاتح قادیانیت حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

(اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو)

الْإِفَاضَاتُ السَّنِيَّةُ

الْمُلَقَّبَةُ

فتاویٰ مہریہ

مجددِ دین و ملت، فاتحِ قادیانیت حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

با ایماء

حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز

باہتمام

حضرت پیر سید غلام معین الدین گیلانی قدس سرہ العزیز

حضرت پیر سید شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی

سجادہ نشین گولڑہ شریف

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار	پنجم
تعداد	۴۰۰۰
مقام اشاعت	گولڑہ شریف
تخریج	علامہ سید ظفر علی شاہ، علامہ اختر حبیب اختر
گرافک ڈیزائنر	محمد نعیم
پروف ریڈنگ	شیخ الحدیث علامہ مشتاق احمد چشتی، قاری غلام محی الدین
مطبع	پرینٹنگ پروفیشنلز، لاہور فون 042-37553711
ہدیہ	200 روپے

شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی 2010ء

ملنے کا پتہ

کتب خانہ درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

فاتحِ قادیانیت، مجددِ دین و ملت سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ

حیات و خدمات

عالم ربانی، عارفِ لاٹانی، رہبرِ شریعت، ہادیِ طریقت، قبلہ عالم سیدنا و مولانا حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ الحسنی الگیلانی قدس سرہ ان بزرگانِ دین اور علماء کالمین سے ہیں جو بڑی مدت کے بعد کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی نگاہیں باریک سے باریک حقیقت کو دیکھتی ہیں اور جن کی نظروں میں انسانی زندگی کے تمام نقوش خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی پوری وضاحت کے ساتھ نمایاں رہتے ہیں اور جن کے قلوب انوارِ سبحانیہ کے معدن اور اسرارِ ربانیہ کے مخزن ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنا تعلق محبوبِ حقیقی سے استوار رکھتے ہیں اور ایک طرف نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی ہر جائز خیر خواہی کے لیے ہر میدان میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اُن کا وجود اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے غیر فانی معجزات کا نمونہ ہوتا ہے اور ان کا خلق اخلاقِ خداوندی کا آئینہ ہوتا ہے۔ آنے والی سطور میں انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کی حیات و خدمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

خاندان اور تعلیم و تعلم:-

آنجناب ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۶ء قصبہ گولڑہ تحصیل ضلع راولپنڈی میں ایک ایسے گھرانے میں جلوہ افروز ہوئے ہیں جو اس خاندانِ ساداتِ قادریہ گیلانیہ کی شاخ ہے جن کے مشہور جدِ امجد حضرت میراں شاہ قادری قمیص، سرکارِ بغداد قدس سرہ سے مامور ہو کر تشریف فرمائے ہندوستان ہوئے اور مختلف علاقوں میں تبلیغ و ارشاد فرما کر قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی۔ جہاں آج تک آپ کا خاندان موجود ہے۔ صاحبِ مخازنِ النسب نے آپ کے تفصیلی حالات تحریر کیے ہیں۔ نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اخبارِ الاخیار میں آپ کے سید گیلانی اور ایک صاحبِ کمال بزرگ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ کے والدِ گرامی پیر سید نذر دین شاہ کے جدِ امجد سید روشن دین اور ان کے برادرِ حقیقی سید رسول شاہ سب سے اول قصبہ ساڈھورہ شریف سے حجازِ مقدس اور بغداد شریف ہوتے

ہوئے واپسی پر گولڑہ شریف میں اقامت پذیر ہو گئے۔ چنانچہ اس خاندان کے متعدد کشف و کرامات علاقہ میں آج تک مشہور ہیں۔ جن سے دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ پیر روشن دین شاہ جب ابتداء میں یہاں تشریف فرما ہوئے تو علاقہ کے بعض شیعہ سادات نے آپ کے سید ہونے کے متعلق کچھ شکوک و شبہات کیے۔ آخر کار ایک موقع پر آپ نے ان سے وجہ دریافت کی تو یہ من گھڑت مقولہ پیش کیا ”کاٹھ نہ کنی سید نہ سنی“ جس پر آنجناب نے اپنی کلاہ مبارک زمین پر رکھ دی اور فرمایا کہ جو سید صحیح النسب ہوگا وہی اس کو اٹھائے گا۔ معترضین میں سے ایک صاحب جن کو اپنی سیادت پر بڑا ناز تھا اٹھے اور پورا زور لگایا مگر ٹوپی نہ اٹھ سکی۔ ناچار شرمندہ ہو کر عرض کی کہ اجازت ہو تو اٹھالوں۔ آپ نے شفقت بھری نگاہ سے دیکھا اور فرمایا، اٹھالے۔ اور یہ بھی فقط اس کی عاجزانہ درخواست پر ظہور میں آیا ورنہ وہی حشر ہوتا جو پہلے ہوا تھا۔

دوسرا یہ ہے کہ جب سکھوں کے دور میں حضرت قبلہ عالم کے والد گرامی حضرت سید نذر دین شاہ گو ایک غلط الزام میں زندہ جلانے کی تجویز کی گئی تو باقاعدہ لکڑیوں کا چتہ تیار کیا گیا اور آپ کو بٹھا کر آگ لگانے کی پوری کوشش کی گئی مگر چتہ مشتعل نہ ہوا اور سکھوں نے سخت شرمندہ ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ حضرت قبلہ عالم نے اپنے والد ماجد اور ان کے ماموں حضرت پیر فضل دین شاہ گیلانی کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل فرمائی۔ بچپن کا زمانہ تھا ایک دن استاد نے نہایت تاکید کی کہ کل کے سبق کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آنا ورنہ ماروں گا۔ اتفاقاً اس مقام سے کتاب کرم خوردہ تھی اور دوسرا نسخہ موجود نہ تھا آپ پریشانی کے عالم میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بارگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا خداوند! اگر تو مجھے یہ عبارت سکھا دے تو اس میں تیرا کوئی نقصان نہ ہوگا اور میں استاد کی مار سے بچ جاؤں گا۔ سبحان اللہ یہ کہنا تھا کہ ایک سبزی عبارت آپ کے سامنے چمکی جس کو آپ نے ضبط فرمالیا۔ دوسرے دن جب استاد نے پوچھا تو آپ نے سب عبارت یاد سنادی حالانکہ کتاب میں عبارت موجود ہی نہ تھی اور نہ کوئی دوسرا نسخہ وہاں موجود تھا استاد بڑے متعجب ہوئے اور راولپنڈی جا کر دوسرا صحیح نسخہ تلاش کر کے ملاحظہ کیا تو حرف بہ حرف درست پایا۔ واپس آ کر کہنے لگے کہ پیر زادہ جی! تمہیں اللہ تعالیٰ بڑی شان عطا کرے گا۔ میرے لیے بھی دعا کرنا، اور آپ کو مزید تعلیم دینے سے معذرت ظاہر کی۔ جس پر آنجناب علاقہ ہزارہ مقام بھوئی میں روانہ کیے گئے۔ وہاں پر مولانا محمد شفیع مرحوم سے آپ نے قطبی تک کتابیں پڑھیں بعد میں وادی سون کے گاؤں انگہ شریف ضلع خوشاب میں مولانا حافظ سلطان محمود

کے درس میں داخل ہوئے جو علاوہ ماہر علوم ظاہرہ ہونے کے حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مخلص مرید اور صاحبِ نسبت تھے۔ اس دوران میں استاد مرحوم کے ساتھ آپؒ کو سیال شریف بکثرت جانے کا اتفاق ہوا کرتا اور آخر کار آپؒ حضرت اعلیٰ سیالویؒ سے بیعت بھی ہو گئے قیامِ انگہ کے زمانہ میں آپؒ نے تحصیلِ علم میں وہ مجاہدہ کیا کہ بسا اوقات سخت سردیوں میں لحاف کے بغیر ساری رات مطالعہ میں گزر جاتی اور صبح کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔ دواڑھائی سال کے مختصر وقت میں آپؒ نے اکثر درسی کتب پر عبور حاصل فرمالیا اور ساتھ دوسرے طلباء کو سبق پڑھانے کا سلسلہ بھی استاد مرحوم نے آپؒ کے سپرد فرمایا۔ ان مشاغل کے باوجود سیال شریف کی حاضری اور روحانی ترقی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جب کبھی موقع ملتا تو تنہائی میں اشعارِ شوقیہ اور غزلیاتِ ذوقیہ سے بھی محظوظ ہوتے رہتے۔ خبر ہونے پر شائقین چھپ چھپ کر آپؒ کی ان وجدانی کیفیتوں سے مستفید اور لذت اندوز ہوتے چونکہ آپؒ کی طبیعت مبارکہ شہرت سے متنفر تھی اس لئے انگہ سے کوچ فرما کر آپؒ نے کچھ عرصہ علاقہ چکوال میں ایک مشہور عالم مولانا برہان الدینؒ مرحوم کے ہاں کچھ اسباق حاصل فرمائے، بعد ازاں باجائز اپنے مشائخ کے ہندوستان کا رخ فرمایا۔ مولانا احمد حسن کانپوریؒ جن کے کتب معقول اور مثنوی شریف پر حواشی بھی موجود ہیں اس زمانے میں زیارتِ حرین شریفین کا ارادہ فرمائے ہوئے تھے آپؒ نے مولانا مرحوم سے استفادہ کا خیال ظاہر فرمایا مگر مولانا نے سفرِ حرین کے ارادہ کی وجہ سے معذرت کی۔ آخر کار جب آنجنابؒ کے فضل و کمال کا سورج درخشاں ہوا تو ایک دفعہ بموقعہ عرس پاکپتن شریف مولانا مرحوم حاضر ہو کر اچانک آپؒ کے قدموں میں گر پڑے کافی ہجوم تھا اتنے میں کسی نے کہا کہ یہ مولانا احمد حسن کانپوری ہیں۔ آپؒ نے فوراً اٹھا کر گلے لگالیا اور دورانِ قیام بڑی محبت آمیز مجلسیں ہوتی رہیں۔ مولانا نے اس حد تک اظہارِ عقیدت کیا کہ کاش! مجھے آپؒ کو ایک دو سبق پڑھانے کا شرف حاصل ہو جاتا اس لیے نہیں کہ آپؒ کا استاد کہلاؤں بلکہ اس لیے کہ آپؒ کے دعواتِ صالحہ میرے شاملِ حال ہو جاتے۔ واضح ہو کہ ہندوستان کے دیگر مشاہیر علماء مثلاً مولوی اشرف علی تھانوی، مولانا انور علی شاہ کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی، مولانا فضل حق رامپوری وغیرہ آپؒ کے کمالاتِ علمیہ کے مداح تھے۔ مولانا رحمت اللہ سے آپؒ کی ملاقات مکہ شریف میں ہوئی اور مسئلہ ندائے غائبانہ اور جمعہ فی القریٰ پر مفصل گفتگو ہوئی۔ جس پر مولانا مرحوم نے اپنے سابقہ خیال سے رجوع فرما کر آپؒ کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا اور آپؒ کو فقط ایک تبحر عالم ہی نہیں

بلکہ انسانِ کامل تصور کرتے ہوئے آپؐ سے بیعت ہونے کی درخواست کی اور کچھ وظائف کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپؐ کے سفرِ حج کے واقعات اس قسم کے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے فضل و کمال کا سورج فقط ہند ہی میں نہیں بلکہ مرکزِ اسلام حجازِ مقدس میں بھی ایسا درخشاں ہوا کہ بڑے بڑے علم اور فن کے ستارے اس روشنی میں ماند پڑ گئے۔ خصوصاً حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے سامنے مثنوی شریف کے ایک شعر کی تشریح اور حاجی صاحبؒ مرحوم پر سن کر وجدانی کیفیت طاری ہونا وغیرہ ایسے واقعات ہیں جن سے آپؐ کی شانِ علمی کا نمایاں پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ آپؐ مولانا احمد حسنؒ سے رخصت ہوئے اور استاذ الکمل مولانا لطف اللہ مرحوم کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے۔ دورانِ قیام میں وہ علمی جوہر دکھائے کہ مولانا مرحومؒ کی توجہ کا مرکز بن گئے اور جب علی گڑھ کے بعض اراکین نے مولانا کے مدرسہ کو فیل کرنے کی غرض سے سخت قسم کے امتحان کی تجویز کی تو مولانا نے قبل از امتحان آزمائشی طور پر طلباء سے سوالات کیے تو آنجنابؒ کے جوابات ایسے پسند فرمائے کہ اسی دن ممتحن کے پاس روانہ کر دیے۔ چنانچہ دوسرے دن معلوم ہوا کہ ممتحن مذکور نے یہ کہہ کر اراکین کا لج سے امتحان لینے کے متعلق معذرت کی کہ جس مدرسہ کے طالب علم کا یہ کمال ہے اس کا امتحان لینا میرا کام نہیں۔ مولانا مرحومؒ اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فرمایا کرتے تھے پیرزادہ جی! میرے مدرسے کی لاج تم نے رکھ لی۔ ایک موقع پر مولانا کے بڑے مشہور شاگرد مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی جو اس وقت دہلی میں مدرس تھے وہاں تشریف لائے اور اثنائے قیام میں علمِ نحو کے ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ آنجنابؒ کے طرزِ بیان کو سن کر حیران رہ گئے اور آخر میں جب حکومتِ برطانیہ کی طرف سے لاہور یونیورسٹی کے ایک بڑے عہدے پر فائز ہوئے اور تحریکِ مرزائیت کے خلاف مناظرہ کے دوران میں آنجنابؒ کی تحقیق سننے کا اتفاق ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ علومِ لدنیہ کی شان ہے جن میں اکتساب کو دخل نہیں۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپؐ نے تمام انتہائی کتابوں سے فراغت پا کر تحصیلِ حدیث کے لیے سہارنپور کے مشہور شیخ الحدیث مولانا احمد علی صاحبؒ محشی بخاری شریف سے کتبِ حدیث شروع فرمائیں۔ دورانِ تدریس میں ایک دن مولانا سے کسی نے سوال کیا کہ قیامِ تعظیمی پر کیا دلیل ہے؟ آپؐ نے وہ حدیث پیش کی جس میں آیا ہے کہ حضرت سعدؓ انصاری کے آنے کے وقت حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا قوموا الی سیدکم (کہ اپنے سردار کے لیے اٹھو) سائل نے پھر سوال کیا کہ ہو سکتا ہے کسی اور وجہ سے اٹھنے کا حکم دیا ہو۔ قیامِ تعظیمی پر کون

ساقرینہ ہے۔ مولانا مرحوم نے آنجنابؒ کی طرف دیکھا۔ آپؒ نے فوراً فرمایا کہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم کیا جاتا ہے تو اس کا مصدر حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہذا یہاں حضرت سعدؒ کی سیادت اور سرداری قیام کی علت ہوگی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا مقصد حضرت سعدؒ کی تعظیم کرانا تھا۔ آپؒ کے اس طرز استدلال کو سن کر سائل خاموش ہو گیا اور شیخ الحدیثؒ بہت ہی خوش ہوئے۔ چونکہ مولانا (آپؒ) کا سلسلہ اساتذہ تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا تھا آپؒ نہ دیوبندی تھے اور نہ ہی آپؒ کے اساتذہ میں کوئی دیوبندی تھا) کے حلقہ درس میں اہل حدیث طبقہ کافی ہوتا تھا۔ اس لیے مسائل اختلافیہ پر بارہا گفتگو ہو جاتی تھی۔ آنجنابؒ انہیں ایسے دندان شکن جواب دیتے کہ پھر اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہ جاتی۔ ان کمالات کو دیکھ کر ایک دن مولانا نے آپؒ کی اپنے مقام پر دعوت فرمائی اور بعد فراغت سند حدیث لکھ کر فرمایا کہ آپؒ کو زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اپنے وطن تشریف لے جائیے اور خلق خدا کو مستفیض فرمائیے۔ چنانچہ آپؒ ۱۸۷۷ء میں تقریباً بیس اکیس سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور اپنے آبائی قصبہ گولڑہ شریف میں کافی خلق خدا کو علم و عرفان کی نعمت سے مالا مال فرمایا۔

جذب و سلوک اور خلافت :-

قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اکتساب علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کی طرف بھی آپؒ کی پوری توجہ رہی۔ سرکار ولایت حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدنا غوث اعظمؒ کے ارواح طیبہ سے بلا واسطہ مستفیض ہونے کا تذکرہ متعدد مقامات پر آپؒ کی کلام منظوم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں حسب قواعد طریقت سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور شیخ الوقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ اور اپنے خاندان کے ایک مشہور بزرگ حضرت پیر فضل الدین شاہ قادری گیلانیؒ سے آنجنابؒ کو بیعت و ارشاد و تلقین و تربیت خلق اللہ کی اجازت حاصل ہوئی۔ اور ان ارواح طیبہ کی عنایات اور توجہات کے ساتھ ساتھ جس قدر ریاضات و مجاہدات آنجنابؒ نے کیے بلا ریب قرون سابقہ کے بزرگان دین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مہینوں کے مہینے مختلف پہاڑوں اور جنگلات میں بسر کر کے مالوفات طبعیہ سے کنارہ کش رہنا آنجنابؒ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ آخر عمر میں جبکہ عالم استغراق میں متواتر کئی سال سے غذا وغیرہ کو باقاعدہ استعمال فرمانے سے کافی حد تک احتراز فرمالیا تھا اور بعض اطباء نے حقیقت حال سے ناواقفیت کی بناء پر یہ وجہ بیان کی کہ آپؒ کی کمزوری قلت غذا کے سبب

سے ہے تو فرمایا کہ ہرگز نہیں یہ لوگ میری مرض کی شناخت نہیں کر سکتے درویش کے لیے غذا کے بغیر گزارہ کرنا کچھ مشکل کام نہیں۔ غرضیکہ حصول عرفان و تحصیل کمالات کے ذریعے عموماً دو ہی ہیں۔ جذب و عشق اور ریاضت و مجاہدہ، جس طریقہ سے دیکھا جائے آپ کی ذات بابرکات یکتائے روزگار نظر آتی ہے۔

کمالات و کرامات :-

دنیا عموماً ولایت کا معیار کرامت کو سمجھتی ہے لیکن یاد رہے کہ کرامات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک حسیہ اور دوسری معنویہ۔ کرامات حسیہ جیسے عام طور پر اولیاء کرام سے تصرفات منقول ہیں۔ مثلاً ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، دور دراز مسافت کو تھوڑے سے وقت میں طے کر لینا، توجہ سے کسی کی حاجت روائی کر دینا۔ جن کا ثبوت متعدد آیات و احادیث سے بھی ملتا ہے۔ لیکن اس قسم کے واقعات غیرولی سے بھی ہونے ممکن ہیں۔ چنانچہ بعض اہل ریاضت غیر مسلم افراد کو بھی یہ مقام حاصل تھا جسے اہل شرع استدراج سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن کرامات معنویہ یعنی ذوق و شوق الہی، استقامت شریعت اور پیغمبر ﷺ کی ذات بابرکات سے والہانہ عقیدت اور محبت اور ملت اسلامیہ پر ہر آنے والی آفت کا حتی الوسع مقابلہ کرنا۔ اپنے خداداد اثر و تاثیر سے امت مسلمہ کو اختلاف سے نکال کر صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی سعی کرنا، ارشادِ خلق اور گم گشتگان راہ شریعت و طریقت کو اپنی منزل مقصود تک پہنچا دینا، مشکل سے مشکل علمی اور عرفانی نکات کی تہہ تک پہنچ کر طالبانِ حق کی پیاس کو بجھانا، صبر و قناعت، تسلیم و رضا، جود و سخا، عفو و کرم، حلم و حیا جیسے مقاماتِ عالیہ سے خود پیراستہ ہو کر دوسروں کو آراستہ کرنا۔ یہ وہ انعامات ہیں جو محض انہی حضرات کا حصہ ہیں جن پر عنایات ایزدی اور فضل ربانی کا خاص ظہور ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو خلافتِ الہیہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے کمالات کے متعلق بزرگانِ دین میں یہ مشہور ہے کہ الاستقامة خیر من الف کرامة یعنی آداب شریعت و طریقت کی پابندی ہزار دیگر قسم کی کرامتوں سے افضل ہے۔ گو آنجناب کی زندگی کا ہر لمحہ اس قسم کی کرامات سے معمور نظر آتا ہے لیکن یہاں فقط چند ایک ایسے کمالات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کہ اسلام اور امت مسلمہ کی خیر خواہی اور جذبہ اخلاص اور اخوتِ اسلامیہ کی بناء پر آنجناب سے ظہور پذیر ہوئے۔ جن میں غور کرنے کے بعد ہر منصف مزاج انسان آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے

۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ردِ مرزائیت :-

۱۹۰۰ء کے قریب جبکہ ختم نبوت جیسے مسلمہ عقیدہ اہل اسلام میں مختلف تاویلات کے ذریعے سے مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں میں اختلافات کا ایک طوفان کھڑا کیا۔ اور حضرت مسیح ابن مریم جن کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور واپس قرب قیامت میں تشریف لانے کے متعلق کتاب و سنت اور اجماع امت کے دلائل متواترہ موجود ہیں، ان کی کرسی کو اپنے لئے خالی کرنے کی کوشش بے سود کی۔ تو اس خطرناک تحریک کو مٹانے میں جس طرح آنجنابؑ نے کارہائے نمایاں کئے وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ تقریر و تحریر ہر لحاظ سے امت مسلمہ کے اس متفقہ عقیدے کو آپؑ نے دوبارہ ایسا اظہر من الشمس کیا کہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اور اظہار حق کے لئے یہاں تک جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں اختلاف کرنے والے بھی سفید کاغذ میدان میں رکھ دیں اور میں بھی رکھ دیتا ہوں۔ جس کے کاغذ پر خود بخود غیبی تحریر ہو جائے وہی سچا سمجھا جائے گا۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ کے اس واضح چیلنج کو سن کر مخالفین دم بخود رہ گئے اور میدان مناظرہ میں آنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ کتاب شمس الہدایہ دربارہ اثبات حیات مسیح اور سیف چشتیائی وغیرہ آپ کی تصنیفات اس معاملہ کی زندہ مثالیں ہیں۔

ردِ نجدیت :-

جب بارہویں صدی کے مشہور نجدی لیڈر محمد بن عبدالوہاب نجدی نے توحید کی آڑ میں ذوات مقدسہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے متعلق نامناسب خیالات کا اظہار کیا اور حرمین شریفین کے اہالیان کے خون اور مال سے کھیلنا شروع کیا۔ جس کی تعلیمات کے اثرات سے متاثر ہو کر بعض لوگوں نے یہاں بھی وہی سلسلہ شروع کیا اور ایک زبردست اختلاف اور فتنہ مسلمانوں میں برپا ہونے لگا۔ تو آپؑ نے اس معاملہ میں نہایت ہی اعتدال اور انصاف کے ساتھ ان تمام مسائل پر اپنی مشہور کتاب ”اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اهل به لغير الله“ تصنیف فرما کر امت مسلمہ پر بڑا احسان فرمایا۔ کتاب مذکور کے اندر غور کرنے سے اس معاملہ کے تمام پہلو سامنے آ جاتے ہیں اور ایک منصف اور حق پرست انسان کے لیے بجز تسلیم کے چارہ نہیں رہ جاتا۔ تو سل، نذر و نیاز، سماع موتی اور علم غیب وغیرہ مسائل پر آپؑ نے ایسے محققانہ انداز میں قلم اٹھایا کہ

بڑے بڑے دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ آخر کتاب میں مسئلہ تکفیر کے متعلق آپؐ نے نہایت ہی متکلمانہ تحقیق فرمائی ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آج کل جیسا کہ تکفیر بازی کا بازار گرم ہے یہ اسلام میں کس حد تک معیوب ہے اور بغیر کسی خاص شرعی وجہ کے کسی مسلمان کو کافر کہنے کے کس قدر خطرناک نتائج ہیں۔

آپؐ کے بارہ سوالات:-

آنجنابؐ کے اس قسم کے نجدیت سوز کارناموں کو دیکھ کر اس مشن کے بعض خواہوں نے بجائے دلائل کا جواب دینے کے سب و شتم اور گالی گلوچ کا رستہ اختیار کیا۔ مشاہیر اولیاء کرام جیسے محی الدین ابن عربیؒ وغیرہ کے خلاف کفر تک کا فتویٰ لگانے سے بھی دریغ نہ کیا اور دس مشکل سوالات مختلف علوم سے شائع کرا کے اعلان کیا کہ پیر صاحب یادگیر علماء اہلسنت ان کا جواب دیں۔ آپؐ نے اثنائے سفر میں صرف چند گھنٹوں کے اندر فقط ان دس سوالات کے جوابات پر ہی اکتفاء نہ فرمایا بلکہ اپنی طرف سے اسی نوعیت کے پورے ایک سو ایک (۱۰۱) سوال تیار فرمائے۔ لیکن ان میں سے فقط بارہ سوالات شائع فرما کر آخر میں یہ تحریر فرمادیا کہ ”چونکہ جواب سے جواب ہی ہوگا لہذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے“ جب اتنی بڑی جماعت کے خلاف اس قدر زبردست پیشین گوئی کرنے سے بعض احباب نے اظہار پریشانی کیا تو فرط جوش میں آ کر فرمایا کہ ”اگر وہ لوگ کسی بھی سوال کا جواب لکھ دیں تو جن انگلیوں سے میں نے سوالات لکھے ہیں وہ کٹوا دوں گا“ چنانچہ آپؐ کا ارشاد حرف بحرف سچا ہوا۔ یار لوگوں نے اپنے نجدی ہم خیال لوگوں کے تعاون سے ہر ممکن کوشش کی مگر جوابات پر قادر نہ ہو سکے۔ جناب قاری عبداللہ جو مکہ شریف میں مقیم تھے ان سے معلوم ہوا کہ جب آپؐ کے سوالات وہاں حجاز شریف میں پہنچے۔ تو علماء حجاز کے متعدد اجلاس ان کے حل کے لیے منعقد کیے گئے مگر بجز حیرت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آنجنابؐ کے ان سوالات و جوابات کو دیکھ کر فقط ہندوستان ہی نہیں بلکہ ممالک عربیہ عراق، مصر اور ترکستان تک کے علماء کرام عیش عیش کر اٹھے یہ سب ذخیرہ رسالہ ”الفتوحات الصمدیہ“ میں طبع ہو کر آج تک منظر عام پر جلوہ فرما ہے۔

آنجنابؐ کی اعتدال پسندی:-

علاوہ ازیں شیعہ سنی اور مقلد غیر مقلد کے مابین اختلافات کے وجوہ اور ہر فریق کے بعض متعصبانہ

خیالات کی تردید اور ان سب فرق اسلامیہ میں ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کرنے کے متعدد نمونے آپ کے ملفوظات اور مکتوبات میں ملتے ہیں۔ جہاں ایک طرف شیعہ حضرات کے اس خیال کی آپ نے زبردست تردید فرمائی ہے کہ خلافت بلا فصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق تھا اور نعوذ باللہ خلفاء ثلاثہ علیہم الرضوان ناحق تھے وہاں ان متعصب سنیوں کے اس نظریہ کی بھی تردید فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر لحاظ سے خلفاء ثلاثہ سے پیچھے تھے۔ حالانکہ متعدد احادیث سے آنجناب کا علم و حلم، جود و سخا اور بعض دیگر اوصافِ کاملہ میں یکتائے روزگار ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اور جہاں آپ نے جناب سید الشہداء کے مصائب و مناقب کو صحیح طور پر بیان کرنے اور سننے کو مودتِ اہلبیت کے لوازمات سے شمار فرمایا۔ وہاں غلط سلسلہ روایات کا عترتِ رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے وقتی طور پر لوگوں کے جذبات کو ابھارنا معیوب قرار دیا اور جو لوگ یزید اور ابن زیاد وغیرہ دشمنانِ اہلبیت کی صفائی کرتے ہوئے اتنا کہنے سے بھی نہ شرماتے کہ کیا ہوتا اگر حضرت امام عالی مقام یزید کی بیعت کر لیتے۔ ان کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یزید اور دیگر اشیاء جنہوں نے عترتِ رسول ﷺ پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے از روئے حدیث صحیحہ ایذا دہندگانِ رسول ﷺ ہیں اور مستحقِ لعنت ہیں۔ لیکن کسی فرد یا قوم پر لعنت کو ضروریاتِ مذہب سمجھ کر یہی رٹ لگانے کے بجائے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی آلِ پاک پر درود بھیجنا افضل ہے کسی کے ملعون ہونے کے متعلق دلائل شرعیہ کی وجہ سے عقیدہ رکھنا اور بات ہے اور اس پر لعنت کرنے کو مشغلہ بنالینا اور بات ہے نیز حدیث مشہور جس میں حضور ﷺ نے اسلام کے اندر بارہ خلفاء ہونے کے متعلق خبر دی ہے۔ شیعہ حضرات اسے اپنے مذہب کے اثبات کے لیے ایک اٹل دلیل سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد بارہ ائمہ اہلبیت کرام ہی ہیں اس حدیث کی آنجناب نے ایسی عجیب تشریح فرمائی ہے کہ ہر فرقے کا منصف مزاج آدمی پڑھ کر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غلبہ ادب کی وجہ سے بعض احادیث پر بغیر تاویل کے عمل کرنا جیسا کہ بعض متقدمین سلف صالحین سے منقول ہے چنداں معیوب نہیں لیکن حضراتِ ائمہ مجتہدین کو انکارِ حدیث سے متہم کرنا اور ان کی خدماتِ دینیہ سے بالکل منہ موڑ لینا جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین کا شیوہ ہے نہایت نامناسب رویہ ہے۔ واقعات اور تاریخ اس امر پر شاہد ہیں کہ حضراتِ ائمہ مجتہدین نے جو کچھ کیا نہایت خلوص اور دیانت کے ساتھ کیا نعوذ باللہ ایسے خادمانِ دین کے متعلق یہ نظریہ رکھنا سراسر انصاف کے خلاف ہے۔

نظریہ وحدت وجود:-

صوفیائے اسلام کے نظریہ وحدت وجود جس پر اکثر مشاہیر اولیاء کرام ایک ہزار ہجری تک متفق چلے آئے ہیں اور ہر مسلک اور مشرب کے ارباب حال کی کلام اس سے مملو نظر آتی ہے جن میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ، امام عبدالوہاب شہرائیؒ، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ، حضرت عبدالرحمن جامیؒ، حضرت غریب نواز اجمیریؒ، حضرت محبوب الہی دہلویؒ، حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے متعلق بعض متاخرین مشائخ نے مجدد الف ثانیؒ کی کچھ تحریرات سے اس قسم کے نتائج برآمد کیے جن کی وجہ سے اس گروہ صدق و صفاء میں کافی اختلاف کا احتمال پیدا ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں بعض ارباب تصوف نے غلبہ حال کی وجہ سے اس کشفی مسئلہ کو کلمہ توحید کا مرادی معنی قرار دے کر تمام امت مسلمہ کو اسی کا مکلف ہونے پر زور دیا اور جو اس کا قائل نہ ہوا سے مشرک و کافر تک لکھ دیا۔ چنانچہ شاہ عبدالرحمن لکھنوی کی کتاب ”کلمۃ الحق“ اس امر کی پوری تصدیق کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر سے امت مسلمہ کے اکثر افراد کا کلمہ توحید کے معنی پر ایمان رکھنے سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام فقط حال سے تعلق رکھتا ہے اور سوائے اولیاء کرام اور عرفاء عظام کے ہر کس و ناکس کی رسائی اس تک مشکل ہے آنجنابؒ نے اس خطرہ کو بروقت محسوس فرماتے ہوئے اپنی معرکہ الآراء کتاب ”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ تصنیف فرما کر ان سب خطرات کا سد باب فرما دیا۔ کتاب کیا ہے علم و عرفان کا ایک بحر ذخار ہے جس کے پڑھنے سے مصنف کے عرفانی کمالات کا پتہ چلتا ہے۔ مفتی محمد حسن مرحوم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اپنے شیخ طریقت مولوی اشرف علی تھانوی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر پیر صاحبؒ یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہل ظاہر کے لیے کلمہ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ مصنف ”کلمۃ الحق“ نے کتاب و سنت اور لغت و بلاغت کے دلائل قاہرہ سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم توحید و جود ہی منحصر ہے جس کے بغیر ایمان شرعی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالم جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علماء ظاہر میں سے کسی کو بھی کتاب مذکورہ کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہو سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کے اس اصولی کلمہ طیبہ میں اہل اسلام کے دو بڑے گروہوں میں تصادم پیدا ہو جاتا جس کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے۔ آنجنابؒ نے ایک طرف لکھنوی کے دلائل کے دندان شکن جوابات دے کر دلائل اور

براہین سے یہ ثابت فرمایا کہ کلمہ توحید کا وہ معنی جس پر زمانہ رسالت مآب ﷺ سے تمام اہل اسلام متفق چلے آئے ہیں ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے وہی کافی ہے البتہ اس مفہوم ظاہری کے ساتھ ایک باطنی مفہوم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے اور کتاب و سنت کے بعض اشارات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو کہ محض ارباب باطن، حضرات اہل اللہ کے مکشوفات سے ہے۔ اور اس کا انکار کرنا کفر نہیں ہاں یہ بات اور ہے کہ اس قدر مشاہیر اولیاء کرام کے متفقہ نظریہ کو محض کم فہمی کی بناء پر خلاف شرع اور غلط کہنے میں سوء خاتمہ اور شقاوت و حرمان کا خطرہ ضرور ہے۔ دوسری طرف آپؐ نے اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور تفسیر فرما کر علماء ظاہر کے بعض بے محل اعتراضات کا پردہ چاک کر دیا جو کہ کم فہمی کی بناء پر ہر دور میں اس نظریہ کشفیہ کے متعلق وارد کئے جاتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وحدت وجود اور وحدت شہود کے درمیان فرق اور حضرت مجدد الف ثانی کے کلام سے بعض پیدا شدہ شبہات کا مکمل جواب تحریر فرما کر اس نو پیدا اختلاف کو بھی کافی حد تک ختم کر دیا جو صوفیائے وجودیہ اور شہودیہ کے مابین پیدا ہو رہا تھا۔ کتاب مذکور کے علاوہ آپؐ کے مکتوبات اور ملفوظات میں بھی اس موضوع پر کافی ذخیرہ موجود ہے جو کہ ارباب ذوق کے لیے موجب بصیرت ہے۔

مسلمانان ہند کی سیاسی رہنمائی:-

جنگِ بلقان کے زمانہ میں جب مسلمانانِ ترکستان حکومتِ برطانیہ سے برسرِ پیکار تھے تو ہندوستان کے اکثر اکابر نے ہجرت کی تحریک شروع کی۔ آپؐ نے بمعہ بعض دیگر اکابر ہند، اس تحریک کی زبردست مخالفت کی اور اس کے خطرناک نتائج سے مسلمانوں کو بروقت متنبہ کیا۔ ارباب تحریک نے مختلف قسم کے غلط الزامات عائد کئے حتیٰ کہ حکومتِ برطانیہ کی ہمنوائی سے بھی مطعون کیا مگر آپؐ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ تحریک والوں کی طرف سے بعض خصوصی نمائندے تبادلہ خیال کے لیے حاضر خدمت ہوئے مگر آپؐ کے دلائل کے سامنے بجز خاموشی کے چارہ نہ رہا اور الٹا اکابرین تحریک کی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے اور بات بھی معقول تھی۔ کیونکہ شرعی لحاظ سے جہاں پر شعائر اسلام کے ادا کرنے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں اور ہندوستان سے ہجرت کرنے کی نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ جس سے علاوہ کسی اسلامی مفاد حاصل نہ ہونے کے یہ زبردست خطرہ بھی موجود تھا کہ اگر بانیانِ تحریک کی خواہش کے مطابق تمام مسلمان یہاں سے بستر بویا باندھ کر چل کھڑے ہوتے تو اس غربتِ اسلام کے دور میں پھر

کہاں سے لا کر اس ملک میں سابقہ روایات کو قائم کرتے۔ الحمد للہ اس نازک دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آنجناب جیسے دور اندیش اور مفکر اسلام نے میدان میں قدم رکھ کر ان خطرناک نتائج سے کافی حد تک مسلمانوں کو محفوظ کر لیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دنیا پر یہ واضح ہو گیا کہ آنجناب کا مسلک بالکل صحیح اور اسلامی نظریات کے عین مطابق تھا۔ اس جنگ کے بعد جذبہ آزادی سے متاثر ہو کر جب اہل ہند نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا تو اس بے معنی اتحاد کے مخالفین میں سے آنجناب پیش پیش تھے۔ اس موضوع پر آپ کا مفصل کلام مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے جو کہ لکھنؤ کے مشہور عالم مولانا عبدالباری فرنگی کے استفسار پر آپ نے تحریر فرمائی اور مسلمانان ہند کو شرعی طریقہ سے آزادی حاصل کرنے کا طریقہ کار متعین فرما کر انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرنے کو شرعی لحاظ سے غلط ثابت کیا۔ چنانچہ تحریک کانگریس میں شمولیت کے متعلق آپ کا فتویٰ مکتوبات مذکورہ میں اب تک موجود ہے جس میں آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ شمولیت ہرگز درست نہیں۔

حکومتِ برطانیہ سے استغناء اور بیباکی :-

اور طرفہ یہ کہ ایک طرف اس قسم کی تحریکوں کی مخالفت فرما کر مسلمانوں کو ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا اور دوسری طرف حکومتِ برطانیہ کو اس اختلاف سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ چنانچہ آج تک آپ کے وہ خطوط موجود ہیں جن کے اندر کھلے الفاظ میں انگریز افسروں کو متنبہ کیا گیا کہ ان تحریکوں کی مخالفت سے میرا مقصد حکومتِ برطانیہ کا تعاون ہرگز نہیں اور نہ اس قسم کی توقع مجھ سے رکھی جائے۔ انگریزوں کے متعدد نمائندے جاگیر وغیرہ کی پیش کش کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے مگر آپ نے سب کو ٹھکرا دیا۔ حتیٰ کہ جب دہلی دربار میں جارج پنجم کے اعزاز کے لیے اکثر اکابر ہند شامل ہوئے تو آپ نے اس حاضری کو اسلامی وقار کے خلاف تصور کرتے ہوئے صاف انکار فرما دیا۔ اس قسم کے واقعات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ کا دامن تقدس انگریزوں کی ہمنوائی کے اتہام سے بالکل مبرا تھا اور آپ نے جو کچھ بھی کیا وہ فقط اسلامی نظریات کی بنا پر ظہور میں آیا۔ اسی سلسلہ میں ایک انگریز افسر کی جاگیر کے متعلق پیش کش کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ”مجھے حکومت کی طرف سے جاگیر کی ضرورت نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک سارا جہان ہمارے جدِ امجد سیدنا غوثِ اعظمؒ کی جاگیر ہے جو ہماری وراثت ہے“ آنجناب کے ان جرات

مندانہ اقدامات اور استغناء و توکل کے محیر العقول واقعات کے پیش نظر جمہور اہل اسلام کے علاوہ متعدد غیر مسلم انگریز، ہندو، سکھ وغیرہ بھی آپ کو اسلام کا ایک سچا پیروکار اور نہایت باخدا انسان سمجھ کر عقیدت سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ اس دور اختلاف میں بھی آپ کے علاوہ کسی ہستی پر اسلامی فرقوں کا اس قدر اتحاد اور اتفاق نظر نہیں آتا۔ شیعہ، سنی، غیر مقلد دیوبندی، بریلوی علماء دین اور مغربی تعلیمی طبقہ کے اکثر منصف افراد آپ کی حقانیت اور خلوص کے سچے دل سے معترف ہیں اور اسی وجہ سے آپ کا حلقہ اثر پاک اور ہند کے علاوہ برما، افغانستان، عراق و عرب، ترکستان وغیرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جس پر زائرین دربار کی کثرت اور اعراس مشائخ پر بے نظیر اجتماعات کافی شاہد ہیں۔ یہ ہیں آپ کے دینی اور ملی خدمات کے چند اہم کارنامے۔ علاوہ ازیں علوم شرعیہ اور معارف و اسرار کی معرکہ الآراء کتابوں کی تدریس اور احیائے اسلام و تصوف کے دیگر واقعات اگر تفصیلاً ذکر کیے جائیں تو ایک دفتر طویل بھی ناکافی ہے۔ آپ حضرت شیخ اکبر جیسے محقق صوفیائے اسلام کی پیچیدہ سے پیچیدہ کتابوں کا ایسا درس دیتے تھے کہ سامعین جو علماء و فضلاء ہوتے وہ محو حیرت ہو جاتے تھے اللہ تعالیٰ آنجناب اور آپ کے مشائخ علیہم الرضوان کے صدقے جملہ اہل اسلام کو راہ راست پر قائم رکھے۔

وفاتِ حسرتِ آیات:-

آنجناب نے اگرچہ عمر شریف کے آخری دس سال میں زیادہ تر کام اور سفر وغیرہ ترک فرما دیا تھا تاہم متعلقین اور متوسلین پر اس قدر شفقت رہی کہ بعض اوقات کچھ نہ کچھ کلام بھی فرما لیتے اور تھوڑا بہت چلنا پھرنا بھی گوارا فرما لیتے جب آپ کے فرزند ارجمند قدس سرہ غالباً ۱۹۲۹ء میں حج سے واپس تشریف لائے تو چند قدم اٹھ کر نہایت محبت سے ملے اور فرمایا تم ایسی جگہ سے آئے ہو جس کی وجہ سے میرے لیے یہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ اور ویسے بھی کمال شفقت کی وجہ سے آپ کے دوران سفر حج کبھی کبھی آپ کے احباب کے پاس جو میرا میں رہتے تھے تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے کہ وہ تو نہیں چلو اس کے دوستوں کی ملاقات کر لیں۔ ۱۹۳۱ء میں آپ پر بالکل ہی حالتِ محویت اور استغراق طاری ہو گیا غذا بالکل متروک ہو گئی بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مولوی محبوب عالم زائرین کی معروضات کو کئی کئی دفعہ پیش کرتے تب آپ حسب ضرورت کسی وظیفہ کا ارشاد یا دعائے حصول مقاصد فرماتے۔ آخر ۱۹۳۲ء کی اندوہنگیں گھڑیاں قریب آنے لگیں جن کے متعلق ایک باخدا آدمی نے آپ کے فرزند ارجمند کو بموقعہ حج پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی سال اپریل سے زائرین کی

تعداد معمول سے زیادہ ہونی شروع ہوئی۔ مئی کے پہلے ہفتے میں بخار کی علامات نمودار ہوئیں اور آخری دو تین دن تو یہ حالت تھی کہ بار بار ہاتھ مبارک سر کی طرف اٹھاتے ایسا معلوم ہوتا کہ کسی کا استقبال فرما رہے ہیں۔ آخر سہ شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء بوقت عصر ساڑھے پانچ بجے آپؐ نے خفیف تبسم سے حاضرین کو ذوق آشنا فرماتے ہوئے اسم ذات اللہ فرمایا اور قبلہ رخ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر آنجنابؐ کے فرزند ارجمند قدس سرہ کا حوصلہ اور ضبط باوجود نہایت رفیق القلب ہونے کے توفیق الہی سے عملی صورت میں رونما نہ ہوتا۔ تو مصیبت زدگانِ فراق کا اس واقعہ ہائلہ سے وہ حشر ہوتا کہ تجہیز و تکفین کے وقت زائرین کے جذبات کو روکنا ممکن نہ ہوتا۔ اس اندوہ بگیں واقعہ پر آپؐ ہی کی وہ ذات تھی جس نے تشفی بخش کلمات اور ضبط و استقامت سے تجہیز و تکفین کا مناسب انتظام فرمایا اور قبلہ عالم کے جسم اطہر کو شرعی غسل دے کر رات کو برائے زیارت اہل بیت حرم سرا پہنچایا گیا۔ دوسرے دن ایک بجے سے چھ بجے تک قبلہ عالم کی چارپائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ کے صحن میں اونچے تخت پر رکھا گیا تا کہ مخلوق آسانی سے زیارت کر سکے۔ یوم چہار شنبہ یکم ربیع الاول ساڑھے چھ بجے شام نماز جنازہ مولانا قاری غلام محمد خطیب جامع مسجد آستانہ عالیہ کی امامت میں ادا کی گئی۔ جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اندازہ لگایا گیا جس میں دوسرے مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ وغیرہ کثیر تعداد میں شریک تھے اور سب سے پچھلی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔ آٹھ بجے شام حضور قبلہ عالم کا جسم اطہر مسجد شریف کے جنوبی باغ میں روپوش ہو گیا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں باز شد انا الیہ راجعون



فہرست مضامین

نمبر شمار ————— مضامین ————— صفحہ نمبر

☆ تعارف

۱

آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کے جوابات

- ۱۔ حضرت قبلہ عالم کا اپنے عقیدہ کے متعلق بیان ۳
- ۲۔ آنحضرت ﷺ پر لفظ ”بشر“ کا اطلاق اور حاضر و ناظر ہونے کے متعلق استفسار کا جواب ۴
- ۳۔ آنحضرت ﷺ اور عالم الغیب ۷
- ۴۔ غیر نبی اور علوم غیب ۷
- ۵۔ آنحضرت ﷺ کا افضل المخلوقات ہونا ۱۰
- ۶۔ مسئلہ امتناع نظیر ۱۱
- ۷۔ آنحضرت ﷺ کے میلاد شریف پر خوشی منانا ۱۳
- ۸۔ رسول کریم ﷺ پر سحر ہونے کے اشکال کا حل ۱۳
- ۹۔ رسول کریم کے والدین کا مذہب اسلام ۱۶
- ۱۰۔ حضور ﷺ کے بعض اسماء کی تحقیق ۲۴
- ۱۱۔ آل محمد ﷺ سے کون مراد ہیں؟ ۲۹
- ۱۲۔ بنو ہاشم کے لیے صدقات فرضیہ کی حلت ۳۰

فرقہ وہابیہ کے چند اعتراضات کے جوابات

- ۱۳۔ درود مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب ۳۲
- ۱۴۔ بدعت کی اقسام و تعریف و رد وہابیہ ۳۳

فرقہ مرزاسیہ اور بہاسیہ کے اعتراضات کے جوابات

- ۱۵۔ فرقہ بہاسیہ کے نسخ شرع محمدی کے متعلق غلط استدلال کی تردید ۳۵
- ۱۶۔ ختم نبوت کے متعلق چند شکوک کا ازالہ ۳۶

نمبر شمار

مضامین

صفحہ نمبر

۳۹

۱۷۔ فرقہ مرزائیہ کے آٹھ اہم اشکالات کے جوابات

الف بخاری کی احادیث میں عیسیٰ کے حلیہ کے بیان میں تفاوت

ب ج بخاری کی احادیث اور قرآن کریم میں لفظ ”توفی“ کے صحیح معانی

د آیت ان من اهل الكتاب الالیؤمنن به قبل موته کے متعلق تحقیق

۴ معجزات سے انکار کا جواب

و ابراہیم اور چار پرندوں والے واقعہ کی تفسیر

زح لفظ ”متوفی“ کے صحیح معنی

۵۵

۱۸۔ اسی مضمون کا ایک اور خط اور اس کا جواب

۱۹۔ مرزائیوں کی طرف سے عیسیٰ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق اعتراضات

اور ان کے جوابات

متفرق مسائل کے جوابات

۶۱

۲۰۔ سیدنا غوث اعظمؒ کے ارشاد گرامی کی تحقیق

۶۲

۲۱۔ بیعت مروجہ مشائخ عظام اور سماع کے متعلق اعتراضات کے جوابات

۶۸

۲۲۔ فرقہ صوفیاء کی ضرورت اور لفظ ”ولایت“ کے معانی

۶۹

۲۳۔ مرشد اور سجدہ تعظیسی

۷۰

۲۴۔ ایصالِ ثواب اور ارواح کے متعلق سوالات اور ان کے جوابات

۷۳

۲۵۔ ”روح“ کے متعلق سوالات کے جوابات

۷۵

۲۶۔ ثبوت سماع موتی

۷۶

۲۷۔ غیر مسلم کی پکائی ہوئی چیز کھانے کے متعلق شرعی حکم

۸۱

۲۸۔ غیر مسلم کی پکائی ہوئی اشیاء کے متعلق ایک اور فتویٰ اور چند دیگر مسائل کے جوابات

۸۲

۲۹۔ کھانڈ میں مردار جانوروں کی ہڈیوں کے استعمال کرنے کے متعلق مسئلہ کا جواب

۸۶

۳۰۔ موزے کے اوپر مسح کا شرعی حکم

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۱۔	”غلام نبی“ غلام رسول“ وغیرہ نام رکھنے کا جواز	۸۹
۳۲۔	بازاری عورتوں کے جنازہ کے متعلق حکم	۹۰
۳۳۔	نماز جنازہ کی تکبیرات کی تعداد کے متعلق تحقیق	۹۱
۳۴۔	جمعہ درقریٰ کے جواز کا مسئلہ	۹۳
۳۵۔	اسی مسئلہ پر حضرت قبلہ عالم کی ایک اور محققانہ تحریر	۹۵
۳۶۔	رویت ہلال، تعداد تراویح، فرضیت جمعہ وعیدین، تکبیرات جنازہ اور نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق سوالات کے جوابات	۱۰۴
۳۷۔	صدقہ فطر کے متعلق حضرت کا توضیحی محاکمہ	۱۱۲
۳۸۔	التزام کفر کے متعلق حضرت کا فرمان	۱۱۶
۳۹۔	مرد کے لیے سونے چاندی کے بٹن استعمال کرنے کے متعلق حکم	۱۱۸
۴۰۔	کرسی نوٹوں کی خرید و فروخت کے متعلق حکم	۱۲۰
۴۱۔	مسروقہ اشیاء کی بیع، بازاری عورت کا نکاح سابق، احتیاط جمعہ، احکام مساجد، مفقود الخبر کی وجہ کے احکام اور دیگر مسائل کے جوابات	۱۲۳
۴۲۔	دریا میں بہتی لکڑی کی بیع، ذبیحہ فوق العقدہ، طریق تقسیم گوشت قربانی، کیفیت غسل میت کے مسائل کے جوابات	۱۲۶
۴۳۔	طاعون زدہ علاقے سے علاج کے لئے نکل جانے کے متعلق حکم	۱۳۳
۴۴۔	معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے مدعی کے متعلق حکم	۱۳۵
۴۵۔	کانگریس میں شمولیت کے متعلق حضرت کا ارشاد	۱۳۶
۴۶۔	تحریک خلافت اور بیعت امامت کے متعلق خط کا جواب	۱۳۶
۴۷۔	مسلمان اور حکومت برطانیہ سے تعلقات، آزادی حاصل کرنے کا شرعی طریقہ	۱۳۹
۴۸۔	علم ”فقر“ کا ماخذ	۱۵۱

مسائل طلاق

- ۴۹۔ پنجابی لفظ ”چھوڑنا“ اور عربی لفظ ”طلاق“ کے مترادف الفاظ کے متعلق حضرت کا محاکمہ ۱۵۴
- ۵۰۔ لفظ ”نکل جا“ کہنے سے طلاق لازم آتی ہے یا نہیں؟ ۱۶۱
- ۵۱۔ بیوی کو ”ماں بہن“ کہنے سے طلاق کا امکان ۱۶۳
- ۵۲۔ بیوی کو ”ماں بہن“ کہنے کے بعد تین طلاق دینے کے متعلق شرعی حکم ۱۶۴
- ۵۳۔ بیک وقت تین طلاق دینے کے متعلق تحقیق ۱۶۶
- ۵۴۔ طلاق صریح کے ساتھ معلق کا لحوق ۱۷۰
- ۵۵۔ حلف طلاق میں مخلوف علیہ کے امکان کا معنی ۱۷۲
- ۵۶۔ طلاق کے سلسلہ میں حالف کے حاث ہونے کا بیان ۱۷۹
- ۵۷۔ عورت کی طرف نسبت کئے بغیر طلاق کے اعلان کے متعلق حکم ۱۸۳
- ۵۸۔ اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور فتویٰ ۱۸۵
- ۵۹۔ مدعیہ طلاق کے بیان پر نکاح ثانی کا حکم ۱۸۹
- ۶۰۔ طلاق صبی (نابالغ خاوند) ۱۹۱

نکاح کے متعلق چند مسائل

- ۶۱۔ یتیم کے نکاح میں وصی کے اختیار کا مسئلہ ۱۹۶
- ۶۲۔ غیر کفو میں سیدہ کے نکاح کا حکم ۲۰۰
- ۶۳۔ حرمت رضاع کے لئے ثبوت شرعی ۲۰۳
- ۶۴۔ مسلمان قاضی کی غیر موجودگی میں فسخ نکاح کی شرعی صورت ۲۰۴
- ۶۵۔ مزنیہ خود کی لڑکی سے نکاح ۲۰۶
- ۶۶۔ منکوحہ کی لڑکی سے نکاح کی حرمت ۲۰۸

شیعہ حضرات کے چند سوالات کے جوابات

- ۶۷۔ بارہ ائمہ کے متعلق شیعہ حضرات کے سوالات کے جوابات ۲۱۱
- ۶۸۔ آیت تطہیر کے مصداق اور خلافت خلفاء اربعہ ۲۱۵

علم تجوید کا ایک مسئلہ

- ۶۹۔ حرف ”ض“ کے صحیح تلفظ کے متعلق حضرت کا تحقیقی محاکمہ ۲۲۲

فتاویٰ مولانا محمد غازی صاحب وقاری محمد عبدالرحمن صاحب

- ۷۰۔ نجاست کنواں ۲۲۹
- ۷۱۔ مسجد کے امام یا متولی کی موجودگی میں کسی شخص کا جماعت کرانا ۲۳۵
- ۷۲۔ اہل ہنود کے تابوت کے ساتھ شامل ہونا ۲۳۸
- ۷۳۔ کفار کی رسومات میں شرکت کا حکم ۲۴۰
- ۷۴۔ اثبات خلافت خلفاء ثلاثہ بقاعدہ مسلمہ مذہب اہل تشیع ۲۴۱
- ۷۵۔ توسل کے متعلق حکم ۲۴۶
- ۷۶۔ قسم اٹھانے والے کے ساتھ برتاؤ کا حکم ۲۴۸
- ۷۷۔ عورت کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری ۲۴۹
- ۷۸۔ فعل مخلوف علیہ کے کرنے سے منکوحہ پر طلاق کا واقع ہونا ۲۵۱
- ۷۹۔ مسئلہ طلاق ۲۵۲
- ۸۰۔ مسئلہ رضاعت ۲۵۴
- ۸۱۔ بیوی کو تین طلاق کے بعد ”ماں“ کہنے کا حکم ۲۵۵
- ۸۲۔ بالغ سے نکاح کی قبولیت کرانے کا بیان ۲۵۹
- ۸۳۔ سماع ایجاب و قبول ۲۶۲
- ۸۴۔ منگنی کا نکاح کے قائم مقام ہونے کے بارے میں ایک مسئلہ ۲۶۵
- ۸۵۔ وہابی کا معنی ۲۶۷

تعارف



الحمد لله ملهم الحق والصواب والصلوة والسلام على افضل من اوتى الحكمة وفصل الخطاب وعلى الذين معه من الال والاصحاب وعلى من تبعهم الى يوم الحساب۔ اما بعد واضح ہو کہ فاتح قادیانیت، مجد العصر، حجة اللہ علی الارض، آیت من آیات اللہ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہرہ اور باطنہ سے وہ حصہ وافر عطا فرمایا تھا کہ بلا ریب کمالات علمیہ میں باب مدینہ العلم، امام المشارق والمغارب، سیدنا و مولانا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مظہر اتم نظر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جس طرف بھی توجہ فرماتے دلائل و براہین اور تحقیقات و تدقیقات کا وہ حیرت انگیز نقشہ پیش فرماتے کہ بڑے سے بڑے مدعیان علم و حکمت سن کر دم بخود رہ جاتے۔ تمام علوم شرعیہ اور فنون رسمہ کی تعلیم و تلقین میں آپ کو وہ یدِ طولیٰ حاصل تھا کہ مستفیدین جو بڑے بڑے اہل علم و بصیرت ہوتے تھے۔ یوں محسوس کرتے تھے کہ گویا خود مصنف کتاب تشریح کر رہا ہے۔

خاتم المکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی تصنیفات پر آنجناب کو کامل عبور حاصل تھا۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم جیسی ادق کتابوں کو پڑھانا آپ کے معمولاتِ درسیہ سے تھا۔ مثنوی حضرت عارفِ رومیؒ میں وہ مہارت تھی کہ بعض اوقات ایک شعر کی تشریح پر کئی دن گزر جاتے۔ سلسلہ صابریہ کے مشہور شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ جن کے حواشی مثنوی شریف پر شہرہ آفاق ہیں اور درس مثنوی میں اپنے وقت میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے جب مکہ شریف میں حضرت قبلہ عالم سے مثنوی شریف کے ایک شعر کی تشریح سنی تو محو حیرت ہو گئے اور فرط مسرت میں اپنا سلسلہ صابریہ ہدیۃ پیش فرمایا۔ اگرچہ اثنائے تدریس اور مجالس علمیہ میں آنجناب کے بیان کردہ نکات اور مضامین کا ضبط پورے طور پر نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ علوم لدنیہ کا بحر موجِ احاطہ تحریر میں محدود نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ آپ کے خلف رشید حضرت سیدنا پیر غلام محی الدین مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ خانقاہ عالیہ

قدوة العارفين شيخ الاسلام والمسلمين حضرت خواجہ فرید الحق والدین کے سجادہ نشین حضرت دیوان سید محمد صاحب مرحوم جو کہ حضرت قبلہ عالم سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے اصرار پر آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن بعد میں معذرت فرمائی کہ جس وقت میں نے قلم اٹھائی عالم غیب سے بارش کی طرح مضامین میرے دل پر وارد ہونے شروع ہو گئے۔ جن کا ضبط کرنا قلم کی طاقت سے باہر تھا۔ تاہم مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت پر آپ کی تصنیفات شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی اور مسائلِ نذر و نیاز، سماعِ موتی، استمداد اور علم غیب وغیرہ پر کتاب اعلیٰ کلمۃ اللہ اور کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود وغیرہ پر آپ کی کتاب تحقیق الحق اور غیر مقلدین کے دس سوالات کے جواب میں آپ کا رسالہ فتوحاتِ صدیہ اور مکتوبات اور ملفوظات اور کچھ علمی فتاویٰ اب تک اہل علم حضرات کے لئے خضرِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے مفکرِ اسلام، محققِ صوفی، مجتہدِ انہ بصیرت کے حامل فقیہ، زبردست مناظر، بہترین محدث، اعلیٰ ترین مصنف ہونے کے علاوہ فضائے صدق و اخلاص کے بلند پرواز شہباز اور دریائے عشق و محبت کے غواص تھے۔

ذیل میں آنجناب کے کسی قدر علمی فتاویٰ اور تحقیقات ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔ جو آنجناب کی مختلف تصنیفات اور ایک قلمی فتاویٰ میں متفرق طور پر موجود تھے تاکہ یہ بکھرے ہوئے موتی ایک مجموعہ کی شکل میں اہل علم و عقیدت حضرات کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں۔ افادہ عام کے لئے فارسی عبارات کا خلاصہ اردو بھی اصل کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور بعض ایسے فتاویٰ بھی آخر میں شامل کئے گئے ہیں جن کے جوابات آنجناب کے مقرر کردہ خطیب و امام حضرت قاری محمد عبدالرحمن صاحب جو پوری مرحوم اور حضرت جامع المعقول والمنقول مولانا محمد غازی صاحب مرحوم مدرس آستانہ عالیہ گولڑہ شریف نے تحریر فرمائے ہیں اور حضرت قبلہ عالم کی تصویب کا شرف بھی انہیں حاصل ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ قارئین حضرات بخدہ کی اس حقیر خدمت کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے دعائے خیر سے فراموش نہ فرماویں گے۔

نیازمند درگاہ مہریہ

فیض احمد متوطن بھکر مقیم آستانہ عالیہ گولڑہ شریف

آنحضرت ﷺ کے متعلق

سوالات کے جوابات

۱۔ حضرت قبلہ عالم کا اپنے عقیدہ کے متعلق بیان

(آنجنابؑ سے اجمالی طور پر آپ کے عقیدہ کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپؑ نے یہ تحریر فرمایا)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي هداانا وما كنا لنهتدى لولا ان هداانا الله اشهدان لا اله الا الله
وحده لا شريك له موصوف بما نص عليه في القرآن المجيد بحسب ما ارادوا ان محمداً
عليه السلام عبده ورسوله. وان ماجاء به النبي عليه السلام حق وان خلافة الخلفاء الاربعة على
الترتيب الذي وقع حق فهذه عقيدتي على سبيل الاجمال وكفى بالله شهيداً ط

انا العبد

الملتجى والمشتكى الى الله المدعو بمهر على شاه عفار به عنه.

ترجمہ:-

سب تعریف خدا تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں ہدایت فرمائی اور اگر وہ ہمیں ہدایت نہ فرماتا تو
ہم ہدایت نہ پاسکتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی اور عبادت کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی
شریک نہیں اور وہ ان صفات سے جو قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں ویسا ہی موصوف ہے جس طرح اس نے
ارادہ فرمایا اور گواہی دیتا ہوں کہ حضور پر نور جناب محمد ﷺ اس کے بندہ خاص اور رسول ہیں۔ اور گواہی دیتا
ہوں کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی طرف سے لائے وہ حق ہے اور خلفاء اربعہ کی خلافت ترتیب واقعی
کے مطابق حق ہے۔ پس میرا اجمالی طور پر یہ عقیدہ ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ ﷺ کے

حاضر و ناظر ہونے کے متعلق استفسار کا جواب

(ملتان سے دربار پیران پیر کے مشہور بزرگ اور سجادہ نشین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی نے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات پاک پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق بعض علمائے وقت کے باہم اختلاف پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک دریافت کیا تو جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حامداً و مصلیاً۔ از نیاز منداہل اللہ المدعو بمہر علی شاہ الی السید المکرم جناب مخدوم صدر الدین شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ و دامت عنایتہ (ملتان)۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

اما بعد عنایت نامہ مشتمل بر تنازع علمائے کرام در بارہ جواز اطلاق بشر بر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ و عدم آں و حاضر و ناظر بودن حضرت سید البشر ﷺ و انتقائے آں ملاحظہ سے گذرا۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اہل علم و فضل کے مابین محاکمہ و مداخلت کروں مگر امتثالاً لمراسامی ما حضر عرض کرنے پر مجبور ہوں۔

مخدوما! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آں حضرت ﷺ بطریق تکریم و تعظیم واجب اور ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بکمال ہے۔ مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ انحصاراً خاص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔

توضیح:-

آدم علی نبینا علیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا علیہ السلام کو شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدي (اے ابلیس تجھے کس چیز

نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا) چونکہ ملائکہ اس کمالِ آدم سے بے خبر تھے۔ ایسا ہی ابلیس بھی فقالوا ما قالوا۔ فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتنا نے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصور ہوئے فقالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا (بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں دیا) اور ابلیس کو علاوہ قصورِ جہل کے غرور بھی تھا لہذا ابی واستکبر الخ ۲ (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا) ہکذا قال الشيخ الاکبر قدس سرہ الاطہر بمالہ وما علیہ فی جواب سوال حکیم الترمذی (اسی طرح حکیم ترمذی کے سوال کے جواب میں شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے بمالہ وما علیہ فرمایا)

۲۔ بشر ہی کو کمالِ استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریتِ کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالاتِ استجلاء سے از گروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابوالقاسم آنحضرت ﷺ اصالتہ واز جماعتِ اولیاء کرام وارث۔ مصرع

وانی علی قدم النبی بدر الکمال ۳

(اور بے شک میں کمال کے چودہویں کے چاند حضرت نبی اکرم ﷺ کے قدم پر ہوں)

سیدنا عبدالقادر و امثالہ وراثتہ مظہر اکمل و اتم لاسمہ الاعظم ٹھہرے۔ بشر ہی کے لئے تنزلِ اخیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئتِ اجتماعیہ و ترکیباتِ اسمائے و اتصالات و اوضاع انسی خممرت طینۃ آدم سے لے کر تا ظہورِ جسدِ عنصری ﷺ و اتباعہ من الکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تاکہ من رانی فقد رای الحق ۴ (جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا) کا آئینہ و چہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق نما ہو۔ قصہ مختصر بشر ہی ہے کہ جس کو

۱۔ گر خواہی خدا بنی در چہرہ من بنگر من آئینہ اویم او نیست جدا از من

(اگر تو خدا کو دیکھنا چاہتا ہے تو میرا چہرہ دیکھ میں اس کا آئینہ ہوں وہ مجھ سے جدا نہیں)

ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کا بشر کہنا از قبیل ذکر آنحضرت ﷺ بالاسماء المعظمہ ہوا بخلاف غیر عارف کے کہ اس کے لئے بغیر انضام کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز

نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد یوحیٰ الیٰ اور تشہد میں عبدہ کے بعد رسولہ اور کلام اہل فضیلت و عرفان میں ہے۔

فمبلغ العلم فیہ انہ بشرٌ و انہ خیر خلق اللہ کلہم۔

(علم کی رسائی تو اتنی ہے کہ وہ بشر ہیں اور بے شک وہ اللہ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں)

میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت والجماعت سے ہیں اور ذکر آنحضرت ﷺ کو بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔ لہذا ان سے ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ معاذ اللہ فرقہ ضالہ نجدیہ وہابیہ کی طرح صرف لفظ بشر کا اطلاق جائز کہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ بقصد تحقیر لفظ بشر کا استعمال ناجائز اور بغیر اس کے جائز۔ مگر میری رائے وہی ہے جو اوپر بیان کر چکا ہوں کہ صرف لفظ بشر کا اطلاق بغیر انضمام کلمات تعظیم نہ چاہیے کہ بوجہ شیوع عرف و قصد فرقہ ضالہ صرف بشر کہنے میں ایہام امر ناجائز کا ہے۔

۳۔ رہا آنحضرت ﷺ کا بالجسد العنصری ہر مکان و ہر زمان میں حاضر و ناظر ہونا تو یہ امر مختلف فیہ ہے فقائل و منکر و لكل وجهة میرے خیال میں ظہور و سریان حقیقت احمدیہ ہر عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند محققین من الصوفیہ ثابت ہے۔ اس کو حقیقت الحقائق کہتے اور لکھتے ہیں فہو نورہ ﷺ اولاً جو بصورت معنویہ قلب تقی تقی اور جسد شریف عنصری کے ظاہر ہوا۔ ظہور آنحضرت ﷺ بصورتہ مثالیہ شریفہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و ہر زمان میں احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ جس کا اقرار واقعی حضرت ﷺ کا اقرار اور اس کا انکار آپ ﷺ کا انکار مانا گیا ہے کما فی حدیث البخاری فی کتاب الایمان ۲ اہل تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا کراتاً مراتباً اتفاق ہوتا رہتا ہے البتہ ظہور آنحضرت ﷺ کا بجسد العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ کے ہاں ملتا ہے اور بلحاظ واقعہ معراج شریف و خصائص و لوازم مختصہ جسد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد بھی نہیں ہذا ما عندی والعلم عند اللہ۔

آخری معروض:-

آنحضرت ﷺ نے دربارہ حضرت سیدنا حسنؑ فرمایا تھا کہ ابنی ہذا سیّد لعل اللہ یصلح بہ بین الفئتين من المومنین ۳ (میرا یہ بیٹا سردار ہے امید ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی

۱۔ قصیدہ بردہ شریف فصل فی مدح الرسول ﷺ ص ۱۱۔ ۲۔ صحیح بخاری ۴/۲۶۲ الطبعة الثالثة ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر الیمامہ بیروت۔

۳۔ صحیح بخاری الباب مناقب امام حسن ۵۱۲/۱ رقم الحدیث ۳۶۷۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

دو جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا) آپ بھی چونکہ سید حسنی ہیں۔ فریقین کو تحریر ہذا سنا کر آپس میں ملا دیں اور ہدایت کریں کہ ایک دوسرے کو بُرا نہ کہیں اور ایسا ہی عوام کو بھی۔

۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

۳۔ آنحضرت ﷺ عالم الغیب

(آپ سے استفسار کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ کو علم غیب عطا ہوا اور آپ ﷺ کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آپ جواب ارشاد فرماتے ہیں)

آنحضرت ﷺ کو علم غیب بحسب نصوص قرآنیہ اور علم ماکان وما یکون کا از روئے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام من جانب اللہ عطا ہوا ہے۔ علم غیب کلی اور بالذات علی سبیل الاستمرار خاصہ خدائی ہے۔ عزاسمہ۔ اور علم غیب علی قدر الاعلام والاعطاء آنحضرت ﷺ کو عطا ہوا ہے اور آپ کو عالم الغیب بعلم عطائی وہی کہا جاسکتا ہے۔

الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ .

۴۔ غیر نبی اور علوم غیب

(در جواب استفسار جناب صاحبزادہ عبدالحق صاحب پسر جناب ملا صاحب مانکی علاقہ نوشہرہ ضلع پشاور)

مہربان من جناب صاحبزادہ عبدالحق صاحب وفقکم اللہ لما تحب وترضی۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حسب الارشاد تعمیل بعنوان سوال و جواب نمودہ مے آید (میرے مہربان جناب صاحبزادہ عبدالحق صاحب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے محبوب اور پسندیدہ کاموں کی توفیق دے۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! حسب الارشاد سوال جواب کے عنوان کے ساتھ تعمیل کی جاتی ہے)

سوال

از آیت کریمہ عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ احد الا من ارتضیٰ من رسولہ معلوم
مے شود کہ ولی را ہم بوجہ حصول علم بالغیب رسول گفتن جائز باشد زیرا کہ در آیت اطلاع علی الغیب منحصر است در
رسول و حصول علم غیب برائے ولی از مسلمات اہل سنت است و نیز ثابت از کتاب اللہ۔ چنانچہ در سورہ قصص
در حق مادر موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام منصوص است انارادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین^۱ (آیت
کریمہ ”غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے“ سے معلوم
ہوتا ہے کہ ولی کو بھی علم غیب کے حصول کی وجہ سے رسول کہنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت میں اطلاع علی الغیب
رسول کے ساتھ خاص ہے اور ولی کے لیے حصول علم غیب مسلمات اہل سنت سے ہے اور کتاب اللہ سے بھی
ثابت۔ چنانچہ موسیٰ کی ماں کے بارے میں سورہ قصص میں منصوص ہے کہ انارادوہ الیک وجاعلوہ
من المرسلین (بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے)

تشریح و جواب آیت عالم الغیب فلا ینظر علی الخ

منحصر در آیت مذکورۃ الصدر علیست کہ علم بالغیب علی سبیل القطعیہ باشد بوجہ رفع تلہیس و اشتباہ خطا
یعنی اوسبحانہ و تعالیٰ رسول خود را خواہ ملکی یا بشری اطلاع بر غیب مے بخشد بہ نہیکہ اصلاً احتمال خطا و اشتباہ درو
نباشد۔ چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ بعد ازیں مے فرماید فانه یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصداً یعنی در
حق رسول اہتمام چوکیداراں و محافظاں از ملائکہ در وقت انزال آیات نمودہ مے شود تا کہ از تلہیس ابلیس و حکم
وہم و غلبہ طبعیت محفوظ و مامون باشد۔ برخلاف اولیاء و عرفا کہ ایں قدر اہتمام بوقت القاء غیب در اوشاں نمودہ
نمیشود لہذا علم رسول حجت علی الغیر است نہ علم ولی حاصل آنکہ ہمیں قطعیت بر نہج مذکور فارق است در علم رسول
و علم غیر او ولی باشد یا منجم یا رمال یا جفار یا غیر اوشاں از بعض عوام کہ بذریعہ رؤیا صادقہ مطلع مے باشند۔

بروقوع امور مستقبلہ در تفسیر تبصیر الرحمن مے نویسند^۲ فلا ینظر ای لا یطلع علی شی من
غیبہ احدا برفع التلہیس عنہ من کل وجہ الا خواصہ من ارتضیٰ من رسول فانه یطلعه
علی الغیب ماموناً عن التلہیسات اذ یسلک فی ایصال غیبہ الیہ ملک ترصدہ ملائکہ

۱ القرآن الجن آیت ۲۷ ۲ القرآن القصص آیت ۷ ۳ تفسیر تبصیر الرحمن علی المہاجر ج دوم ص ۳۷۰ مطبوعہ مکتبہ النعمانیہ پشاور

من بین یدیه ومن خلفه رصدا یحرسہ من تلبیسات الشیطان والولی اذا اطلع علی الغیب فلا ینال من ہذہ التلبیسات بہذا الطریق بل بعلامات اخر و کثیرا ما یحتاج الی شواہد الکتاب او السنۃ انما فعلنا باطلاعہ ذلک لیعلم الرسول ان ای الشان قد ابلاغوا الی الملک الحامل للغیب وانما الملک الحامل للغیب والمترصدون معہ رسالات ربہم من غیر تغیر شیئی منہا من جہۃ الشیطان ولا یتصور من جہتہم لانہ تعالیٰ احاط بما لہم من الطباع والاخلاق کیف لا وقد احصی من کل شیئی عددا فیحیط بعدد طبائعہم و اخلاقہم ولکن الرسل لا یطلعون علی جمیع الغیوب لبقی الاختصاص الالہی بحالہ فافہم واللہ الموفق والاعلم والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ اجمعین ط انتہی۔ اینجا واضح گشتہ کہ از عباد اللہ خاصہ رسولان علمیت کہ علم بالغیب بر نہج مذکور باشند مطلق علم غیب تا کہ بوجہ انحصار استفاد از آیت مذکورہ ولی را رسول گفته شود۔ والا باید کہ منجم و رمال و جفار و صاحب رویائے صادقہ ہمہ رسول باشند و قادیانی را بریں تقدیر یعنی ارادہ مطلق علم بالغیب ہم نصیب نیست۔ از رسالت چہ غلطی پیشن گوئی ہائے او بر واقعاں پیدا ہویدا است۔ کتاب سیف چشتیانی را از صفحہ ۳۲ تا ۳۸ ملاحظہ فرمائند کہ در آں بطور مشتم نمونہ از خروار مندرج است۔

ترجمہ

آیہ کریمہ میں علم قطعی کی حصر ہے جس میں کسی غلطی اور التباس کی گنجائش نہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب پر اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی غلطی اور اشتباہ کا احتمال نہیں رہتا چنانچہ بعد میں اس کی تصریح ہے فانہ یسلک من بین یدیه ومن خلفه رصدا الخ یعنی رسول کے لیے نزول آیت کے وقت اس قدر محافظوں کا اہتمام اس لیے ہوتا ہے کہ وہ تلہیس ابلیس اور غلبہ وہم سے محفوظ رہیں بخلاف اولیاء و عرفاء کے کہ ان کے لیے القاء کے وقت اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا۔ پس رسول کا علم توجت علی الغیر ہوتا ہے لیکن ولی کا نہیں۔ یہی چیز علم رسول اور علم غیر رسول کے درمیان حد فاصل ہے۔ خواہ غیر نبی ولی ہو یا نجومی، جفار، رمال یا عام مومن اور اسے سچے خواب کے ذریعے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع دی گئی ہو۔ چنانچہ تفسیر تبصیر الرحمن میں اسی آیت کے ضمن میں اس امر کی پوری تصریح موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر

قسم کی تلپیس رفع کر کے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے پسندیدہ رسولوں کے۔ بے شک اسے ایسے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے جو ہر قسم کی تلپیس سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس لیے اُس رسول تک غیب پہنچانے کے لیے فرشتہ وحی کے آگے پیچھے نگہبان مقرر ہوتے ہیں جو تلپیس شیطانی سے حفاظت کرتے ہیں۔ اور ولی جب غیب پر مطلع ہوتا ہے تو ان تلپیسات سے مامون نہیں ہوتا البتہ دیگر ذرائع اور علامات کی وساطت سے اسے بھی علم غیب محفوظ طور پر ہو سکتا ہے اور اکثر اوقات کتاب و سنت کے شواہد کی طرف محتاج ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ رسول کو علم ہو کہ فرشتہ وحی اور دیگر محافظین نے اپنے رب کے پیغامات شیطانی تغیر کے بغیر اس تک پہنچا دیئے اور خود فرشتوں سے تغیر متصور ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے طبائع اور اخلاق کو احاطہ فرمایا ہوا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ ہر شے کی گنتی کو محیط ہے لیکن رسل کرام سب غیوب پر مطلع نہیں ہوتے تاکہ خصوصیت الہیہ برقرار رہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ خدا کے بندوں سے رسل کرام کا خاصہ وہ علم ہے جو بطریق مذکور ہونہ کہ مطلق علم غیب تاکہ ہر مذکور کی بناء پر ولی کو رسول کہنا جائز ہو جائے ورنہ لازم آئے گا کہ نجومی، رمال، جفار اور سچے خواب دیکھنے والا سب رسول ہوں (نعوذ باللہ) اور قادیانی کو تو مطلق علم غیب کی صورت میں بھی کچھ مشابہت نصیب نہیں کیونکہ اس کی پیشین گوئیوں کی غلطیاں واقفین حال پر ظاہر ہیں۔ سیف چشتیائی از صفحہ ۳۲ تا صفحہ ۴۸ ملاحظہ کرنے سے مشیت نمونہ از خروار معلوم ہو سکتا ہے۔

۵۔ آنحضرت ﷺ کا افضل المخلوقات ہونا

(ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر مساجد کی افضلیت کا اعتقاد صحیح ہے یا غلط۔ آپ جواب میں فرماتے ہیں) مخلصی فی اللہ مولوی فضل احمد صاحب!

بعد سلام و دعا آنکہ بوجہ علالت طبع بجواب مکتوب توقف ہوا۔

مکرم! مسئلہ افضلیت میں حق بجانب آپ ہیں۔ جو شخص آنحضرت ﷺ پر مساجد کی افضلیت کا

معتقد ہے وہ سراسر لسان شریعت و لسان حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ فقہاء و محدثین و سائر علماء اسلام کا معتقد بہ و

مجمع علیہ یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ افضل المخلوقات ہیں حتیٰ کہ مساجد و سائر امکنہ متبرکہ و عرش و کرسی سب

سے اور بحسب لسانِ حقیقت اعیان و اسماء سب ظہورات ہیں حقیقت محمدیہ ﷺ کے۔ بناءً علیہ افضلیت اس کی سائر صفات پر ٹھہری۔ صفتِ تکوین ہو یا غیر اس کا۔ لہذا واعظ صاحب کو بوجہ عدم رسائی مبنی علیہ دوسرے جملہ افضلیت علی القرآن میں بھی جاہل کہنا نامناسب نہیں۔ ہذا ما عندی والعلم عندا للہ والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام منہ باطنا علیہ ظاہراً والہ وصحبہ۔
(دستخط خاص حضرت قبلہ عالم)

۶۔ مسئلہ امتناعِ نظیر

(آپ سے حضور ﷺ کی نظیر کے امتناع کے متعلق سوال کیا گیا حضور قبلہ عالم اصل مدعا شروع کرنے سے پہلے فرماتے ہیں) اس مقام پر امکان یا امتناعِ نظیر آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فرقتیں اسماعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ سعہم۔ راقم سطور دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے فانما الاعمال بالنیات و لكل امرئ ما نوى (سو اس کے نہیں کہ اعمال کا ثواب نیتوں پر ہے ہر مرد کے لیے وہ ہے جو وہ نیت کرے)

مقدمات :- (۱) ممتنعات ذاتیہ کا خروج احاطہ قدرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے کمال ذاتی باری تعالیٰ پر دھبہ نہیں لگاتا۔ بلکہ یہ قصور راجع بجانب قابل ہے کہ ممتنع ذاتی قبولیت کا صالح نہیں۔

(۲) انقلابِ حقائقِ واقعیہ کا خواہ معدودات سے ہوں مثل انسان، فرس، بقر، غنم کے یا مراتبِ عددیہ سے ہوں مثل ایک دو تین چار یا مختلفہ یعنی معدود بحیثیت عروض مرتبہ عددی مثلاً زید جو اول مولود ہے۔ بہ نسبت باقی اولادِ عمرو کے ممتنع بالذات ہے۔

(۳) نظیر کسی چیز کی اسی کو کہا جاتا ہے کہ علاوہ مشارکتِ نوعی کے اوصافِ میّزہ کاملہ میں اس چیز کی ہم پلہ ہو۔

(۴) آنحضرت ﷺ بحسب الحقیقۃ الروحانیۃ النوریۃ اول مخلوق ہیں اول ما خلق اللہ نوری ۲ (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا)

اول ما خلق اللہ العقل تصریحاتِ محققین از اہل کشف و شہود اس پر شاہد ہیں کما قال الشیخ

الاكبر قدس سرہ الاطهر۔ فلم يكن اقرب اليه قبولا في ذلك الهباء الاحقية محمد ﷺ المسماء بالعقل فكان مبدأ العالم باسره واول ظاهرفي الوجود فكان وجوده من ذلك النور الالهي۔ (جیسا کہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطهر نے فرمایا کہ اس ہباء میں سوائے حقیقت محمد ﷺ جس کا نام عقل رکھا گیا ہے کے اور کوئی شئی ان کے زیادہ قریب از روئے قبول کے نہ تھی۔ تو آپ ﷺ سارے عالم کا مبدأ اور وجود میں پہلے ظاہر ہونے والے ہیں پس آپ ﷺ کا وجود اس نور الہی سے ہے) اور آخر الانبیاء بھی ہیں قال اللہ تعالیٰ ولكن رسول الله وخاتم النبيين ۲ (اور لیکن (آپ ﷺ) اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں)

اہل بصیرت کو ان مقدمات مذکورہ پر گہری نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ نظیر آنحضرت ﷺ کا وجود ممتنع بالذات بدیں معنی ہے کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسا بنا دیا ہے اور ایسے کاملہ ممیزہ مختصہ صفات کے ساتھ سنوارا ہے کہ جس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ در صورت فرض وجود نظیر، انقلاب حقیقت لازم آتا ہے۔ کیونکہ فرضی نظیر کا وجود آپ ﷺ کے بعد ہی ہوگا تو لا محالہ ایسا معدود ہوگا جس کو مرتبہ ثانیہ عددی عارض ہو اور نظیر کہلانے کا مستحق جب ہی ہو سکتا ہے کہ وصف ممیز کامل یعنی اول مخلوقیت و ختم نبوت میں مشارک ہو تو معروض مرتبہ ثانیہ کا، معروض مرتبہ اولیٰ کا ہو۔ ایسا ہی بلحاظ ختمیت فرض کیا کہ آپ ﷺ مثلاً چھٹے مرتبہ میں تو نظیر آپ ﷺ کی معروض ساتویں مرتبہ کی مثلاً ہو کر معروض مرتبہ سادسہ کی ہوگی وہو خلف۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ممتنع ذاتیہ میں سے دو قسم اولین اور قسم ثالث میں فرق ظاہر ہے کیونکہ قسم ثالث کا امتناع اوصاف عارضہ کے لحاظ سے ہے اس لئے کہ محل بحث امتناع یا امکان نظیر ہے نہ امتناع یا امکان مثل۔

خلاصہ یہ کہ آئینہ احمدی ﷺ میں خالق عز مجدہ نے جداگانہ کمال دکھایا یعنی ایسا بنایا کہ نظیرش امکان ندارد فهذا الكمال راجع اليه سبحانه كما ان هذا الجمال مختص "به من منح الله تعالى فسبحان من خلقه واحسنه واجمله واكمله (پس یہ کمال اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف راجع ہے جیسا کہ یہ جمال اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عطا سے مختص ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ ﷺ کو پیدا کیا اور حسین، خوبصورت اور بہت ہی کامل بنایا)

ناظرین کو بعد از غور واضح ہو سکتا ہے کہ مسئلہ امتناع نظیر میں فقیر کا مسلک و طرز اثبات مدعا میں

جداگانہ ہے۔ کیونکہ اس مدعا میں لزوم کذب فی کلام الباری عزاسمہ سے کام نہیں لیا۔ ہذا ما فی ذہنی
القاصر الآن لعل الحق لا يتجاوز عنه والحمد لله أولاً و آخراً وهو يقول الحق
ويهدى السبيل

۷۔ آنحضرت ﷺ کے میلاد شریف پر خوشی منانا

(محمد اسماعیل صاحب نظامی جھانسی کیتھوبازار شملہ سے دریافت کرتے ہیں کہ دو سال قبل یہاں گروہ
درگروہ جشن عید میلاد النبیؐ منائے گئے اور جلوس جھنڈا، ۱۲ کو جامع مسجد سے عید گاہ تک لے جایا گیا۔ اس سال
امام احمد حسن صاحب نے جلوس روک دیا اور کہا کہ رسول ﷺ کی شان ولادت میں ایسی تقریب منانا منع ہے)
جواب میں حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے میلاد شریف پر خوشی منانا جائز ہے۔

۸۔ رسول کریم ﷺ پر سحر ہونے کے اشکال کا حل

سوال

بجضور فیض گنجور جناب حضور انور پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد اظہار و اشتیاق تمنائے سعادت قدم بوسی بندہ خاکسار مہر دین
سکنہ سیالکوٹ میان پورہ عرض پرداز ہے کہ بندہ کو ایک عقدہ درپیش ہے جس کا کشادہ بجز حضور انور مشکل ہے۔
امید واثق ہے کہ حضور انور جواب با صواب سے سرور فرمائیں گے۔ وہ عقدہ یہ ہے کہ نزول سورہ معوذتین میں
کل مفسرین نے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو ہونا اور جناب کا چھ (۶) ماہ بیمار رہنا ثابت کیا
ہے جس سے عجیب حیرانگی ہے کہ چھ ماہ باب وحی کا مسدود ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ دیگر بمقابلہ موسیٰ علیہ السلام ستر
ہزار جادوگر کے جادو کا اثر نہ ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ یہاں حبیب پاک ﷺ پر ایک عورت کا جادو
کرنا اور آپ ﷺ پر اثر ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ ادھر قرآن شریف میں واللہ یعصمک من الناس ولن

یضروک شینا (اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا اور وہ تمہیں ہرگز کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے) آیا ہے برائے مہربانی اس عقدہ کو مفصل طور پر حل فرما کر ممنون فرمائیں۔ والتسلیم۔

الجواب ہوا الصواب

واقعہ مسحوریت ذاتِ بابرکات جناب سرورِ کائنات ﷺ صحیح و درست ہے اور معوذتین کا شانِ نزول بھی باتفاق مفسرین یہی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں بکثرت احادیث مروی ہیں مگر اس واقعہ کے وقوع سے کوئی خدشہ و اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے اور لوازمات بشریہ مثلاً کھانا، پینا، سونا، مریض ہونا من حیث الانسانیت ذاتِ مبارک کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اسی طرح اثرِ سحر کا وقوع بھی من حیث البشریت ہی ہے نہ من حیث النبوت کہ عدمِ تاثیرِ سحر بموسیٰ علیہ السلام و تاثیرِ سحر بذاتِ فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحيات سے اپنے خیال کے موجب بے جا نتیجے نکالے جائیں جیسے معتزلہ و دیگر فرقِ باطلہ نے اس موقع پر خیالاتِ فاسدہ ظاہر کئے ہیں اور علماء دین نے محققانہ جواب دیئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں یہ بحث مفصل مذکور ہے تحت آیت کریمہ واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان الخ^۲ (اور اسکے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنتِ سلیمان کے زمانہ میں)

غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ من حیث النبوت سحر و جادوگران سے تھا اور یہ قانونِ الہی ہے کہ مقابلِ نبی بازائشِ نبوت کو فتح نہیں نصیب ہوتی چنانچہ قصہ نوح و دیگر انبیاء علیہم السلام کہ قوم نے اُن کی تکذیب کی اور خود واقعہ موسیٰ علیہ السلام اس امر کا شاہد ہے اور اگر مقابلہ من حیث النبوت نہ ہو تو پھر نبی کو تکلیف و ایذا پہنچ جانی کوئی مستبعد امر نہیں ہے بلکہ یہ خاصہ بشریہ ہے جیسے اور لوازمات بشریہ سے نبی مبرا نہیں ہوتا۔ ویسے ہی دنیاوی تکالیف و مصائب سے بھی پاک نہیں ہو سکتا و نیز آیت کریمہ واللہ یعصمک من الناس و دیگر آیات اس معنی بھی اس واقعہ کی قاصر نہیں ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ عصمت سے عصمتِ دینی مراد ہے نہ بدنی ورنہ دندانِ مبارک کا شہید ہونا، کفار کا تکالیف و ایذا پہنچانا، ملک چھوڑ کر ہجرت کرنا سب عصمتِ بدنی کے خلاف ہے۔ پس ضرور عصمت سے وہی عصمت مراد لینی پڑے گی جو خاصہ نبوت ہو اور جو فیما نحن فیہ ہے وہ عصمتِ دینی ہے وہو المراد۔ و نیز ان ایام میں انقطاعِ وحی بھی نہیں معلوم ہوتی ہے کیونکہ معوذتین کا نزول

اسی زمانہ میں ہوا ہے اور یہ امر کہ اتنی مدت وحی بند رہی ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

حضرات مفسرین نے تو اس واقعہ کو نہایت ہی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ و محل نہیں بقدر ضرورت حاشیہ سلیمان جمل کی تھوڑی سی عبارت نقل کئے دیتا ہوں وہی ہذہ۔ قال الراغب
تأثیر السحر فی النبی ﷺ لم یکن من حیث انہ نبی وانما کان فی بدنہ من حیث انہ
بشر و انسان کما کان یا کل و یتغوط و یغضب و یشتہی و یمرض فتأثیرہ فیہ من حیث ہو
بشر لا من حیث ہو نبی وانما یكون ذلک قادحاً فی النبوة لو وجد للسحر تأثیر فی
امر یرجع للنبوة کما ان جرحہ و کسر ثنیۃ یوم احد لم یقدح فیما ضمن اللہ لہ من عصمتہ
فی قولہ تعالیٰ واللہ یعصمک من الناس۔ و کمالاً اعتداد بما یقع فی الاسلام من غلبہ
بعض المشرکین علی بعض النواحی فیما ذکر من کمال الاسلام فی قولہ تعالیٰ الیوم
اکملت لکم دینکم واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(راغب نے کہا کہ نبی ﷺ میں جادو کی تاثیر باس حیثیت نہ تھی کہ آپ نبی ہیں بلکہ آپ کے بدن
میں بحیثیت انسان ہونے کے تھی جیسا کہ آپ کھانا کھاتے، قضاء حاجت فرماتے، کبھی غضبناک ہوتے اور
اشتہا فرماتے اور بیمار ہوتے تو اس کی تاثیر آپ میں بحیثیت بشر کے تھی نہ بحیثیت نبی ہونے کے تھی کہ وہ نبوت
میں قادح ہوگی اگر جادو کی تاثیر ایسے امر میں پائی جائے جو نبوت کی طرف راجع ہو جیسا کہ احد کے دن آپ کا
زخمی ہونا اور اگلے دانتوں کا ٹوٹ جانا اس میں قادح نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان واللہ یعصمک من
الناس میں آپ ﷺ کے لئے اپنی عصمت کی ضمانت دی ہے اور اسی طرح نہیں اعتبار ساتھ اس کے جو واقع ہوا
اسلام میں بعض اطراف پر بعض مشرکین کے غلبہ سے جو اسلام کا کمال اللہ تعالیٰ کے فرمان الیوم اکملت
لکم دینکم میں ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور اس کا علم ہی مکمل ہے)

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود

۹۔ اسلام والدین نبی کریم ﷺ

استفتاء

بخدمت فیض درجت، فیض رساں، تکیہ تولّابے کساں، پشت پناہ مریداں حضرت مربی صاحب جو ددام ظلکم بعد معروض آنکہ دست بستہ خاکسار مسئلہ عرض کرتا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے والدین اسلام پر فوت ہوئے ہیں یا کہ نہیں اور اگر اسلام پر نہیں تو کس پیغمبر صاحب پر تھے۔ زیادہ حد آداب۔

العبد تابعدار ولی محمد چک نمبر ۱۷ امنگانی ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع جھنگ

الجواب ہوا لصواب

حضرت پیغمبر خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے والدین شریفین کے عدم اسلام کا علماء متقدمین کو تو یقین واثق ہے اور متاخرین ابن حجر وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے مگر بعض متاخرین محققین اہل فقہ و حدیث نے اسلام ابوین شریفین حضرت رسول الثقلین ﷺ کو احادیث سے ثابت کیا ہے بلکہ جمیع آباء و امہات حضرت سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا اسلام حضرت آدم علیہ السلام تک پایہ ثبوت کو پہنچایا ہے اور اثبات اسلام کے تین طریقے بیان کیے ہیں۔

اول یہ کہ والدین شریفین آنحضرت ﷺ دین ابراہیم خلیل اللہ پر تھے۔ دوسرا یہ کہ وہ دونوں صاحب زمانہ فترت میں تھے نہ زمانہ نبوت میں یعنی اُن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر خدا ﷺ کی دعا سے آپ کے والدین شریفین کو زندہ کیا اور وہ اسلام لائے۔ چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بارگاہ ایزدی میں سوال کیا کہ الہی میرے والدین کو زندہ فرما کر مشرف باسلام کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سوال منظور فرما کر آپ کے والدین کو زندہ فرما کر مشرف باسلام کیا۔ اگرچہ بعض احادیث میں اس کے خلاف بھی تصریح معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث کی علماء متقدمین نے تضعیف بھی کی ہے لیکن متاخرین محققین نے حدیث احیاء کی تصحیح و تحسین کئی طرح سے فرمائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث احیاء اُن احادیث سے کہ جن کو متقدمین محدثین نے روایت کیا ہے متاخر ہے۔ گویا کہ یہ علم متقدمین سے ایک

گو نہ پوشیدہ و مستور تھا اور متأثرین پر اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول دیا واللہ یختص برحمۃ من یشاء من فضلہ علامہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس بارہ میں کئی رسالے لکھے ہیں اور مخالفین کو بخوبی جواب دیے ہیں علیٰ ہذا القیاس صاحب مواہب لدنیہ و انوار محمدیہ من مواہب اللدنیہ نے بھی اس مدعا کا ثبوت پیش کیا ہے علامہ شامی و طحاوی نے بھی اسلام ابوین شریفین کا مسئلہ بغرض اثبات اسلام آ نہا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ الانوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ مرقوم ہے و قد روی ان امانة امننت به ﷺ بعد موتہا روی الطبرانی بسندہ عن عائشہؓ ان النبی ﷺ نزل الحجون کئیبا حزینا فاقام به ما شاء اللہ تعالیٰ ثم رجع مسرورا قال سئلت ربی عزوجل فاحی لی امی فآمنت بی ثم ردھا۔ کذا روی من حدیث عائشہؓ ایضا احياء ابویہ ﷺ حتی اماناہ رواہ السہیلی و الخطیب۔ وقال القرطبی فی التذکرۃ ان فضائلہ ﷺ وخصائلہ لم تزل تتوالی و تتتابع الی حین مماتہ تکنون هذا مما فضله اللہ به واکرمہ قال لیس احياء هما وایمانہما ممتنعا عقلا لاشرعا فقد ورد فی الكتاب العزيز احياء قتیل بنی اسرائیل و اخبر بقاتلہ و کان عیسٰی یحی الموتی و كذلك نبینا علیہ الصلوٰۃ و السلام احي اللہ علی یدیہ جماعۃ من الموتی و انه اثبت هذا فما یمتنع ایما نہما بعد احيائہما ویكون ذلك زیادۃ فی کرامتہ و فضیلتہ ﷺ وقال الامام فخر الدین الرازی ان جمیع اباء محمد ﷺ کانوا مسلمین و مما يدل علی ذلك قوله ﷺ لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الی ارحام الطاهرات و قد قال اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس فوجب ان لا یكون احد من اجدادہ مشرکا و لقد احسن الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی حیث قال :-

حبا للہ النبی مزید فضل علی فضل و کان بہ لطیفاً

فاحی امہ و کذا اباہ لا یمان بہ فضلا لطیفاً

فسلم فالقدیر بذل قدیر وان کان الحدیث بہ ضعیفاً

(حضرت سیدہ آمنہؓ اپنی موت کے بعد نبی پاک ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ امام طبرانی نے اپنی سند

کے ساتھ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ مقام ہجون میں اترے بڑے غمگین اور

۱ القرآن، البقرة، آیت ۱۰۵ ۲ الانوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ قضیۃ نجات والد ﷺ، ج ۱، ص ۱۷۱، مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات انڈیا

اداس ہو کر وہاں ٹھہرے رہے جب تک اللہ نے چاہا۔ پھر خوش ہو کر واپس آئے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو زندہ کیا وہ مجھ پر ایمان لے آئیں پھر اپنی قبر میں لوٹ گئیں۔ اسی طرح حضرت سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے ماں باپ دونوں زندہ ہوئے اور آپ ﷺ پر ایمان لائے اس کو علامہ سیہلی اور خطیب بغدادی نے روایت کیا۔ علامہ قرطبی نے تذکرہ میں لکھا کہ رسول پاک ﷺ کے فضائل اور خصائل لگا تار زیادہ ہوتے رہے وقت وفات تک انہی فضائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کیا گیا اور وہ ایمان لے آئے یہ بات نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً ممتنع ہے۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل کی خبر دینا مذکور ہے اسی طرح عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا قرآن مجید میں کئی مقامات پر مذکور ہے۔ ہمارے نبی پاک ﷺ کے ہاتھ پر کئی مردے زندہ ہوئے لہذا آپ ﷺ کے والدین شریفین کا زندہ ہونا ممتنع نہیں بلکہ اس سے آپ ﷺ کی کرامت اور فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کے تمام آباء کرام (حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت آدمؑ تک) مسلمان تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک ارحام میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”مشرکین نجس ہیں“ پس ضروری ہے کہ حضور پاک ﷺ کے اجداد پاک میں کوئی مشرک نہ ہو۔ حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے کیا خوب فرمایا:

(اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ پر پے در پے فضل فرمایا، وہ آپ ﷺ پر بہت لطف فرمانے والا تھا، اس نے آپ ﷺ کی ماں کو زندہ کیا اور اسی طرح آپ ﷺ کے باپ کو بھی تاکہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں یہ اللہ کا فضل اور لطف تھا، پس اس بات کو مان لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اگرچہ حدیث اس بارے میں سند کے اعتبار سے ضعیف ہی ہو)

اور بخاری شریف میں بروایت ابی ہریرہؓ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری بعثت خیر قرون بنی آدم میں قرناً بعد قرن ہوئی ہے اور خیریت بعثت نبوی باوجود تلوٹ کفر آباؤ اجداد غیر متصور و نیز حدیث مسلم جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیل سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے خلعت اصطفیٰ حضرت پیغمبر خد ﷺ کو پہنائی گئی۔ یہ برگزیدگی واصطفائی

بھی اسی کی مقتضی ہے کہ سلسلہ آباؤ اجداد نبوی ﷺ میں کم از کم وجودِ تو حید تو ضرور ہی پایا جائے ورنہ باوجود کفر و شرک محض خصائلِ حمیدہ کسی گنتی و شمار میں نہیں کما فی المشکوۃ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منه رواہ البخاری۔ و عن واثلہ بن الاسقع قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اللہ اصطفیٰ کنانہ من ولد اسمعیل و اصطفیٰ قریشا من کنانہ و اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من بنی ہاشم رواہ مسلم۔ (جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری بعثت بنی آدم کے بہترین زمانوں میں ہوئی ہے یہاں تک کہ میں اس زمانے میں مبعوث ہوا جو میرے لیے خاص تھا اس کو امام بخاری نے روایت کیا۔ اور حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اولادِ اسماعیل سے چن لیا اور کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم سے مجھے چن لیا اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے)

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ و علامہ طحاویؒ نے بھی ایمانِ والدین شریفین پیغمبر خدا ﷺ کو اچھی طرح ثابت اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور حدیثیں بھی اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں ان کی توجیہ بخوبی فرمائی ہے چنانچہ شامیؒ میں مرقوم ہے ان تری ان نبینا ﷺ قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیۃ ابویہ له حتی امنابہ کما فی حدیث صححہ القرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرہما فانتفعا بالایمان بعد الموت علی خلاف العادۃ اکراما لنبیہ ﷺ کما حی قتل بنی اسرائیل لیخبر بقاتلہ وکان عیسٰی یحیی الموتی وکذا لک نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام احی اللہ تعالیٰ علی یدیہ جماعۃ من الموتی وقد صبح ان اللہ تعالیٰ رد علیہ الشمس بعد غیبتہا حتی صلی علی کرم اللہ وجہہ العصر فکما اکرم بعود الشمس بعد فواتہ فکذا لک اکرم بعود الحیۃ ووقت الایمان بعد فواتہما۔ ولایقال ان فیہ اسائۃ ادب لاقتضائہ کفر الابوین الشریفین مع ان اللہ تعالیٰ احیاہما لہ امنابہ کما ورد فی حدیث ضعیف لانا نقول ان الحدیث اعم بدلیل رواۃ الطبرانی وابی نعیم وابن عساکر خرجت من نکاح ولم

اخرج من سفاح من لدن ادم الى ان ولدني ابي وامى لم يصبنى من نكاح الجاهلية شئى
واحياء الابوين بعدمما تهما لائنا فى كون النكاح كان فى زمن الكفر ولاينا فى ايضاً ما قال
له الامام فى الفقه الاكبر من ان والديه ﷺ ماتا على الكفر ولا ما فى صحيح المسلم
استأذنت ربى ان استغفر لامى فلم يأذن لى وما فيه ايضاً ان رجلاً قال يا رسول الله ﷺ
اين ابي قال فى النار قلما قفاده فقال ان ابي و اباك فى النار لا مكان ان يكون الاحياء
بعد ذلك لانه كان فى حجة الوداع فكون الايمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد
الممات فذاك فى غير الخصوصية التى اكرم الله بها نبيه ﷺ واما الاستدلال على
نجاتهم ما بانهم ماتا فى زمن الفترة فهو مبنى على اصول الاشاعرة ان من مات ولم تبلغه
الدعوة يموت ناجياً اما المتريدية فان مات قبل مضي مدة يمكنه فيها التأمل ولم يعتقده
ايماناً ولا كفر افلا عقاب عليه بخلاف ما اذا اعتقد كفر او مات بعد المدة غير معتقد شيئاً نعم
البخاريون من المتريدية وافقوا الاشاعرة وحملوا قول الامام لا عذر لاحد فى الجهل
بخالفه على ما بعد البعثة واختاره المحقق ابن الهمام فى التحرير لكن هذا فى غير من مات
معتقداً الكفر فقد صرح النووى والفخر الرازى بان من مات قبل البعثة مشركاً فهو فى
النار و عليه حمل بعض المالكية ما صح من الاحاديث فى تعذيب اهل الفترة بخلاف من لم
يشرك منهم ولم يوحّد بل بقى عمره فى غفلته من هذا كله ففيهم الخلاف وبخلاف من
اهتدوا منهم بعقله كقس بن ساعدة و زيد بن عمرو بن نفيل فلا يخالف فى نجاتهم وعلى
هذا فالظن فى كرم الله تعالى ان يكون ابواه ﷺ من هذين القسمين بل قيل ان اباه
ﷺ كلهم موحّدون لقوله تعالى و تقلبك فى الساجدين (ہمارے نبی پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ
نے عزت بخشی کہ آپ ﷺ کے ماں باپ کو زندہ کیا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اس حدیث کی تصحیح علامہ
قرطبی اور ابن ناصر الدین حافظ شام وغیرہما نے کی پس انہوں نے وفات کے بعد خلافِ عادت زندہ ہو کر
ایمان سے نفع اٹھایا جیسا کہ بنی اسرائیل کے مقتول کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا تا کہ وہ اپنے قاتل کی خبر دے
اور حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اسی طرح ہمارے نبی پاک ﷺ کے دستِ اقدس پر مردوں کی ایک

جماعت زندہ ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ (کی انگشت مبارک کے اشارے) پر ڈوبے ہوئے سورج کو واپس کیا تا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ عصر کی نماز پڑھ لیں تو جس طرح سورج کو لوٹا کر رسول پاک ﷺ کی شان کو ظاہر کیا گیا اسی طرح آپ ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کر کے انہیں ایمان کی توفیق دی گئی تا کہ آنحضرت ﷺ کی کرامتِ شان ظاہر ہو۔ یہ نہ کہا جائے کہ اس میں بے ادبی ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ پہلے آپ ﷺ کے والدین کریمین کفر پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور وہ ایمان لے آئے جیسا کہ ضعیف حدیث میں وارد ہوا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ حدیث اپنے عموم پر ہے طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نکاح کے ذریعے منتقل ہوتا رہا، بدکاری کے ذریعے نہیں آدم کے زمانے سے لے کر یہاں تک کہ میرے ماں باپ نے مجھے جنا۔ مجھے جاہلیت کے نکاح کی کوئی بات نہیں پہنچی والدین کا زندہ ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ نکاح زمانہ کفر میں ہوا ہو اور نہ ہی اس بات کے منافی ہے جو امام ابوحنیفہ نے فقہ اکبر میں فرمائی کہ آپ ﷺ کے والدین نے زمانہ کفر میں وفات پائی اور نہ ہی اس بات کے منافی ہے جو کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رب سے اجازت مانگی کہ اپنی ماں کے لیے استغفار کروں، مجھے اجازت نہ ملی اور اس طرح وہ روایت جو مسلم میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں ناری ہیں۔ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ زندہ کرنے کا واقعہ ان واقعات کے بعد پیش آیا زندہ کرنے کا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔ یہ اعتراض کہ موت کے فرشتوں کو دیکھنے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا تو آپ ﷺ کے والدین کو موت کے بعد ایمان کیسے نفع دے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی شانِ بلندی ہے۔

یہ استدلال کہ آپ ﷺ کے ماں باپ نجات یافتہ ہیں کیونکہ وہ فترت کے زمانہ میں فوت ہوئے تھے یہ دلیل اصول اشاعرہ پر مبنی ہے کہ جو وفات پا گیا اور اس کو دعوت نہ پہنچی، وہ نجات یافتہ ہے لیکن ماترید یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اس مدت سے پہلے فوت ہو گیا جس میں اس کے لیے غور و فکر کرنا ممکن ہو اور عقیدہ کے اعتبار سے نہ اس نے ایمان لایا ہو اور نہ کفر کیا ہو تو اس پر عذاب نہیں بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ کفر پر اعتقاد

رکھے یا مدت تامل کے بعد فوت ہو اور اس کا کسی شے یعنی ایمان و کفر پر اعتقاد نہ ہو۔ ہاں ماترید یہ میں سے بخاری گروہ، اشاعرہ کے موافق ہے اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر محمول کیا ہے کہ کسی آدمی کے لیے یہ عذر نہیں کہ وہ بعثت کے بعد جہالت میں رہا اسی قول کو محقق ابن ہمام نے اپنی کتاب التحریر میں اختیار کیا لیکن یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو عقیدہ کفر پر نہ مرا ہو چنانچہ علامہ نوویؒ اور امام فخر الدین رازیؒ نے صراحت کی ہے کہ جو بعثت سے پہلے مشرک ہو کر مرے وہ ناری ہے اسی پر محمول کیا ہے بعض مالکی علماء نے ان احادیث کو جو اہل فترت کو عذاب دیے جانے کے بارے میں ہیں بخلاف اس شخص کے بارے میں جس نے شرک نہیں کیا اور نہ اس نے توحید کا اقرار کیا بلکہ ساری زندگی غفلت میں رہا بس ان لوگوں کے بارے میں اختلاف ہے بخلاف ان لوگوں کے جو اپنی عقل کی بناء پر ہدایت پر آگئے جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ پس ان کی نجات میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم پر یہ حسن ظن ہے کہ آپ ﷺ کے ماں باپ ان دو قسموں میں سے ہوں گے بلکہ آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد تو حید والے تھے اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے کہ ”آپ ﷺ کا پلٹ کر آنا سجدہ کرنے والوں میں“

اور علامہ طحاوی نے بھی اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے اُس کو ترک کرتا ہوں۔ ہاں اُس میں ایک حکایت اُس کے متعلق نقل کی ہے اُس کو تحریر کر دیتا ہوں و حکمی ان بعض الفضلاء مکث متفکر الیلتہ فی ابویہ ﷺ واختلاف العلماء فی حدیث احیائہما وایمانہما بہ فمن مضعف ومن مصحح وهل یمكن الجمع بین الاقوایل ام لا فاستهواہ الفکرۃ حتی مال علی السراج فاحرقہ فلما کانت صبیحۃ تلک اللیلۃ اتاہ رجل من الجند یسألہ ان یضیفہ فتوجہ الی بیتہ فمر فی اثناء الطريق علی رجل حضری قد جلس بباب خزانۃ تحت حانوت بها موازینہ و باقی الات البیع فقام هذا الرجل حتی اخذ بعنان دابة الشیخ وقال له شعر۔

احیائہما الحی القدیر الباری

امنت ان ابا النبی و امہ

صدق فتلک کرامة المختار

حتی لقد شهد الہ برسالة

فہو الضعیف عن الحقیقة عاری

وبہ الحدیث و من یقول بضعفہ

ثم قال خذها اليك ايها الشيخ ولا تسهر ولا تتعب نفسك متفكرا حتى يحرقك السراج ولكن امض المحل الذي انت قاصده لتاكل منه لقمة حراما فبهت الشيخ لذلك ثم طلب الرجل فلم يجده فاستخبر جيرانه من اهل السوق فلم يعرف منهم احدا واخبر ابانه لاعهد لهم برجل يجلس بهذا المحل اصلا ثم ان الشيخ رجع الى منزله ولم يمض الى دار الجندی لما سمعه من مقالة هذا الاستاذ. (فضلاء میں سے ایک کے بارے میں حکایت ہے کہ وہ رات بھر نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں سوچتا رہا اور علماء کے اختلاف پر غور کرتا رہا کہ آیا وہ زندہ ہوئے اور ایمان لائے یا نہ۔ ان اقوال کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ نہ۔ پس فکر نے اس کو اتنا پریشان کیا کہ وہ چراغ کی طرف مائل ہوا، چراغ کی آگ نے اسے جھلسا دیا جب اس رات کی صبح ہوئی تو لشکر سے ایک آدمی آیا وہ سوال کرتا تھا کہ اس کا مہمان بنے پس وہ اس کے گھر کی طرف چلا رستے میں اس کا ایک آدمی کے پاس سے گزر ہوا جو ایک دکان کے نیچے خزانے کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا وہیں پر اس کا ترازو اور باقی خرید و فروخت کا سامان تھا وہ آدمی اٹھا اور اس نے شیخ کی سواری کی باگ پکڑی اور شعر کہا ”میں ایمان لاتا ہوں کہ نبی پاک ﷺ کے ماں اور باپ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا جو قادر مطلق ہے اور سب کا خالق ہے، ان دونوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی پس یہ عزت و کرامت ہے نبی محتار ﷺ کی، حدیث صحیح ہے اور جو اس کو ضعیف کہتا ہے وہ خود ضعیف ہے اور حقیقت سے عاری ہے“ پھر اس نے کہا اے شیخ! اس بات کو مضبوطی سے تھام لے، رات کو زیادہ بیداری نہ کر، اپنے آپ کو نہ تھکا یہاں تک کہ تجھے چراغ جلادے۔ تو اس مکان کی طرف جا جس کا قصد کر کے آرہا ہے تاکہ اس سے حرام کا لقمہ کھائے وہ شیخ لا جواب ہو گیا۔ پھر اس شیخ نے اس آدمی کو تلاش کیا مگر نہ پایا، بازار میں اس کے ہمسایوں سے پوچھا مگر ان میں سے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ پس شیخ اپنے مکان کی طرف لوٹ گیا اور اس فوجی کے گھر کی طرف نہ گیا کہ وہ اس استاد کا مقالہ سن چکا تھا)

الحاصل ایمان والدین شریفین حضرت پیغمبر خدا ﷺ کا متاخرین علماء کرام کے نزدیک ثابت ہے

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

الملتجی الى الله عبده المذنب مہر علی شاہ

۱۰۔ حضور علیہ السلام کے بعض اسماء کی تحقیق،

سہو نماز میں ایک مسئلہ

استفسار۔ ۱

مکرم و معظم بندہ سلمک اللہ تعالیٰ۔ تسلیم و نیاز۔ مزاج شریف۔ نہایت ادب سے التماس ہے کہ آیا محمد، احمد، محمود۔ اسم ہیں یا لقب۔ علماء ایں جانب کا اس میں اختلاف ہے۔

مکرمی، معظمی، سیدی جناب شاہ صاحب زاد الطافہ۔ بعد تسلیم و نیاز اُنکے۔ بجواب نوازش نامہ خط بھیج چکا ہوں اُمید کہ کل موصول ہوا ہوگا۔ ایک مسئلہ کی دریافت کے واسطے مکتوب ہذا کی تحریر کی جلد ضرورت ہے اُمید کہ تحقیقات جواب باصواب سے جلد مشکور فرمائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اس جگہ خلف امام مقتدی کے سہو پر اعادہ نماز کے بارہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اس میں متفق ہیں کہ خلف امام مقتدی کو اپنے سہو پر سجدہ نہیں کرنا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ اعادہ نماز کا کرنا ہے یا نہیں۔ سنا ہے جناب نے ایک دفعہ پاک پتن شریف میں اس مسئلہ کے بارے میں کچھ فرمایا تھا۔ براہ مہربانی بعد تحقیق کے جواب سلسلہ مذکور سے مشکور فرمائیں۔

نیاز مند محمود تونسوی

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وحده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده وآلہ وصحبہ۔

محمد، احمد، محمود، القاب اند یا اسماء۔ جواباً گزارش است کہ مقصود از محمد و احمد و محمود چونکہ ذات مستمی است لہذا اسماء خواہند بود نہ القاب چہ مقصود دریں یا مدح و ذم است نہ مجرذ ذات اگرچہ واضع را عند الوضیع معنی وصفی ملحوظ بودہ باشد و ثمرہ اش ہمیں کہ از اسماء منقولہ خواہند بود نہ از اسماء مرتجلہ بناء علیہ اہل تحقیق در ذکر اسماء شریفہ آنحضرت ﷺ احمد علیہ السلام و محمد علیہ السلام را از اسماء ذات شمرده اند و سائر اسماء را علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام از

اسماء صفات محدث دہلوی شیخ عبدالحق درمدارج النبوت بنویسند (واعلم واشہر اسماء آنحضرت احمد علیہ السلام و محمد علیہ السلام است کہ بمنزلہ اسم ذات اند و دیگر اسماء صفات) او آنچہ حضرت شیخ بہ ہمیں جانوشتہ اند کہ (وایں ہر دو اسم الی پس سزاوار است کہ تسمیہ کردہ شود باحمد علیہ السلام و محمد علیہ السلام) پس مفید است برائے یوں دن آنہا از اسماء منقولہ کما انہ از قبیلہ القاب چنانچہ ملاحظہ معنی وصفی بعد یوں دن ذات مقصود ازاں ہا عند الوضو باشد یا بعد ازاں کما روی عن حسان بن ثابت او ابی طالب

و شق له من اسمه ليجعله فذوالعرش محمود و هذا محمد ﷺ

آنہا را داخل القاب نمی سازد فالعبرة فی کونها اسماء ہو کون الذات مقصودة و لو شتم المعنی الاشتقاقی رائحة التعقل و الملا حظة بخلاف الالقاب فان المقصود فیها هو المدح کزین العابدین او الذم کائف الناقہ فعلى اسم و زین العابدین لقب و ابن الحسین کنیة سلام اللہ علیہما و ان کان معنی العلوم ملحوظاً عند الوضو (خلاصہ یہ کہ محمد، احمد، محمود، حضور کے ذاتی نام ہیں صفاتی نام اور القاب نہیں)

فائدہ. والاسم له معان فيطلق على مقابل الفعل و الحرف و على مقابل اللقب و الكنية و على مقابل الصفة المشتقة و يكون بمعنى العلم و الظاهر ان المراد ههنا ای فی اسمائه ﷺ ما شاع اطلاقه عليه صلى الله عليه سواء كان علما او صفة او غيرهما و سواء اختص به ﷺ و ضعام لا فهو العلم و ما يشبهه. نسيم الرياض على شرح شفاء العياض ۲ هذا ما عندي و العلم عند الله.

ترجمہ

محمد، احمد، محمود لقب ہیں کہ اسماء۔ جواباً گذارش ہے کہ محمد، احمد، محمود سے مقصود مسمیٰ کی ذات ہے لہذا یہ اسماء ہوں گے نہ کہ القاب۔ کیونکہ القاب کا مقصد مدح یا مذمت ہے نہ محض ذات اگرچہ وضع کرنے والے نے وضع کے وقت وصفی معنی کا لحاظ کیا ہو۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ یہ اسماء منقولہ ہیں مرتجل نہیں ہیں اسی بناء پر اہل تحقیق نے آنحضرت ﷺ کے اسماء میں احمد اور محمد کو اسم ذات شمار کیا ہے اور باقی اسماء کو اسماء صفات۔ شیخ

۱۔ مدارج النبوة باب ۷، در اسماء آنحضرت ﷺ، ج ۱، ص ۲۵۷۔ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۔ نسیم الرياض علی شرح شفاء، فصل فی اسماء النبی ﷺ، ج ۳، ص ۲۴۰، مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت

عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مشہور نام احمد و محمد ہیں یہ بمنزلہ ذات کے ہیں اور دوسرے اسماء صفات ہیں حضرت شیخ یہاں پر لکھتے ہیں کہ احمد و محمد نام رکھنا مفید ہے یہ اسماء منقولہ ہیں نہ کہ القاب جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت یا ابوطالب فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے نبی ﷺ کے نام کو مشتق کیا پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہیں۔“

پس اسماء ہونے کا مقصود یہ ہے کہ ذات مقصود ہے اگرچہ اشتقاقی معنی کی بو بھی آتی رہے بخلاف القاب کے کہ ان میں مقصد مدح ہوتی ہے جیسے زین العابدین یا مذمت جیسا کہ انف ناقہ پس علی نام ہے اور زین العابدین لقب ہے، ابن حسین کنیت ہے ان پر سلام ہو۔ اگرچہ بلندی والا معنی وضع کے وقت لحاظ میں رکھا گیا ہے (خلاصہ یہ کہ محمد، احمد، محمود حضور ﷺ کے ذاتی نام ہیں صفاتی نام اور القاب نہیں)

فائدہ:- اسم کے کئی معنی ہیں کبھی فعل اور حرف کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، کبھی لقب اور کنیت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور کبھی صفت مشتق کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور علم کے معنی میں ہوتا ہے رسول پاک ﷺ کے اسماء میں وہی معنی مراد ہے جس کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر شائع اور مشہور ہے برابر ہے کہ علم ہو یا صفت ہو یا ان کے علاوہ ہو اور برابر ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو از روئے وضع کے یا نہ۔ پس وہ علم ہے اور جو علم کے مشابہ ہے۔

استفسار ۲

کیا سہو مقتدی سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے یا اعادہ نماز یا کچھ بھی واجب نہیں۔

الجواب

روایات ذیل سے پایا جاتا ہے کہ نہ اعادہ اور نہ سجدہ سہو کچھ بھی لازم نہیں ولا یجب بسہوالمؤتم بل بسہو امامہ ان سجد. شرح وقایہ ۱. والاصل فی ذلک کله حدیث انما جعل الامام لیؤتم به اخرجه ابو داؤد وغیرہ الدال علی وجوب المتابعة عمدة الرعاۃ ۲. ویلزم الماموم السجود مع الامام بسہو امامہ لا بسہوہ لانه لو سجد وحده کان

مخالف الامامہ ولو تابعہ الامام ينقلب التبع اصلا فلا يسجد اصلا قال ﷺ الامام لكم ضامن يرفع عنكم سهوكم وقراتكم . مراقی الفلاح ۱۔ قوله يرفع عنكم سهوكم وقراتكم قرن رفع السهو برفع القراءة ليفيدانه كمالاتهم على المؤتم بترك القراءة هكذا لا اثم عليه بترك السهو بل هو الواجب عليه . حاشیہ طحاوی علی مراقی الفلاح ۲۔ وبسهو المؤتم لا يجب السهو على الامام لانه متبوع لا تابع ولا عليه اى ولا على المؤتم لانه ان سجده وحده كان مخالفا امامه و ان سجد الامام معه ينقلب الاصل تبعا كبرى ۳۔ فان سهى المؤتم لا يجب على الامام ولا على المؤتم السجود لان صلاته ليست بمبنية على صلوة المأموم فسادا ولا نقصانا فلا يجب نقصان صلاته نقصان صلوة المأموم واذالم يجب على الامام لم يجب على المأموم لانه لو وجب فاما ان يسجد وحده وفيه مخالفة امامه فيما ليس من اتمام الفرض وهو لا يجوز واما ان يسجد معه امامه وفيه قلب الموضوع . عنایہ شرح ہدایہ ۴۔ ان الامام يكفى من ورائه فان سهى الامام فعليه سجدة السهو و على من ورائه ان يسجد و امعه فان سهى احد ممن خلفه فليس عليه ان يسجد والامام يكفيه (اهق عن عمر) يعنى رواه البيهقى فى السنن عن عمر عن النبى ﷺ . منهج العمال . بل الاولى التمسك بما روى ابن عمر عنه ﷺ ليس على من خلف الامام السهو ۵ شامی صفحہ ۴۹۹ (اور سہو مقتدی سے سجدة سہو واجب نہیں ہوتا البتہ امام کے سہو سے سجدة سہو واجب ہوتا ہے، شرح وقایہ۔ اس بارے میں اصل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کو روایت کیا ابوداؤد وغیرہ نے یہ حدیث دلیل ہے کہ امام کی پیروی واجب ہے، عمدۃ الرعاۃ۔ مقتدی پر سجدة سہو واجب ہوتا ہے جب اس کے امام کو سہو ہو، نہ کہ مقتدی کو سہو ہو۔ اگر مقتدی اپنے سہو پر سجدة کرے گا تو امام کا مخالف ٹھہرے گا اگر امام اس کی پیروی کرے گا تو جو تابع ہے وہ اصل بن جائے گا لہذا مقتدی سجدة نہ کرے رسول کریم ﷺ نے فرمایا امام تمہارا ضامن ہے وہ تم سے سہو اور قرأت کو اٹھاتا ہے، مراقی الفلاح۔ رفع سہو کو

۱۔ مراقی الفلاح کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۱۴، مکتبہ امدادیہ ملتان۔ ۲۔ طحاوی علی مراقی کتاب الصلوٰۃ، ص ۴۳۶، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

۳۔ کبیری شرح مدیۃ المصلیٰ باب سجود السہو، ص ۴۳۷، مکتبہ مجبائی دہلی۔ ۴۔ عنایہ شرح ہدایہ، باب سجود السہو، ج ۱، ص ۵۰۹، مکتبہ الباب الالحی مصر۔

۵۔ فتاویٰ شامی باب سجود السہو، ج ۲، ص ۸۸، دار الفکر بیروت۔

رفع قرأت کے ساتھ ملایا گیا ہے تاکہ یہ اس بات کا فائدہ دے کہ جس طرح مقتدی کو قرأت چھوڑنے پر گناہ نہیں اسی طرح سہو چھوڑنے پر گناہ نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنا سہو چھوڑ دے، حاشیہ طحاوی علی مراقی الفلاح۔ مقتدی کا سہو امام پر واجب نہیں کیونکہ امام متبوع ہے تابع نہیں اور مقتدی پر بھی واجب نہیں کیونکہ مقتدی اگر اکیلا سجدہ کرے گا تو امام کا مخالف ٹھہرے گا اور اگر امام اس کے ساتھ سجدہ کرے گا تو اصل تابع بن جائے گا، کبیری۔ اگر مقتدی کو سہو ہو تو نہ امام پر واجب ہے اور نہ مقتدی پر واجب ہے کہ وہ سجدہ کرے کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز پر مبنی نہیں نہ فساد میں نہ نقصان میں۔ پس مقتدی کی نماز کے نقصان سے امام کی نماز میں نقصان لازم نہیں آئے گا اور جب امام پر سجدہ واجب نہیں تو مقتدی پر بھی واجب نہیں کیونکہ اگر واجب ہو تو وہ اکیلا سجدہ کرے گا یا امام کے ساتھ، اگر اکیلا کرے تو یہ امام کی مخالفت ہے اور یہ جائز نہیں اور اگر امام کے ساتھ سجدہ کرے تو اس میں موضوع الٹ جاتا ہے یعنی متبوع، تابع بن جاتا ہے، عنایہ شرح ہدایہ۔ اگر امام کو سہو ہو تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے اور مقتدی بھی سجدہ سہو کریں اگر مقتدی سے سہو ہو تو اس پر سجدہ نہیں، بیہقی نے روایت کیا سنن میں حضرت عمرؓ سے وہ نبی پاک ﷺ سے، منہج العمال۔ اولیٰ یہ ہے کہ ابن عمرؓ کی روایت کو دلیل بنایا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو امام کے پیچھے ہو اس پر سہو نہیں، شامی) اس سے ثابت ہوا کہ شامی کا مختار عدم سہو و عدم اعادہ ہے گو کہ شامی نے صاحب نہر کا قول ذیل بھی نقل کر دیا ہے قال فی النہر و مقتضی کلامہم انہ یعید ہا لثبوت الکراہۃ مع تعذر الجابر (نہر میں کہا کہ مقتضائے کلام یہ ہے کہ وہ اعادہ کرے کیونکہ کراہت ثابت ہے اور جبر نقصان معذور ہے) والعلم عند اللہ و علمہ اتم

کتبہ العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ

امثالاً للامر الشریف والا، از ما بجز حکایت مہر و وفا پیرس (حکم کی تعمیل کی گئی ہے ورنہ ہم

سے سوائے محبت اور وفا کے کوئی اور کہانی نہ پوچھیے)

جواب بالا کی قبولیت میں حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کا جو نوازش نامہ رونق افروز ہوا وہ ذیل

میں نقل ہے:-

ازنگ چہ گوئی کہ مرا نام زنگ است وز نام چہ پُرسی کہ مرا نگ ز نام است

(نام ونگ کیا پوچھتے ہو کہ ہمیں نام سے ننگ و عار ہے نام کیا پوچھتے ہو کہ ہمیں نام سے بھی عار آتی ہے)

مکرم و معظم بندہ جناب شاہ صاحب جیو سلمکم ربکم۔ تسلیم و نیاز۔ ہر دو جواب جو کہ عین صواب تھے، پہنچے۔ الہی ہمیشہ فائز بہ ثواب رہو۔ آمین۔ بے شک جناب کو ایسے ویسے جوابات کے لیے تکلیف دینا اگرچہ نازیبا ہے مگر چونکہ مستی بہ مہر ہو پھر ہم جو کچھ کریں جناب اس کو مہر و محبت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

نیکی پر مغال ہیں کہ چو ماہد مستان ہر چہ کر دیم پچشم کر مش زیباؤد

(پیر مغال کی نیکی دیکھئے کہ ہم بد مستوں نے جو کچھ کیا اس کی نگاہ کرم میں زیبا تھا)

بارش کی اشد ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ مگر ادعویٰ استجب لکم کا امر ہمیں رہبری کرتا ہے کہ دعا طلبی کریں۔ مکر ماتو ہم آئیں بگو۔ نیاز

محمود از تونسہ

۱۱۔ آلِ محمد علیہ السلام سے کون مراد ہیں

مخلصی فی اللہ برکت علی حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہم صلّ علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم۔ قال رسول اللہ ﷺ (لکلّ نبی ال و عده و آلی و عدتی المؤمن) ہر ایک نبی کے لیے اتباع و جماعت ہیں اور میرے تابعین اور جماعت وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھ کو صدقِ دل سے سچا نبی مانا ہے۔ اس حدیث سے جس کو حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحاتِ مکیہ کی دوسری جلد میں بجواب سوال حکیم ترمذی ذکر کیا ہے صاف ظاہر ہے کہ آلِ محمد سے مراد سب مومن ہیں اقارب و ازواج و اولاد وغیرہم اور لغت والوں جیسا کہ قاموس وغیرہ نے بھی معنی اقارب و اتباع لیا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ کسی مقام میں اہلبیت و آلِ محمد علیہ السلام سے مراد وہ اقارب ہیں جن پر صدقہ لینا حرام ہے چنانچہ آلِ علی و آلِ جعفر و آلِ عباس علیہم الرضوان۔ اور کسی جگہ یہ نظر بقریۃ مقام اولادِ آنحضرت ﷺ و ازواجِ مطہرات اور کسی جگہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا و حسن و حسین و علی علیہم السلام۔ خلاصہ آنکہ لفظ آلِ محمد علیہ السلام مندرجہ درود شریف اور آل

ابراہیم اور آل فرعون سے مراد اتباع اور پیرو لوگ ہیں۔ ماسوائے درود شریف جیسا جیسا مقام ہوگا بقرینہ مقام خاص خاص معانی مراد ہوں گے۔ والسلام

دعا گو مہر علی شاہ از گولڑا

۱۲۔ بنو ہاشم کے لیے صدقاتِ فرضیہ کی حلت

(حضرت قبلہ عالم کے اس فتویٰ کی اصل تحریر سید حسین شاہ صاحب سکنہ کوٹ فتح خان ضلع کیمبل پور سے دستیاب ہوئی۔ فتویٰ فارسی اور عربی میں تحریر ہے۔ فتویٰ کا متن مع اردو ترجمہ تحریر ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اما بعد در حرمت صدقاتِ فرضیہ بر بنی ہاشم حدیثِ بریرہ و حدیثِ تمرہ دلالت بر عموم دارد لکن بعض مجتہدین کرام عند الامام الہمام ابا حنیفہ حرمت را مخصوص بزمان آنحضرت ﷺ داشته و امام طحاوی کہ از ثقات و مشارالیه است در تحقیق و تنقید احادیث نبویہ ﷺ ہمیں را معتقد و معمول بہ قرار داده قال صاحب تفسیر روح البیان تحت الآیة و اعلموا انما غنمتم الی و ابن السبیل بعید الترجمة و التحقيق اللفظی كما هو دابة شكر الله تعالى سعيه و فی شرح الآثار عن ابی حنیفہ ان الصدقات کلها ای فرضها و نافلها جائزة علی بنی ہاشم و الحرمة فی زمان النبی ﷺ لو صول خمس الخمس اليهم فلما سقط ذالك بموته حلت لهم الصدقة قال الطحاوی و بالجواز ناخذ انتہی پس نظر بہ قول امامنا الاعظم در ذہن ناقص ہمیں جواز است فان قلت کیف ذالك و الاحادیث مصرحة بعموم النهی فیستدل بها بعد العلم بصحتها علی تزئيف الرواية المذكورة فی شرح الآثار قلت اولاً ان احتمال عدم وصول الاحادیث الی المجتهد ساقط فانه یسلم الحرمة لكن یخصه بعهد النبی ﷺ و الحرمة مذکورة فی الاحادیث فحسب فعلم ان اجتهاده افضاه الی القول بالجواز فالاستدلال المذكور باطل و ثانیاً ان الفقهاء صرحوا بان العجم ضیعوا انسا بهم فکیف یحکم قطعاً بالحرمة این

است ما حضر واللہ اعلم و علمہ اتم وما اُبریء نفسی .

الراقم مہر علی شاہ عفی عنہ

خلاصہ ترجمہ

حضرت نے بحوالہ تفسیر روح البیان زیر آیت واعلموا انما غنمتم من شی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسلکین (انفال ۴۱) معانی الآثار امام طحاوی سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے ہر قسم کے صدقات فرضیہ ہوں یا نافلہ جائز ہیں۔ اُن کی حرمت بنی ہاشم کے لیے فقط زمانہ نبی علیہ السلام میں تھی کیونکہ اُس وقت انہیں مال خمس سے حصہ ملتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہ حصہ اُن کے لیے ساقط ہو گیا تو صدقات اُن کے لیے حلال ہو گئے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اُن احادیث کا علم نہ ہوا ہو جن سے صدقات فرضیہ کی حرمت بنی ہاشم کے لیے ثابت ہے۔ تو اس کا جواب حضرت قبلہ عالم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اُن احادیث کو جانتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمت اور منع آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ساتھ مختص تھی۔ لہذا ایک محقق مجتہد کے اجتہاد سے یہ ثابت ہوا کہ احادیث نہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ نے نہی اور حرمت کی علت خمس کا حصہ ملنا قرار دیا۔ لہذا جب یہ حصہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہوا نہی اور حرمت بھی ختم ہوئی (نیز ایک الزامی جواب کی طرف بھی اشارہ فرما دیا) کہ جب عجمی لوگوں کے انساب فقہائے کرام کے نزدیک ضائع ہو چکے ہیں یعنی اُن کا اعتبار نہیں رہا تو محض شک سے حرمت کیسے ہوگی۔



فرقہ وہابیہ کے چند اعتراضات کے جوابات

۱۳۔ درود مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب

سوال

سیدی و سندی دامت برکاتکم العالیہ

تسلیم و نیاز۔ میں نے سنا ہے کہ حضور انور اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سرور کائنات ﷺ ہر آن میں اپنی امت کا حال بلا واسطہ ملائکہ دیکھ رہے ہیں اور قائل کا مقولہ بلا واسطہ خود سنتے ہیں۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح من صلی علی عندقبری سمعته ومن صلی غائباً ابلغته راواہ احمد (جو شخص مجھ پر میری قبر کے نزدیک درود پڑھتا ہے میں خود سنتا ہوں اور جو غائبانہ پڑھے اُس کا درود پہنچایا جاتا ہے) کے خلاف ہے۔ نیز درود مستغاث شریف پڑھنے پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بھی حدیث مذکور کے خلاف ہے کیونکہ اس میں صیغہ خطاب موجود ہے۔ امید ہے حضور ازراہ کرم اس اشکال کا حل فرما کر مطلع فرمائیں گے۔

آپ کا نیاز مند محمد شفیق از علاقہ مڈھ رانجھ ضلع شاہ پور

جواب

مخلص فی اللہ مولوی محمد شفیق صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس مسئلہ کے متعلق میری نسبت جو کچھ آپ نے سنا ہے وہ راوی نے حسب فہم خود بیان کیا ہے۔ میں اپنی رائے کے اظہار کو مخاطب کے خواص اہل مشاہدہ و تجربہ سے اور صاحب ارتباط بہ عالم برزخ ہونے پر موقوف سمجھتا ہوں بغیر اس کے تحریر فضول ہے۔ بجواب غیر مقلدین اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ درود مستغاث پڑھنے کے وقت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ملائکہ مَوَکَلہ بالبلاغ درود شریف حیثما یقرء بصیغہ خطاب حضور پہنچا دیں گے۔ پس حدیث مذکورہ میں جملہ (أبلغته) کے مطابق ٹھہرا۔ درود مستغاث کا جواز عقیدہ خواص کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس بارے میں مزید تفصیل میری کتاب ”اعلاء کلمۃ اللہ“ کے آخر میں ملاحظہ کریں۔ بوجہ ازدحام خلق بتقریب عرس شریف زیادہ فرصت نہیں۔ والسلام

دعا گو:- مہر علی شاہ گولڑا

۱۴۔ بدعت کی اقسام و تعریف و رد وہابیہ

استفتاء

سیدی و سندی دامت برکاتکم العالیہ

تسلیم و نیاز۔ کچھ دن ہوئے ایک فتویٰ بصورت سوال و جواب نظر سے گزرا۔ جس میں مفتی صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رمضان شریف میں بعد ختم تراویح سلسلہ چشتیہ نیاز یہ کے متوسلین دست بستہ کھڑے ہو کر جو سلسلہ مذکورہ پڑھتے ہیں بدعت و ضلالت ہے۔ امید ہے حضور اس بارے میں اظہار رائے فرما کر متوسلین سلسلہ عالیہ کو مطمئن فرمائیں گے۔ حضور کے ملاحظہ کے لیے فتویٰ ارسال ہے

نیازمند:۔ محرم علی چشتی

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محیی فی اللہ جناب چشتی صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد سوال و جواب میری نظر سے گزرا۔ سائل و مجیب

ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ وہابیہ نجدیہ کا ابا عن جد (آباؤ اجداد سے) یہی شیوہ و شعار رہا ہے کہ مستحکات بزرگان دین کو بدعت سیئہ، ضلالت، کفر و شرک کہہ دیتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے۔

سیئہ جو برخلاف ہو ما جاء به الرسول علیہ السلام کے۔ دوسری حسنہ جو زیر عموم حکم خدا اور رسول ﷺ

کے داخل ہو۔ امام جزری بنا بریں فرماتے ہیں البدعة بدعتان بدعة هدی وبدعة ضلالة فما كان

فی خلاف ما امر الله به رسوله فهو فی حیز الذم اما كان واقعا تحت عموم مانب الله الیه

و حض علیہ او رسوله فهو فی حیز المدح۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں المراد به ما

أحدث و ليس له اصل فی الشرع و سمی فی عرف الشرع بدعة و ما كان له اصل یدل

علیه الشرع فليس بدعة۔ مشکوٰۃ میں صحیح مسلم سے بروایت جریر بن عبد اللہ مروی ہے من سن فی

الفقیہ والمحقق ج ۱ ص ۸۸ دار ابن الجوزی بالسعودیہ ۲ عمدة القاری شرح صحیح بخاری باب الاقتداء بالسنن دار لکتاب العلمیہ بیروت

الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى اخر الحديث ۱ امام محمدؒ موطا میں حدیث ذیل کو عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت فرماتے ہیں ماراہ المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ۲ خزانة الروایات میں ہے المراد من التعارف تعارف الصلحاء اس بناء پر مستحسنات مشائخ علیہم الرضوان سنت حسنة ہیں۔ طریقہ عالیہ چشتیہ نیاز یہ میں بعد ختم دست بستہ کھڑے ہو کر سلسلہ عالیہ کو پڑھنا یا سُننا اسی قبیل سے ہے۔ نماز تراویح یا خصوصی رمضان سے اس کو تعلق نہیں۔ صرف کھڑے ہو کر بخشوع و خضوع و توسل باہل اللہ دعا مانگنا ہے۔ جیسے عرفات میں کھڑے ہو کر کیفیات سر دُعا مانگی جاتی ہے۔ توسل بہرہ طریق نصوص سے ثابت ہے۔ حصین میں نسائی وابن ماجہ و ترمذی و حاکم سے بروایت عثمان بن حنیف قصہ اعلیٰ میں مروی ہے۔

من كانت له ضرورة فليتوضا فليحسن وضوءه و يصلی رکعتین ثم يدعوا اللهم انی اسئلك و اتوجه الیک بنبیک محمد ﷺ نبی الرحمة یا محمد ﷺ انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضى لی اللهم فشفعه فی حاجتی لتقضى لی ۳ علامہ علی قاری حرز نمین شرح حصین میں فرماتے ہیں و فی نسخة بصیغة الفاعل ای لتقضى الحاجة لی والمعنی تكون سبباً لحصول حاجتی و وصول مرادی فالأ سناد مجازی الخ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ تفسیر عزیزی پارہ عم آیت والقمر اذا تسق کے تحت لکھتے ہیں ”وَأَرَبَابِ حاجات و مطالب حل مشکلات خود ازاں ہائے طلبند و مے یابند“ ۴ (اور حاجت مند لوگ اُن کے وسیلہ سے طلب کرتے ہیں اور پالیتے ہیں)

اس مختصر ماہر سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مجیب کا جواب سراسر غلط ہے۔ اس وقت زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ مُنصف کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

الراقم داعی مہر علی شاہ از گولڑہ



۱ مشکوٰۃ المصابیح باب من سن سنة حسنة، ج ۱، ص ۳۳۱، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ موطا امام محمد باب قیام شہر رمضان ص ۱۴۰، میر محمد کتب خانہ کراچی

۳ حصین باب الرابع، ص ۲۳۱، مکتبہ دار الجیل بیروت۔ ۴ تفسیر عزیزی، ج ۴، ص ۱۱۲، مطبع گلزار محمدی لاہور۔

فرقہ مرزائیہ اور بہائیہ کے اعتراضات کے جوابات

۱۵۔ فرقہ بہائیہ کے غلط استدلال کی تردید

(آپ سے فرقہ بہائیہ کے متعلق آیت مسطورہ ذیل کی تشریح پوچھی گئی جس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں)

فرقہ بہائیہ کا معاذ اللہ نسخ شرع محمدی ﷺ پر اس آیت کو پیش کرنا (یدبر الامر من السماء الى الارض ثم يعرج اليه في يوم كان مقداره الف سنة مما تعدون) (تدبیر فرماتا ہے کام کی آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں) غلط محض اور بے ہودہ خیال ہے۔ اُسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ماکان محمد اباً احد من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین) ۱ (محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے) خاتم النبیین اسی کو کہا جاتا ہے کہ اُس نبی کے بعد کوئی اور نبی نہ ہو۔ ایسا ہی حدیث شریف میں ہے (ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا نبی بعدی ولا رسول) ۲ یعنی پیغمبری ختم ہو چکی ہے میرے پیچھے کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ پھر بہاؤ الدین وغیرہ کیسے پیغمبر ہو سکتے ہیں اور شرع محمدی کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔

آیت یدبر الامر کا مطلب یہ ہے کہ خدائی بادشاہت اور کاروائی کی تدبیر دنیا میں آسمان سے زمین کی طرف اُترتی رہتی ہیں پھر قیامت آنے پر دنیاوی امور کی یہ سب تدابیر جاتی رہیں گی اور وہ قیامت کا دن بوجہ شدت اور سختی کے کافر پر اس قدر لمبا اور دراز معلوم ہوگا کہ گویا ہزار سال کا دن ہے جیسا کہ سورہ سجدہ کی آیت مذکورۃ الصدر میں (الف سنة مما تعدون) آیا ہے یا وہ قیامت کا دن سخت ہولناک ہونے کی وجہ سے کافر کو پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا۔ چنانچہ سورہ معارج میں (خمسين الف سنة) وارد ہے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ایک آیت میں ہزار سال اور دوسری میں پچاس ہزار سال مذکور ہے تو ایک آیت دوسری کے مخالف ٹھہری۔ اس لئے کہ ہزار سال اور پچاس ہزار سال سے مراد یہ ہے کہ کافروں کو بہت لمبا اور دراز معلوم ہوگا۔ اس کی درازی کو خواہ ہزار سال کہیئے خواہ پچاس ہزار سال۔ اور مومن کو وہ دن نماز فرضی کے وقت ادا سے کم مقدار معلوم ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہی مضمون ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت (یدبر الامر) کا مطلب وہ نہیں جیسا کسی جاہل نے نسخ شرع محمدی ﷺ

۱۔ القرآن، پ ۲۱ سورہ سجدہ، آیت ۵۔ ۲۔ القرآن، پ ۲۲ سورہ احزاب، آیت نمبر ۴۱۔ ۳۔ ترمذی باب الروایۃ رقم الحدیث ۲۲۷۲

کے بارے میں سمجھا ہے۔ وہ جاہل یہ بھی نہیں سمجھتا کہ اگر اسی آیت کا مطلب یہ ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ خاتم النبیین کیسے ٹھہرتے جب کہ معاذ اللہ بہاؤ الدین معہ کتاب آسمانی آپ ﷺ کے بعد آنے والا پیغمبر ہوتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور شرع محمدی ﷺ کو جہاں اور بے دینوں کے حملوں سے بچائے۔ والسلام

العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

بقلم خود از گولڑہ ۷۔ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

۱۶۔ ختم نبوت کے متعلق چند شکوک کا ازالہ

سوال

از آیت ذیل معلوم ہے کہ پس از حضرت خاتم النبیین ﷺ رسولان تا ساعت قیامت خواہند آمد قال اللہ تعالیٰ یا بنی ادم اما یا تینکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی وینذرونکم لقاء یومکم هذا چہ مراد از بنی آدم ہمہ افراد نوع انسانی اندالی یوم القیامۃ۔

جواب

ایجا دو عموم اند یکے عموم افراد انسانی۔ دوئم عموم واحاطہ آمدن رسل ہمہ از مان راحتی کہ بعد آنحضرت ﷺ نیز الی یوم القیامۃ و ظاہر است کہ عموم اول مستلزم نیست عموم ثانی را برنجیکہ تجدداً افراد انسانی مثلاً در ہر قرن ملزوم باشد برائے تجدداً تیان رسل و انزال او شاں بلکہ ممکن بامکان وقوعی است کفایت یک رسول برائے افراد انسانی اہل قرن کثیرہ۔ نمی بینی کہ مثلاً اُمّت عیسویہ را آمدن یک رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام در قرون کثیرہ کفایت کرد و ایں امریست موقوف بر مشیت ایزدی بہر قدر کہ خواہد تجدیدش فرماید۔ بناء علیہ ممکن است کہ اتیان آنحضرت ﷺ کافی باشد برائے ہم عصران و تابعانش الی یوم القیامۃ لا کما زعم المستدل۔ الحاصل آیت مسطورہ بالا دلیل نیست بر عموم بلکہ ثابت است بقولہ تعالیٰ (خاتم النبیین) انقطاع سلسلہ رسالت و نبوت بعد آنحضرت ﷺ۔

سوال

حسب تصریحات شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ در مواضع کثیرہ از فتوحات مکیہ و امام شعرانی در یواقیت سلسلہ نبوت تشریعیہ منقطع شدہ است نہ مطلق نبوت پس جائز باشد کہ بعض کمل را از ایں امت مرحومہ نبی غیر مشرع گفتہ شود۔

جواب

اصلاً جائز نیست قال علیؑ کرم اللہ وجہہ . انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی! اینجا سلب اطلاق اسم نبی مطلق مشرعاً کان او غیر مشرع فرمودہ اند اگر کوئی پس صاحب فتوحات و یواقیت چرا خلاف ایں حدیث گفتہ اند۔ گوئم غرض ایں بزرگواران آنست کہ در ایں امت مرحومہ گروہ اہل اللہ ہستند کہ بذریعہ الہام یا کشف یا مطالعہ لوح محفوظ اطلاع دادہ می شوند بر اسرار کتاب و سنت و غیر ہانہ آنکہ بجز حصول ایں معنی او شاں را دخول در مقام نبوت و استحقاق اطلاق اسم نبی حاصل گردد و صاحب فتوحات خود در فتوحات می فرماید لا یصح لاحد ان ینال مقام النبوة وانما نراہ کالنجوم علی السماء انتہی!۔ کذا فی الیواقیت ۲۔

خلاصہ آنکہ۔ بعد آنحضرت ﷺ اطلاق رسول و نبی بر احدی از ایں امت مرحومہ جائز نیست۔
ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۳ ایں امر موہوبی است نہ کسی وفی القصیدہ
تبارک اللہ ما وحی بمکتسب ۴

وفی کتب العقائد ولا یبلغ ولی درجۃ الانبیاء الخ ۵ وفی هذا کفایۃ لہ ادنی درایۃ
واللہ یقول الحق ویہدی السبیل ولہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ والصلوۃ والسلام علی
حبیبہ المصطفیٰ وآلہ واصحابہ البررۃ اہل التقیٰ والنقی۔

العبد الملتجی الی اللہ ان یغنیہ عن سواہ المدعو بمہر علی شاہ جعل آخرتہ خیراً من الاولیٰ

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب، ج ۱، ص ۵۲۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۲۔ فتوحات مکیہ، ج ۲، ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ
مصر، الیواقیت و الجواہر الجزء الثانی المبحث الثانی والاربعون ص ۳۳۶ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۳۔ القرآن، پ ۲۷ سورۃ الحدید، آیت ۲۱۔
۴۔ قصیدہ بردہ شریف، ص ۲۶ مطبوعہ محمد عبد الرحیم ناشر و تاجر عزیز مارکیٹ لاہور ۵۔ شرح عقائد ص ۱۶۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

ترجمہ

سوال :- سورہ اعراف کی آیت یا بنی ادم اما یا تینکم رسل منکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک ﷺ کے بعد قیامت تک نبی آتے رہیں گے کیونکہ بنی آدم سے یوم قیامت تک آنے والے تمام افراد مراد ہیں۔ اُن کے انبیاء بھی قیامت تک آنے چاہئیں۔

جواب :- یہاں دو عموم ہیں ایک افراد انسانی کا عموم، دوسرا تمام اوقات میں عموم و احاطہ رسل۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی قیامت تک، ظاہر ہے کہ پہلا عموم دوسرے عموم کو مستلزم نہیں۔ باین طور کہ ہر دور میں نئے نئے رسول آتے رہیں بلکہ یہ چیز امکان وقوعی کے طور پر ثابت ہے کہ ایک ہی رسول قرون کثیرہ کے افراد انسانی کے لئے کافی ہو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام اُمت عیسویہ کے قرون کثیرہ کے لئے کافی ہوئے (یعنی حضور ﷺ کی بعثت سے قبل پانچ صد سال) یہ معاملہ باری تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ہر ایک کے لئے جس قدر چاہتا ہے حد مقرر فرماتا ہے لہذا عین ممکن ہے کہ حضور ﷺ اپنے ہم عصروں کے لیے اور مابعد میں قیامت تک آنے والوں کے لیے کافی ہوں۔ پس آیت مذکورہ سے استدلال کوئی قوت نہیں رکھتا بلکہ حضور ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت کا انقطاع نص قرآنی (و خاتم النبیین) سے ثابت ہے۔

سوال :- شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات میں اور امام شعرانیؒ نے الیواقیت و الجواہر میں کئی مقامات پر تصریح فرمائی ہے کہ نبوت تشریحی کا سلسلہ منقطع ہوا ہے مطلق نبوت کا نہیں۔ لہذا جائز ہے کہ بعض کالمین اُمت کو نبی غیر تشریحی کہا جائے۔

جواب :- ایسا کہنا بالکل جائز نہیں۔ حضور ﷺ حضرت علیؓ سے ارشاد فرماتے ہیں انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ تم مجھ سے قرب و منزلت میں اس طرح ہو جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام تھے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہاں مطلقاً اسم نبی کے اطلاق کی نفی فرمادی خواہ وہ تشریحی کہلائے یا غیر تشریحی۔ اگر کہا جائے کہ پھر صاحب فتوحات و صاحب یواقیت نے اس حدیث کی خلاف ورزی کیوں کی ہے۔ تو جواباً یہ کہا جائے گا کہ ان اکابر کی غرض یہ ہے کہ اس اُمت مرحومہ میں

اہل اللہ کا ایسا گروہ موجود ہے جنہیں کشف یا الہام یا لوح محفوظ کے مطالعہ کے ذریعے کتاب و سنت وغیرہ کے اسرار سے مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس قدر مقام کے حصول سے انہیں نبوت کا مقام مل جاتا ہے یا ان پر اسم نبی کا اطلاق صحیح ہے۔ بلکہ صاحب فتوحات خود فتوحات میں تصریح فرماتے ہیں لا یصح لاحد ان ینال مقام النبوة انا نراہ کالنجوم علی السماء انتھی۔ کہ اب کسی کے لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ نبوت کا مقام پائے۔ ہم تو نبوت کے مقام کو اپنے سے اتنا دور دیکھتے ہیں جتنا کہ آسمان کی بلندی پر دور سے ستارے نظر آتے ہیں۔ یواقیت میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ کے بعد رسول و نبی کا اطلاق امت مرحومہ کے کسی فرد پر جائز نہیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یہ وہی چیز ہے کسی نہیں۔ قصیدہ بردہ میں ہے تبارک اللہ ما وحی بمکتسب یعنی وحی کسی چیز نہیں۔ شرح عقائد وغیرہ میں ہے۔ کوئی ولی درجہ انبیاء تک نہیں پہنچ سکتا صاحب سمجھ کے لئے یہی کچھ کافی ہے۔

واللہ یقول الحق ویہدی السبیل والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۔ فرقہ مرزائیہ کے آٹھ اہم اشکالات کے جوابات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب حضرتنا، شیخنا، سیدنا و مولانا، زبدۃ المحققین و رئیس العارفین۔ بعد سلام علیکم کے عاجزیوں گذارش کرتا ہے کہ فرقہ باطلہ مرزائیہ کی تائید میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ایک معتقد مرزا ابوالعطاء حکیم خدا بخش قادیانی نے ایک ضخیم کتاب ”عسل مصفی“ لکھی ہے۔ اس کتاب میں مرزا موصوف نے اپنے زعم میں وفات مسیح کو جہاں تک ہو سکا ثابت کیا۔ مرزا صاحب قادیانی نے تو ازالہ اوہام مطبع ریاض ہند امرتسر ۱۳۰۸ھ کے صفحہ ۵۹۱ تا ۶۲۷ میں ۳۰ آیات قرآنی سے وفات مسیح کا استدلال پکڑا مگر حکیم صاحب اپنے پیر سے

بھی بڑھ کر نکلے یعنی انہوں نے ساٹھ آیات قرآنی سے وفات مسیح کا استدلال پکڑا۔ مثل مشہور ہے ”گرو جہاں دے جاندے ٹپ۔ چیلے جان شڑپ“ راقم الحروف کی اکثر اوقات امرتسر کے مرزائیوں کے ساتھ گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ آپ کی کتاب ”سیفِ چشتیائی“ نے مجھے بڑا فائدہ دیا اور چند ایک مرزائیوں نے اسے پڑھا۔ چنانچہ حکیم الہی بخش صاحب مرحوم مع اپنے لڑکے کے آخر مرزائیت سے توبہ کر گئے اور اسلام پر ہی فوت ہوئے اور باقی مرزائیوں کے دل ویسے ہی سخت رہے۔ سچ ہے کہ۔

خاک سمجھائے کوئی عشق کے دیوانے کو زندگی اپنی سمجھتا ہے جو مر جانے کو

میری خود یہ حالت تھی کہ غسلِ مصفیٰ کو پہلی بار پڑھنے سے دل میں طرح طرح کے شکوک اٹھے اور وفاتِ مسیح پر پورا یقین ہو گیا۔ مگر الحمد للہ کہ آپ کی ”سیفِ چشتیائی“ اور ”شمس الہدایت“ نے میرے متذبذب دل پر تسلی بخش امرت ٹپکا۔ امید ہے کہ کئی برگشتہ آدمی اس سے ایمان میں تروتازگی حاصل کریں گے۔ عرصہ ایک سال سے عاجز نے کمر بستہ ہو کر یہ ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ضخیم کتاب بنا کر غسلِ مصفیٰ کی تردید بخوبی کی جائے اور اس کی تمام چالاکیوں کی قلعی کھولی جاوے۔ چنانچہ راقم الحروف غسلِ مصفیٰ کے رد میں ایک کتاب ”صاعقہ رحمانی برنخلِ قادیانی“ لکھ رہا ہے اور اس کے پانچ باب ترتیب وار باندھے ہیں۔ (۱) حیاتِ مسیح ۱۵ فصلوں پر (۲) حقیقتِ مسیح ۱۵ فصلوں پر (۳) حقیقتِ النبوت ۱۵ فصلوں پر (۴) حقیقتِ المہدی ۱۲ فصلوں پر (۵) حقیقتِ الدجال ۸ فصلوں پر۔

مصنف غسلِ مصفیٰ نے چند ایک اعتراضات حیاتِ مسیح اور رجوعِ موتی پر کئے ہیں۔ عاجز ذیل میں وہ اعتراضات تحریر کر دیتا ہے اور آپ سے ان کے جوابات کا خواستگار ہے۔ میں نے امرتسر کے چند ایک عالموں مثلاً محمد داؤد بن عبد الجبار مرحوم غزنوی، خیر شاہ صاحب حنفی نقشبندی، ابو الوفاء ثناء اللہ وغیرہ سے ان اعتراضوں کے جواب پوچھے مگر افسوس کہ کسی نے بھی جواب تسلی بخش نہیں دیئے۔ اب امید ہے کہ آپ بخیاں ثوابِ دارین ان اعتراضوں کے جواب تحریر فرما کر فرقہ مرزائیہ کے دامِ مکر سے اہل اسلام کو خلاصی دیں گے۔

اول:- صحیح بخاری مطبع احمدی جلد ۱ ص ۲۸۱ میں ہے عن ابن عمر قال قال النبی ﷺ

رایت عیسیٰ و موسیٰ و ابراہیمؑ فاما عیسیٰ فاحمر جعد عریض الصدر الخ (حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیمؑ علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ تو سرخ رنگ

کے گھنگھریالے بالوں والے، چوڑے سینے والے تھے)

پھر اسی بخاری میں ہے حدثنا احمد قال سمعت ابراہیم عن ابیہ قال لا واللہ ما قال النبی ﷺ بعیسیٰ احمر ولكن بینما انا نائم اطوف بالكعبة فاذا رجل ادم سبط الشعر یهادی بین رجلین ینطف رأسہ ماء او یهراق الخ (ہمیں احمد نے حدیث سنائی انہوں نے کہا میں نے ابراہیم ابن سعد سے سنا انہوں نے کہا مجھے حدیث سنائی زہری نے سالم سے انہوں نے اپنے باپ (ابن عمر) سے روایت کی کہ بخدا نبی کریم ﷺ نے عیسیٰ کے متعلق نہیں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ والے تھے لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ ایک وقت میں خواب میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ گندمی رنگ کا سیدھے بالوں والا ایک آدمی دو مردوں کے درمیان چل رہا ہے اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یا ان کے سر سے پانی بہہ رہا تھا) پہلی حدیث میں عیسیٰ مسیح بن مریم ناصری کا حلیہ سرخ رنگ، بال گھونگر دار، سینہ چوڑا تھا۔ اور دوسری حدیث میں مسیح موعود کا حلیہ گندم گوں رنگ، بال کندھوں پر لٹکے ہوئے اور سر کے بالوں سے پانی ٹپکتا ہوا ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ مسیح ناصری اور آنے والے مسیح جس نے دجال کو مارنا ہے اور ہے۔ دوسری حدیث میں یہ بھی ہے۔

قال ثم اذا برجل جعد قطط اعور العين اليمنى كان عينه عنبة طافية كاشبه من رايت من الناس بابن قطن واضعا يديه على منكبي رجلين يطوف بالبیت الخ ۲ فرمایا پھر میں نے اس کے بعد ایک شخص کو دیکھا جس کے بال سخت پیچیدہ ہیں، دہنی آنکھ سے کاٹا ہے، وہ ابن قطن سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ ایک آدمی کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بیت اللہ کے ارد گرد پھر رہا ہے الخ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے دجال کو بھی کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ مگر دوسری صحیح حدیثوں سے صاف عیاں ہے کہ دجال پر مکہ و مدینہ حرام کئے گئے ہیں۔ پھر مسیح دجال کا طواف کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

دوم:- صحیح بخاری میں ہی ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ تحشرون حفاة عراة غرلا ثم قرأ کما بدأنا اول خلق نعيده وعدا علينا انا کنا فاعلین فاول من یکسی ابراہیم ثم یؤخذ برجال من اصحابی ذات الیمین وذات الشمال فاقول اصحابی فیقال انهم لا یزالوا مرتدین علی اعقابهم مذ فارقتهم فاقول کما قال العبد الصالح عیسیٰ بن

مریم و کنت علیہم شہیداً مادمت فیہم فلما توفیتی الخ (ابن عباسؓ نے کہانی کریم ﷺ نے ایک روز خطبہ دیا اور فرمایا تم اللہ کے حضور اس حال میں اٹھائے جاؤ گے کہ تمہارے پاؤں اور بدن ننگے ہوں گے اور ختنے نہ کیے ہونگے ”جیسے ہم نے پہلے پیدا کیا اس طرح لوٹائیں گے ہمارا وعدہ ہے ہم اسے ضرور پورا کریں گے“ پھر قیامت میں سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائیگا وہ ابراہیمؑ ہیں۔ پھر میرے اصحاب میں سے دہنی اور بائیں طرف لے جایا جائے گا اور میں کہوں گا یہ میرے اصحاب ہیں تو کہا جائے گا جب آپ ان سے جدا ہوئے وہ اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے (مرد ہو گئے تھے) تو میں کہوں گا جو عبد صالح عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا میں جب تک ان میں تھا ان پر گواہ تھا جب تو نے مجھے آسمانوں پر لے جانے کا وعدہ پورا کر دیا تو تو ہی ان کی نگہبانی کرنے والا تھا اور تو ہر شئی پر گواہ ہے) جزۃ سورۃ مائدہ میں ذکر ہے کہ مسیح پر سوال ہونے پر مسیح جواب دیں گے کہ سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک انک انت علام الغیوب ما قلت لہم الا ما امرتہ بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم و کنت علیہم شہیداً مادمت فیہم فلما توفیتی کنت انت الخ ۲ (پاک ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بے شک تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ میں نے تو اُن کو نہ کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے) قیامت کے دن رسول ﷺ یہ آیات اپنے اوپر چسپاں کر کے فرما دیں گے۔ اور اپنے بیان کو عیسیٰؑ کی طرح بیان فرما دیں گے۔ اب یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ پس آپ ﷺ یہی کہیں گے کہ جب تو نے مجھے وفات دی اور کما قال العبد الصالح صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسیح بھی یہی کہیں گے کہ جب تو نے وفات دی۔

اب اس سے معنی وفات کے لے کر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد وہ موت ہے جو مسیح کو زمین پر آنے کے پینتالیس سال بعد آئے گی تو اس پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ مسیح کے پیرو مسیحی ابھی گمراہ نہیں ہوئے بلکہ مسیح کی وفات کے بعد ہوں گے اور اس جا آئندہ وفات مراد لینا اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ خدا تو مسیح کے

اس زمانے کی نسبت سوال کر رہا ہے جب کہ مسیح کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا نہ آئندہ زمانے کی نسبت اور پھر مسیح اتنا زمانہ چھوڑ کر آئندہ موت کی بابت کس طرح گفتگو کرتے اور پھر تفسیر مثلاً کمالین و حسینی وغیرہ میں فلما توفیتی کے معنی رفع الی السماء نہ ہوتا۔ اور گزشتہ زمانے میں یہ کہنے پر کہ ”جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا“ یہ اعتراض آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پھر کما قال العبد الصالح فرما کر قیامت کو کس طرح کہہ سکتے ہیں ”جب تو نے مجھے فوت کر لیا“ ورنہ یوں کہنا چاہیے ”جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا“ اور یہ غلط ہے۔ جس حالت میں کہ مسیح کی طرح ہی آنحضرت ﷺ فرماویں گے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسیح کی بابت تو آسمان پر اٹھایا جانا معنی کریں اور آنحضرت ﷺ کی بابت فوت ہو جانے کے معنی کریں۔ کیونکہ اس سے تو مماثلت درست نہیں رہتی۔

سوم:- صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں ہے ”قال ابن عباس متوفیک ممیتک“ ۱۔ بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ ابن عباسؓ ایسے معنی کرنے میں آیت یا عیسیٰ انی الخ میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں اس پر یہ اعتراض آتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری سے یہ ثابت نہیں کہ ابن عباسؓ تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں کیونکہ کتاب التفسیر میں صرف متوفیک کے معنی ممیتک لکھے ہیں۔

۲۔ اگر رافع کے بعد متوفیک کو رکھیں تو لازم آوے گا کہ مسیح کا رفع تو ہو گیا ہے و مطہرک و جاعل الذین الخ کا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا بلکہ بعد وفات کے ہوگا اور یہ غلط ہے۔

۳۔ اگر متوفیک کو مطہرک کے بعد رکھیے تو لازم آئے گا کہ رفع و مطہر ہونے کے وعدے تو پورے ہو گئے ہیں مگر مسلمان کافروں پر غالب نہیں ہیں بلکہ موت کے بعد ہوں گے حالانکہ یہ غلط ہے۔

۴۔ اگر متوفیک کو سب کے آخر رکھیں تو لازم آوے گا کہ قیامت کے دن جب کہ اور لوگ زندہ ہو کر اٹھیں گے مسیح فوت ہو جائیں گے کیونکہ چوتھا وعدہ یہ ہے کہ قیامت تک تیرے پیروؤں کو کافروں پر غالب رکھوں گا۔

۵۔ یہ چار وعدے ترتیب وار ہیں اگر واد ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ قیامت کے پہلے پہلے یہ سب وعدے پورے ہو جانے چاہئیں تو الی یوم القيامة کی ضرورت نہ تھی اور اس کی نظیر میں کوئی اور آیت بھی پیش کرنی چاہیے۔

چہارم:- بعض مفسرین نے آیت وان من اهل الكتاب الخ کے معنی یہ کئے ہیں کہ مسیح موعود کے وقت میں جتنے اہل کتاب ہوں گے وہ سب مسیح کی موت کے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے۔ اس پر عمل مصطفیٰ کے یہ اعتراض ہیں کہ

۱۔ آیت وجاعل الذین الخ سے صاف عیاں ہے کہ کافر قیامت تک رہیں گے پھر مسیح کے وقت کس طرح سب مومن ہو جاویں گے۔

۲۔ مفسرین کے یہ معنی اس آیت کے مخالف ہیں۔ جہاں ارشاد ہے کہ ہم نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان قیامت تک بغض ڈالا ہے۔

۳۔ اور اس آیت کے بھی مخالف ہے جس میں ہے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت پیدا کر دیتا مگر یہ سنت اللہ کے خلاف ہے۔

۴۔ یہ کہ جب آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تمام اہل کتاب مسلمان نہیں ہوئے تو پھر مسیح کے زمانے کو کیا خصوصیت حاصل ہے؟

۵۔ دجال یہودی ہوگا اور اس کے ساتھ ستر ہزار یہود ہوں گے باوجود اہل کتاب ہونے کے پھر وہ کیسے ایمان لانے کے بغیر مر جائیں گے۔

پنجم:- عمل مصطفیٰ لکھنے والے نے مسیح کے معجزات احیائے موتی، ابراہیمؑ کے رب ارنسی کیف تحی الموتی الخ اعزیز کے ۱۰۰ سال کے بعد زندہ ہو جانے اور بنی اسرائیل کے ۷۰ سرداروں کے زندہ ہو جانے سے صاف انکار کیا ہے۔ اور اسی کی باطل تاویلیں کی ہیں۔ اور عدم رجوع موتے پر یہ آیات قرآنی پیش کئے ہیں۔

۱۔ و حرام علی قریۃ اہلکنا انہم لا یرجعون ۲ (اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں)۔

۲۔ الم یرواکم اہلکنا قبلہم من القرون انہم الیہم لا یرجعون ۳ (کیا انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا کہ وہ آج تک ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے)

۳۔ حتیٰ اذا جاء احدہم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انہا کلمۃ ہو قائلہا ومن ورائہم برزخ الی یوم یبعثون! (یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے)

۴۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضیٰ علیہا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمیٰ الخ ۲ (اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سونے میں پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا اسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے)

۵۔ ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ۳ (پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو۔ پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے)

ششم :- جز ۳۔ سورۃ البقرۃ میں جہاں ابراہیمؑ کا ذکر ہے فرمایا کہ رب ارنی کیف الخ اس پر مرزائی کہتے ہیں کہ مفسرین نے قیمہ کرنا، کوٹنا کس کے معنے کئے ہیں۔ گو فصرہن کے معنے کوٹنا بھی ہیں۔ مگر یہاں الیک ایسے معنوں سے روکتا ہے۔ اگر کوٹنا ٹکڑے ٹکڑے کرنا معنی ہوتے تو صرف فصرہن کافی تھا نہ کہ فصرہن الیک اور جز صرف ٹکڑوں کو ہی نہیں کہتے بلکہ ثابت جسم کو بھی کہہ سکتے ہیں جیسے ۱۶ آدمیوں کا جز ۴ آدمی و آٹھ آدمی و ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ پس اسی طرح ابراہیمؑ نے چار جانوروں میں سے ایک ایک جانور پہاڑ پر رکھا اور پھر آواز دے کر ان کو پاس بلا لیا۔

ہفتم :- قرآن مجید کی بیس سے زیادہ آیتوں میں ”متوفی“ کے معنی موت کے آئے ہیں۔ تو پھر یہاں مسیح کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر اس سے ”پورا کر لینے“ کے معنی لیں تو پھر بھی یہ ایک معما باقی رہتا ہے کہ (۱) کیا عمر کو پورا کرنا۔ (۲) کیا جسم و روح کو پورا کر لینا۔ (۳) یا کوئی اور معنی۔ اور اگر جسم مع الروح پورا لینا مراد ہے تو باقی آیات میں جہاں توفی وغیرہ ہے تو کیا یہ معنی بنیں گے کہ خدا یا فرشتے لوگوں کو جسم مع الروح اٹھا لیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے قبض کرنا کے معنی لئے ہیں اور قبض ہمیشہ روح کا ہوا کرتا ہے۔

ہشتم:- جبکہ خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی ذی روح مفعول تو ”متوفی“ کے معنی ہمیشہ قبض روح کے ہوا کرتے ہیں اور اگر مرزائیوں کے آگے آیات ”توفی کل نفس۔ ابراہیم الذی وفی“ وغیرہ پیش کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو باب تفعّل سے نہیں ہیں گو اس کا ماخذ وفا ہی ہے۔

یہ آٹھ سوال گویا تمام عمل مصفی کے اعتراضوں کا خلاصہ ہیں۔ ان کا جواب دینا گویا مشن مرزائیہ کے سر پر آسمانی بجلی گرانا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ان کے جوابات تسلی بخش تحریر فرماویں گے۔

خادم الاسلام محمد حبیب اللہ کٹرہ مہاں سنگھ کوچہ ناظر قطب الدین۔ پاس مسجد غزنویاں امرتسر

الجواب ہوالصواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبی بعده وآله وصحبه

جواب سوال نمبر ۱

احمر اور آدم سے مراد ایک ہی شخص ہے کیونکہ در صورت تغایر دوسری حدیث کا جملہ (لا واللہ ما قال النبی ﷺ بعیسیٰ احمر و لکن قال بینما انا نائم اطوف بالكعبة فاذا رجل ادم الخ) ۱۔ (بخدا نبی کریم ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ کے تھے لیکن آپ نے فرمایا ایک وقت میں خواب میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ گندمی رنگ کا ایک آدمی الخ) بے محل اور غیر مربوط ثابت ہوتا ہے۔ اگر احمر و آدم دو شخص ہوتے تو ایک شخص کا سرخ رنگ اور دوسرے کا گندم گوں ہونا ناممکن اور غیر واقعی نہیں مانا جاسکتا تو پھر حلفی نفی کا کیا معنی۔ اس قدر تشدد اور تاکید بالکلف اس صورت میں شایاں ہے کہ ایک ہی شخص کی نسبت حلیہ بیان کیا جاتا ہے اور اسی شخص کو ایک راوی احمر بتاتا ہے اور دوسرا آدم روایت کرتا ہے اور راوی ثانی کو اجتماع بین الحلیتین فی شخص واحد غیر واقعی نظر آتا ہو یا صرف روایت باللفظ اس کا مقصود ہو دراصل بات یہ ہے کہ مسیح ناصری وہی مسیح موعود ہے اور فی الواقع دونوں حدیثیں صحیح مانی جاسکتی ہیں۔ راوی ثانی کا مطلب اور محظوظ نظر صرف روایت باللفظ ہے نفیاً و اثباتاً مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی رنگت میں چونکہ سُرخ و سپیدی ملی ہوئی تھی کمافی ابی داؤد وغیرہ (فاذا رايتموه فاعرفوه فانه رجل مربع

الی الحمرة والبیاض الخ کے ایسی رنگت والے کو اگر سرخ کہا جائے تو بھی اور اگر گندم گوں بتایا جائے تو بھی بجا ہے۔

رہا آنحضرت ﷺ کا مسیح اور دجال دونوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھنا۔ سو معلوم ہو کہ خیال منفصل اور عالم رویا میں عالم شہادت کے محالات ممکنات دکھائی دیتے ہیں ایسا ہی مجردات مجسم ہو کر۔ چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا بروز حشر ایک صورت میں جلوہ گر ہونا جس کا مومنین انکار کریں گے۔ پھر دوسری صورت میں متجلی ہونے پر اقرار۔ ایسا ہی آنحضرت ﷺ کا (علم) کو در صورت لبن مشاہدہ فرمانا۔ اور نیز واضح رہے کہ ہر ایک شخص اپنے خیالات اور اعتقادات و اعمال میں مرکز استعداد ذاتی اپنے کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے یعنی اُن اسماء الہیہ کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا کہ جن اسماء کے لئے اُس کا عین ثابت فیض اقدس میں بغیر تخلُّل جعل مظہر قرار دیا گیا ہے۔ صدیقی عین ثابت (ہادی) اور ابو جہل کا عین ثابت (مضل) کے احاطہ سے باہر نہیں جاسکتا۔ ایسا ہی عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عین ثابت اور دجال کا بھی۔

حدیث کا مطلب :- آنحضرت ﷺ نے مشاہدہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمائی کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک یھدی من یشاء کے اظہار میں اور دوسرا یضل من یشاء کے اسباب میں سرگرم اور کمر بستہ ہے۔ ”ہادی“ اور ”مضل“ کا موصوف چونکہ ذات واحدہ ہے لہذا عالم رویا میں آنحضرت ﷺ کو ایک ہی بیت اللہ مشہود ہوا۔ یہ ہے مطلب مسیح اور دجال دونوں کے طواف کرنے کا واللہ اعلم و علمہ الا تم۔

دوسری حدیث جس میں دجال کی عدم رسائی بیت اللہ تک کا ذکر ہے وہ بھی صحیح و بجا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ دجال کو عالم شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہوگی۔

جواب سوال نمبر ۲، ۳

توفیٰ کا معنی موت نہیں بلکہ موت ایک نوع ہے معنی توفیٰ کے انواع میں سے ”توفیٰ“ کا معنی قبض کر لینا، اٹھا لینا، پورا کر لینا، سُلا نا۔ دیکھو لسان العرب، قاموس، صراح وغیرہ سیف چشتیائی ملاحظہ ہو۔

پھر قبض کر لینا عام ہے۔ ایسا ہی اٹھالینا۔ اگر اس قبض و رفع کا متعلق نفوس و ارواح ہوں اور فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک موت، دوسری نیند۔ پس موت و نیند معنی ”توفی“ کے لئے جزئیات و مواد ٹھہرے۔ چنانچہ آیت ذیل سے صاف ظاہر ہے (اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا) یعنی قبض نفوس و ارواح کی دو صورتیں ہیں ایک موت، دوسری نیند۔ اگر توفی کا معنی صرف موت دینا اور مارنے کا لیا جائے تو کلام الہی (معاذ اللہ) بالکل بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ جب توفی کے مفہوم میں موت ہے تو پھر (حین موتھا) لغو ٹھہرے گا اور (والتی لم تمت) میں بوجہ عطف کے (الانفس) پر اجتماع ضدین (موت و عدم موت) کا سامنا آئے گا و ہو باطل۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قبض نفوس گو دو صورتوں موت و نیند میں ہوتا ہے۔ مگر در صورت موت نفس مقبوضہ کو چھوڑا نہیں جاتا بخلاف نیند کے کہ اس میں نفس مقبوضہ کو اجل مسمیٰ و میعاد معین تک چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ساری آیت پڑھو (اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمیٰ) ۲ (اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سونے میں۔ پھر جس پر موت کا حکم فرمادیا اسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے) پس ثابت ہوا کہ توفی کا معنی صرف قبض ہے اور مقبوض شدہ شے خواہ نفوس و ارواح ہوں اور پھر چھوڑے نہ جائیں جیسے موت کی صورت میں، یا پھر چھوڑ دیئے جائیں جیسے بحالت نیند و بیداری یا غیر نفوس ہوں۔ چنانچہ توفیت مالی وغیرہ محاورات عرب کما فی لسان العرب وغیرہ ایسا ہی (متوفیک) اور (فلما توفیتنی) خارج ہے موضوع لہ توفی سے کہ (المضاف اذا اخذ من حیث انه مضاف یكون التقید داخل والقید خارج) ۳ (مضاف کو جب اس حیثیت سے لیا جائے کہ وہ مضاف ہے تقید داخل اور قید خارج ہوگی) قاعدہ مسلمہ ہے۔ فرض کیا کہ زید مرگیا اور عمر و سوراہا ہے اور دونوں کے متعلقین نے زید کے مرجانے اور عمرو کے سو جانے کے بعد ارتکاب جرائم اعتقادی و عملی کرنا شروع کیا۔ زید و عمرو دونوں سے سوال کرنے میں ایک ہی عبارت کا استعمال بحسب شہادت آیت مذکورہ بالا (اللہ یتوفی الانفس) کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً (أانتما قلتما ان یعتقدوا و یعملوا کذا و کذا) بجواب اس کے دونوں کہہ سکتے ہیں کہ (ما کان لنا ان نقول لہم کذا کذا الا ما امرتنا و کنا علیہم شہیدین مادنا فیہم فلما توفیتنا کنت انت الرقیب

علیہم و انت علی کل شیء شہید) یعنی برخلاف ارشادِ الہی ان کو کہنا ہم کو شایاں نہیں تھا۔ ہم جب تک ان میں موجود تھے ان کو ہدایت کرتے رہے اور فرمانِ خداوندی پہنچاتے رہے۔ پھر جب تو نے ہماری ارواح کو قبض کر لیا اور اٹھالیا۔ پھر تو ان پر نگہبان تھا بشہادت آیت مسطورہ بالا و کتب لغت (لسان العرب، قاموس، صراح) توفی کا معنی قبض و رفع کا ٹھہرا اور موت و نیند انواع و اقسام ٹھہرے معنی قبض کے لئے۔ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ استعمال کلی کا جزئی میں مجاز ہے نہ حقیقت۔ لہذا اہل لغت نے موت کو معنی مجازی ٹھہرایا ہے توفی کے لئے ”سیف چشتیائی“ ملاحظہ ہو۔

ایسا ہی آنحضرت ﷺ اور مسیح ابن مریم علیہما السلام بجواب سوال مذکور لفظ فلما توفیتی استعمال فرما سکتے ہیں یعنی آپ ﷺ بایں معنی (پھر جب قبض کر لیا تو نے روح میرا) اور مسیح علی نبینا علیہ السلام (پھر جب قبض کر لیا تو نے مجھ کو یعنی میرے جسم کو مع الروح پکڑ لیا اور اٹھالیا) وجہ اس کی وہی ہے کہ توفی کا معنی مطلق قبض و رفع کا ہے اور شی مقبوض و مرفوع اس کے معنی سے خارج ہے جملہ توفی اللہ زید کو تینوں صورتوں میں بول سکتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے زید کو مار دیا۔ یعنی اس کی روح کو قبض کرنے کے بعد نہ چھوڑا۔ یا

(۲) اللہ تعالیٰ نے زید کو سلا یا یعنی اس کی روح کو بعد القبض چھوڑ دیا۔ یا

(۳) اللہ تعالیٰ نے زید کو بالکلیہ (جسم مع الروح) قبض کر لیا اور اٹھالیا۔

تیسری صورت محل نزاع ہے اور پہلی دو صورتیں آیت (اللہ یتوفی الانفس) سے صراحۃً ثابت ہیں۔ بلکہ اس آیت میں یتوفی کے معنی میں غور کرنے پر یہ اشکال جاتا رہتا ہے کہ جسم مع الروح کا اٹھالینا جملہ مذکورہ سے کیسے مراد ہو سکتا ہے حالانکہ محاورہ قرآنیہ میں جس جگہ توفی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو وہاں معنی موت ہی مراد ہے۔ کیونکہ مطلق قبض و رفع توفی کا معنی ہے نہ خاص موت ہی۔ جو لفظ کہ معنی کلی (مطلق رفع و قبض) کے لئے موضوع بشہادت لغت و قرآن کریم ہے اُس لفظ (توفی) کو ایک اُس معنی کی جزی کے لئے موضوع سمجھ لینا مثلاً لفظ انسان کو خاص زید کے لئے موضوع قرار دے لینا سراسر جہالت ہے۔

سطحی فرقہ کو دھوکا لگنے کی وجہ علاوہ قلتِ مبلغ علمی کے یہ بھی ہے کہ معنی کلی توفی کے جزیات و مواد میں سے موت والا مادہ فی الواقع بھی بہت ہے اور قرآن کریم میں بھی بکثرت وارد ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کثرت کی وجہ سے عوام نے موت کو معنی حقیقی توفی کے لئے سمجھ رکھا ہے۔ مگر اہل تحقیق و اہل بصیرت کی نظر

واقعات پر ہوتی ہے مثلاً وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ گو قرآن کریم ہی میں خلقت انسان نطفہ سے بتائی گئی ہے اور اس کے نظائر و جزئیات کے لئے اس قدر وسعت و فراخی ہے کہ شمار میں نہیں آسکتے اور (انا خلقناہ من نطفۃ) (بے شک ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے) اور ایسا ہی (خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب) (پیدا کیا اچھلتے ہوئے پانی سے جو پیٹھ اور سینے کے بیچ سے نکلتا ہے) بھی کثرتِ مذکور پر شاہد ہیں مگر اس سے ہرگز ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ لفظ خلق کا معنی یہی قرار دیا جائے کہ نطفہ سے پیدا کرنا بلکہ معنی خلق کا مطلق پیدا کرنا ہے خواہ نطفہ

(۱) - والدین سے ہو۔ چنانچہ کثیر الوقوع ہے۔ یا

(۲) - صرف نطفہ والدہ سے چنانچہ مسیح ابن مریم۔ یا

(۳) - جسم انسانی کے پہلو سے چنانچہ حوا علیہا السلام۔ یا

۴۔ مٹی سے چنانچہ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لہذا توفیٰ کا معنی صرف موت بشہادت کثرتِ نظائر قرآنیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ یہاں پر بالطبع سوال ذیل پیدا ہوتا ہے کہ انا خلقناہ من نطفۃ یا خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب کے عموم سے نصوص قرآنیہ مثلاً (خلقہ من تراب) (۳) اور (ان مثل عیسیٰ عند اللہ الخ) (۴) آدم و عیسیٰ علی نبینا وعلیہما السلام کو استثناء کنندہ موجود ہیں اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو کوئی نص قرآنی کثیرۃ الوقوع جزئیات و مواد سے مستثنیٰ کرتی ہے؟

جواب:- آیت وما قتلوه یقینا بل رفعہ اللہ الیہ ۵ عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ السلام

کے تمامہ وزندہ اٹھائے جانے پر نص قطعی ہے۔

سوال:- بل رفعہ اللہ الیہ سے مراد رفع درجات و اعزاز ہے کما قال سبحانہ و رفع بعضہم

فوق بعض درجات نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح ابن مریم علی نبینا وعلیہ السلام کو زندہ اٹھالیا۔

جواب:- بل رفعہ اللہ الیہ سے رفع درجات مراد لینا بالکل مخالف ہے سیاق کلام الہی کے اس

لئے کہ ماقبل میں قول یہود کا ذکر ہے کہ انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ ۶ یعنی یہود کا یہ خیال تھا کہ ہم نے مسیح علی نبینا وعلیہ السلام کو بذریعہ صلیب مار ڈالا۔ جس کی تردید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

۱ القرآن، یٰسین، آیت ۷۷ ۲ القرآن، الطارق آیت ۶ ۳ القرآن آل عمران، آیت ۵۹ ۴ القرآن النساء، آیت ۱۵۷

کہ مسیح کا بذریعہ صلیب قتل کرنا یہ محض یہود کا غیر واقعی زعم ہے۔ انہوں نے مسیح علی نبینا وعلیہ السلام کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھالیا۔ یعنی مسیح کو ان کے ہاتھ سے بچا لیا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرماتا ہے واذ کففت بنی اسرائیل عنک یعنی اے مسیح منجملہ ہمارے انعامات و احسانات کے جو تجھ پر ہم نے کئے ہیں اور جن کا ذکر ماقبل میں ہے۔ مثلاً احیاء موتی و ابراء اکمہ و تائید بروح القدس ایک یہ بھی احسان ہے کہ ہم نے تم کو یہود کے ہاتھ سے بچا لیا اور ظاہر ہے کہ یہ تردید اسی صورت میں تردید ماقبل یعنی قول یہود کی ہو سکتی ہے کہ رفعہ اللہ الیہ سے مراد رفع جسمانی لیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے مسیح کے جسم کو اٹھالیا اور یہود کے پنجہ سے بچا لیا کما قال واذ کففت بنی اسرائیل عنک اور نیز در صورت رفع درجات و اعزاز کلمہ بل کے ماقبل اور مابعد یعنی قتل و رفع میں علاوہ مخالفت سیاق کلام کے تضاد بھی نہیں پایا جاتا جو کہ قصر قلب کا مفاد ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ما اھنت زیدا بل اکرمته میں نے زید کی اہانت نہیں کی بلکہ اس پر اکرام کیا ہے اور اس کو عزت بخشی ہے۔ اہانت اور اکرام میں تضاد ہے دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی قتل اور رفع کا بھی اجتماع نہ چاہیے۔ قتل جسمی اور رفع جسمی میں تو بے شک تضاد اور عدم اجتماع ہے اور قتل جسمی اور رفع درجات میں تضاد نہیں۔ کیونکہ جو شخص بے گناہ مقتول و شہید ہو اس کے لئے رفع درجات بھی ہوتا ہے۔ لہذا (رفعہ اللہ الیہ) سے رفع جسمی مراد ہے نہ رفع درجات۔

سوال:- قتل صلیبی چونکہ حسب تصریح تورات موجب لعن و ملعونیت ہے لہذا ذکر ملزوم و ارادہ لازم کے طریق پر گویا کلام مذکور بمنزلہ و ما کان ملعوناً بل رفعہ اللہ الیہ کے ٹھہرا اور ملعونیت اور رفع درجات روحی کے مابین تضاد ہے، دونوں بہم جمع نہیں ہو سکتے۔

جواب:- مقتول صلیبی کا مستوجب لعن ہونا اسی صورت میں ہے جب مقتول مرتکب جرم ہو ورنہ در صورت غیر مجرم ہونے کے مستحق اعزاز و اکرام ہوتا ہے دیکھو تورات کتاب استثناء آیت ۲۲ اور ۲۳ میں اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے۔ جس کو ہم سیف چشتیائی میں تورات سے عبارتہ نقل کر چکے ہیں۔ (اس وقت یہ قلم برداشتہ لکھ رہا ہوں اور کوئی کتاب سامنے نہیں) آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں تحقق ہے اس وعدہ کا جو آیت (انی متوفیک ورافعک الی الخ) میں دیا گیا تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت (بل رفعہ اللہ الیہ) نص قطعی ہے رفع جسمی و حیات مسیح پر اور تحقق ہے اس وعدہ کے لئے جو کہ (متوفیک) (ورافعک) دونوں سے کیا گیا ہے۔ اور (فلما توفیتی) میں وہی مطلق رفع مراد ہے یعنی در جواب سوال خداوندی آنحضرت ﷺ و مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں اسی (توفیتی) کو استعمال فرمائیں گے جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ (انی متوفیک) اور (فلما توفیتی) اور (بل رفعہ اللہ الیہ) میں رفع جسم والروح مراد ہے۔ واضح ہو کہ ابن عباسؓ و بخاریؒ کا مذہب حیات مسیح کا ہے۔ چنانچہ مرویات ابن عباسؓ مندرجہ تفسیر در منشور و کتب احادیث اور تراجم بخاری سے ظاہر ہے اور حدیث بر تملا و صی عیسیٰ ابن مریم سے بھی کل صحابہ علیہم الرضوان کا اجماعی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ سیف چشتیائی ملاحظہ ہو۔ لہذا قول ابن عباسؓ متوفیک ممیتک مندرجہ بخاری سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان کا مذہب برخلاف عقیدہ اجماعی کے ہو۔ ممکن ہے کہ متوفیک کا معنی ممیتک امتحاناً فرما دیا ہو۔ چنانچہ آپ (ابن عباسؓ) مباحثات یومیہ میں جو فیما بین صحابہ آیات قرآنیہ کے متعلق ہوا کرتے تھے۔ اثناء تقریر میں مسیح علی الرجلین کو مدلل طور پر امتحاناً پایہ ثبوت پہنچاتے تھے۔ حالانکہ مذہب ان کا غسل رجلین کا ہے۔ اور نیز یہ روایت معارض ہے دوسری روایات ابن عباسؓ سے جن کو در منشور وغیرہ نے باسانید صحیحہ ذکر کیا ہے۔

جواب سوال نمبر ۴

آیت (وان من اهل الكتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ) ۲ (مسیح موعود کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے وہ سب مسیح کی موت سے پہلے اُس پر ایمان لاویں گے) مرزائیوں کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ آیت مخالف ہے آیت (وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ) ۳ کے کیونکہ دوسری آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کافر قیامت تک رہیں گے۔ پھر مسیح کے وقت کس طرح سب مومن ہو جائیں گے۔

جواب :- قیامت تک غالب رہنے کا معنی مدت دراز قرب قیامت تک غالب رہنے کا ہے نہ یہ کہ ابتدائے یوم حشر تک۔ عرصہ دراز سے قرآن کریم میں تعبیر نہ صرف (الی یوم القیامۃ) کے ساتھ کی گئی

ہے بلکہ اس معنی کو (خالدین) کے ساتھ بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ دیکھو (خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ماشاء ربک) حالانکہ مدت دوام آسمان وزمین دنیویہ معدود متناہی ہے نہ بطریق خلود۔ اہل عرب کا ایک محاورہ ہے جس میں کہتے ہیں (لا آتیک مادامت السموات والارض وماختلف الليل والنهار) جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں تیرے پاس نہ آؤں گا۔ اس سے اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ قائل لا آتیک تا مدت بقاء آسمان وزمین اور تا تعاقب لیل ونہار زندہ رہے گا تو یہ حماقت ہے۔ جس کا منشاء بغیر از جہالت اور نہیں۔ اسی تقریر سے مطلب آیت (والقینا بینہم العداۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ) کا بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ رہی آیت (ولو شاء لہد اکم اجمعین) سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تم سب کو راہ راست پر کر دیتا مگر ایسا نہیں چاہا۔ یعنی کسی کو کافر کسی کو مومن بنایا۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اگر مثلاً خطہ عرب کے سارے موجودہ لوگ مشرف بالایمان بعد از کفر و شرک ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہوا ہے تو یہ امر آیت لو شاء لہد اکم کے خلاف ہوگا۔ ایسا ہی کسی شہر یا کسی ملک یا روئے زمین کے باشندے مختلف المذاہب اگر مسلمان ہو جائیں تو آیۃ مذکورہ کی مخالفت نہیں۔ ایسا ہی مسیح علی نبینا وعلیہ السلام کے وقت موجودہ لوگ جو قتل و ہلاکت سے بچ رہے ہوں سارے ہی مسلمان ہو جائیں تو ہو سکتا ہے۔

دجال معہ ستر ہزار یہود اگر بغیر ایمان لانے کے مرجائیں تو اس سے اس کلیہ میں جو مدلول آیت (وان من اہل الکتاب الخ) کا ہے کوئی خلل نہیں آتا۔ کیونکہ (لیومنن) قضیہ موجبہ ہے اور صدق ایجاب وجود موضوع کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس محکوم علیہا وہ افراد ہوں گے جو قتل و ہلاکت سے بچ جائیں گے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ عرب میں سب لوگ مسلمان رہیں گے یا ہوں گے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ بعد جہاد و مقابلہ جو بچ رہیں گے وہ مسلمان ہی ہوں گے (صدق الا یجاب یقتضی وجود الموضوع) (ایجاب کا صدق موضوع کے وجود کا تقاضا کرتا ہے) قضیہ مسلمہ ہے۔ یہ خیال کرنا کہ جب بعہد مبارک آنحضرت ﷺ تمام اہل کتاب مسلمان نہیں ہوئے تو پھر مسیح کے زمانہ کو کیا خصوصیت ہے بالکل بے جا اور جہالت ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اہل فارس و روم وغیرہ بعہد نبوی ﷺ مشرف باسلام نہیں ہوئے تو بعہد خلیفہ اول یا ثانی یا ثالث یا رابع یا بعہد خلیفہ آخری (مہدی موعود) کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔ تو ایسے قائل کو جواباً یہی کہا جائے گا کہ خلفاء علیہم الرضوان کی کاروائی چونکہ تاسیس نبوی کی ترقی ہے اور اسی ڈالی ہوئی بنیاد کی تعمیر ہے لہذا

بعینہ نبوی ﷺ کا روائی کہلانے کا استحقاق رکھتی ہے۔ بلکہ آیت (لیظہرہ علی الدین کلہ) والی پیشین گوئی آخری خلیفہ نبوی ﷺ کے زمانہ میں بروقت نزول مسیح متحقق ہوگی۔ چنانچہ وعدہ فتوح بلاد شام مندرجہ تورات زمانہ موسوی میں ظہور میں نہیں آیا تھا بلکہ بعہد یوشع خلیفہ موسیٰ علی نبینا وعلیہا السلام متحقق ہوا۔ ایسا ہی وعدہ لیظہرہ علی الدین کلہ بعہد خلیفہ آخری بروقت نزول عیسیٰ علی نبینا وعلیہا السلام ظہور میں آئے گا اور یہ سب کمال نبوی ﷺ ہوگا۔

جواب سوال نمبر ۵

انکار معجزات، مرزا اور مرزائیوں سے کوئی نئی بات نہیں۔ فلاسفہ اور معتزلہ ان سے پہلے منکر چلے آئے ہیں۔ اور اہل السنّت اپنی تفاسیر و مؤلفات میں جا بجا مع مالہا و ما علیہا ان کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ آیات خمسہ ذیل میں (۱) و حرام علی قریۃ اہلکناہا انہم الیہم لا یرجعون (۲) الم یرواکم اہلکنا قبلہم من القرون انہم الیہم لا یرجعون (۳) حتیٰ اذا جاء احدہم الموت الخ (۴) اللہ یتوفی الانفس الخ (۵) ثم انکم بعد ذالک لمیتون الخ بیان ہے اکثر یہ کا اور انتفاء امر طبعی کا یعنی موتے بحسب الطبع رجوع کو نہیں چاہتے کما قال (لا یرجعون) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر اللہ تعالیٰ موتے کو اس عالم میں دوبارہ لائے تو بھی ناممکن اور غیر واقع ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ خرق عادت ہوگا نہ بروفق عادت۔ اور قولہ تعالیٰ (ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا) (۱) اور تو اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا) خرق اور وفق دونوں کو شامل ہے۔

جواب سوال نمبر ۶

ربّ ارنی کیف تحیی الموتی (اور جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرے گا) اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ چار پرندے مار دیئے گئے تھے۔ بعد ازاں زندہ کئے جانے پر ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑ کر پہنچے۔ قیمہ کوٹنا وغیرہ وغیرہ ہو یا نہ ہو پہلے ان کی موت تو ضروری ٹھہرتی ہے تاکہ احیاء موتی کا معنی متحقق ہو بخلاف اس صورت کے کہ جب چاروں زندہ پہاڑوں پر چھوڑ دیئے گئے ہوں اور بعض کو ان میں سے بلایا گیا ہو کیونکہ اس صورت میں احیاء موتی والا معنی

جس کو ابراہیم علیہ السلام نے معائنہ کرنا چاہا تھا نہیں پایا جاتا۔ مفسرین علیہم الرضوان کا بیان (قیمہ کوٹنا وغیرہ) بیان تاریخی ہے نہ ترجمہ۔

جواب سوال نمبر ۷

قرآن کریم میں بیس کی جگہ اگر لاکھ جگہ بھی متوفی کا معنی موت لیا گیا ہو تو بھی کلیہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جواب سوال نمبر ۲ میں لکھا گیا ہے۔

(۸) آٹھویں سوال کا جواب بھی پہلے جواب سوال نمبر ۲ سے آپ معلوم کر سکتے ہیں۔

وَالسَّلَامُ خَيْرُ خَتَامٍ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنْهُ بَاطِنًا عَلَيْهِ ظَاهِرًا

العبد الملتجئ والمشتكى الى الله المدعو بمهر علي شاه عفي عنه ربه

بقلم خود از گولڑہ (۱۸/ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ)

۱۸۔ اسی مضمون کا ایک اور خط اور اس کا جواب

بمضور فیض گنجور مدظلہ العالی

تسلیم جناب عالی حسبہ اللہ نیاز مند کے شبہات ذیل کو رفع فرمائیے نہایت ہی مہربانی ہوگی۔

نمبر ۱۔ کسی نبی کی موت انبیاء میں سے قرآن کریم سے ثابت ہے یا نہ اگر ہے تو کس آیت سے؟

نمبر ۲۔ لفظ انسان کا اطلاق جسم پر ہے یا روح پر یا دونوں پر؟

نمبر ۳۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم قبل الموت بگڑے گی یا بعد الموت یا ابھی نہیں بگڑی؟

نمبر ۴۔ ”توفی“ باب تفعّل سے ہو یا تفعیل اور افعال اور استفعال سے ہو تو اس کے حقیقی معنی کیا ہوں گے؟

نمبر ۵۔ جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لاویں گے تو ان کی شناخت کے واسطے کیا معیار ہوں گے کیونکہ

ان کو حیاتِ اولیٰ میں دیکھنے والے تو فوت شدہ ہیں اور مخبر صادق ﷺ نے دو حلیہ بیان کر دیئے ہیں؟

نمبر ۶۔ مہدی کے واسطے جو احادیث ہیں وہ بھی مختلف ہیں بعض میں بنی عباس میں سے ہوگا بعض میں

بنی فاطمہ سے ہوگا، جب مہدی آوے گا تو اس کا کیا معیار ہوگا؟

نمبر ۷۔ عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے آیت ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین اور حضرت جناب رسول اکرم ﷺ کے واسطے یمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین دونوں پر یکساں منصوبہ ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تجھ کو اسی جسم غصری کے ساتھ اپنے پاس اٹھانے والا ہوں اور اُس کو اٹھا بھی لیا۔ اور ہمارے حضرت ﷺ کو کہا کہ تجھ کو بچانے والا ہوں غار ثور میں تین دن رہ کر مدینہ طیبہ چلا جانا۔ اب جو نبیوں کے نہ ماننے والا ہو وہ فضیلت کس کو دے گا خاص کر کے جب اس کے ساتھ یہ اجزاء بھی شامل کر دیئے جائیں کہ وہ پرندہ بھی بنا لیتا تھا، مردے بھی بحکم اللہ زندہ کرتا تھا، اندھوں، کوڑھیوں کو بھی اچھا کرتا تھا، گھر کی خوردہ نہادہ اشیاء کی بھی ان کو خبر کر دیتا تھا۔

نمبر ۸۔ عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو صلیبوں کو توڑیں گے۔ اور خنزیروں کو قتل کریں گے تو اسلام اور اہل اسلام کو اس سے کیا فائدہ متصور ہوگا۔ کیوں کہ وہ تو صرف دجال کے واسطے تعینات تھے۔

نمبر ۹۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقہ کانا یا کلان الطعام (نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے) خداوند کریم کا اس آیت شریف کو قیاس استقرائی کے طور پر لانا کیا حکمت ہے؟

نمبر ۱۰۔ اس صدی پر جس کو اب پچیس برس ہوئے کوئی مجدد کیوں نہ ہوا اور حدیث ان اللہ عزوجل یبعث لہذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔ (بے شک اللہ عزوجل بھیجے گا ہر صدی کے آخر میں اس شخص کو جو اس کے دین کی تجدید کرے گا) مشکوٰۃ شریف باب العلم یہ حدیث صحیح ہے یا وضعی۔ جواب ان کے جو دل قبول کر لے آیت اور حدیث سے تحریف فرماویں تا کہ نیاز مند کہیں حفرۃ من النار میں نہ گر جائے۔ فقط تلک عشرۃ کاملۃ۔

الجواب ہوا لصواب

۱۔ آیت (قد خلت من قبلہ الرسل) ۵ میں حکمی موت عیسیٰ ابن مریم کی تعطیل از لوازم دنیویہ اور حقیقی موت بمعنی قبض روح وعدم ارسال باقی انبیاء کی علی نبینا وعلیہم السلام ثابت ہے۔ بناء علی ان خلت بمعنی مضت ۶ لا بمعنی توفت۔ دیکھو قاموس، لسان العرب وغیرہ کتب لغت۔

۱۔ القرآن، آل عمران آیت ۵۳ ۲۔ القرآن، الانفال آیت ۳۰ ۳۔ القرآن، المائدہ آیت ۷۵ ۴۔ مشکوٰۃ شریف کتاب العلم، ص ۳۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۵۔ القرآن، آل عمران آیت ۴۴ ۶۔ لسان العرب۔۔۔۔۔۔

۲۔ لفظ انسان کا اطلاق مجموعہ جسم و روح پر حقیقی اور فقط ایک ایک پر مجازی لما تقران اللفظ الموضوع لكل يستعمل فی كل جزء مجازاً (بے شک کل کے لیے لفظ موضوع ہر جز میں مجازاً استعمال کیا جاتا ہے)

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم بعد الرفع الی السماء (موت حکمی) بگڑ گئی تھی۔ اور قبل الرفع اطرأ جس کو تمہید بگاڑ کہنا چاہیے، شروع ہو گیا تھا۔

۴۔ توفیٰ باب تفعل سے بمعنی مطلق قبض چنانچہ توفیت مالی ای قبضت یا قبض روح مع الامساک (موت) یا قبض روح مع الارسال (نیند) پڑھو اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک الیٰ قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمیٰ۔

۵۔ عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی شناخت کا معیار احادیث صحیحہ بخاری و مسلم و سائر صحاح و مسند امام احمد وغیرہم سے بالتفصیل آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اگر باسانی خلاصہ معلوم کرنا ہو تو کتاب سیف چشتیائی کو اوّل سے ملاحظہ کرو۔

۶۔ امام مہدی علی نبینا وعلیہ السلام کی احادیث میں تطابق اور معیار شناخت اُسی کتاب سیف چشتیائی میں مفصل لکھا ہوا ہے ملاحظہ کریں۔

۷۔ آیت و مکروا و مکرا اللہ واللہ خیر الماکرین (اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے حالات کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے) اور ایسا ہی آیت ویمکرون ویمکر اللہ (وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا) کا مفاد انظم صرف اتنا ہی ہے کہ یہود نے بحق عیسیٰ بن مریم علیہ السلام منصوبہ کیا اور مشرکین مکہ نے دربارہ سرور عالم ﷺ بس رہا یہ کہ کون سا منصوبہ، سو یہ خارج میں معلوم ہوا ہے۔ آپ کا سوال میں یہ کہنا (دونوں پر یکساں منصوبہ الخ) اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ دونوں جگہ میں ایک ہی واقعہ ہوا ہے تو یہ مدلول آیت کا نہیں محض افتراء ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ مطلق منصوبہ بازی دونوں جگہ میں پائی گئی تو ہم بھی اس کے قائل ہیں اور آیت کا بھی صرف اسی قدر مفاد ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ خصوصیات و شخصیات ہر دو واقعہ کے متحد ہی ہوں و من ادعیٰ فعلیہ البیان خصوصیت واقعہ رفع و

واقعہ غارِ ثور آیت کا مدلول نہیں احادیث و آثار سے ثابت ہے دیکھو سیفِ چشتیائی۔ تعجب ہے آپ لوگوں کے فہم پر کہ دونوں آیتوں کے مدلول وضعی کے اتحاد سے اتحادِ واقعات سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو چاہیے کہ بعینہ واقعہ غارِ ثور و ہجرت مبارکہ واقعہ عیسویہ میں بھی ہو۔ کوئی عاقل ایسے جاہلانہ استنباطات کو وقعت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر اہل سنت والجماعت پر انہی آیتوں کی رو سے کیوں بوجھ ڈالا جاتا ہے۔ چاہیے کہ آنحضرت ﷺ بھی مرفوع الی السماء بحسدہ العنصری ہوں نہ رونق افزائے مدینہ طیبہ۔ ہاں اگر اس خیال سے مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

تو جواباً معروض ہے کہ مدارِ فضیلت آسمانی، زمینی ہونے پر نہیں ورنہ کل ملائکہ سماویہ کی فضیلت آنحضرت ﷺ پر لازم آوے گی۔ شاید آپ لوگوں (فرقہ مرزائیہ) کا یہی عقیدہ ہوگا اور بحسب از خود تراشیدہ قوانین کے ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ کوڑھیوں کو باذن اللہ اچھا کرنا یا مردہ کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب موجب فضیلت کا نہیں ہو سکتے۔ مومن کو صرف ایک ہی حدیث شفاعت کبریٰ میں غور کرنے سے یہ وہم ہی نہیں رہتا۔ جب ایسا ہے تو پھر ہم ماجاء بہ الرسول علیہ السلام من القرآن والسنة کے منطوق و مدلول منصوص کو اپنے جاہلانہ ڈھکوسلوں کی مداخلت بے جا کے ذریعے کیوں چھوڑ بیٹھیں اور ناری بنیں۔ آج تک کل امتِ مرحومہ یعنی سوادِ اعظم کا یہی مسلک چلا آیا ہے۔

۸۔ اس مقام پر سیفِ چشتیائی کو ملاحظہ کرو۔

۹۔ قیاس استقرائی کو بے جادخل مت دو یوں کہو کہ (یا کلان الطعام) سے خلاف عقیدہ قائلین برفع جسمانی معلوم ہوتا ہے۔ جواباً معروض ہے کہ ”شمس الہدایت“ اور ”سیفِ چشتیائی“ کو ملاحظہ کرو۔ علی رأس کل مائة (بے شک اللہ عز و جل ہر صدی کے آخر میں اس شخص کو بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا) والی حدیث کا مطلب بھی ”سیفِ چشتیائی“ میں ملاحظہ کرو۔

والسلام علی من اتبع الهدی۔

۱۹۔ مرزائیوں کی طرف سے دو سوال اور حضور قبلہ عالم

کی طرف سے ان کے جوابات

پہلا سوال

پیر صاحب عیسائیوں کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ مسیح ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر چلے گئے ہیں۔ مگر اپنے نانا صاحب سید الاولین والآخرین ﷺ کے اس قول کو کیوں نہیں مانتے۔ جو مستدرک اور طبرانی میں موجود ہے واخبرنی ان عیسیٰ بن مریم عاش عشرين مائة سنة الخ؟ (مجھے خبر دی گئی کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے)

جواب

ناظرین، علماء کرام میں نہایت ہی متعجب ہوں کہ اس سوال کو اہل اسلام کے عقیدہ اجمالیہ کے مدعا کی نسبت کیا خیال کیا جاوے آیا مناقضہ ہے یا معارضہ یا منع۔ رفع خواہ ۳۳ سال کے بعد ہو یا ۱۲۰ سال یا ۱۵۰ سال کے علی حسب اختلاف الروایات حیات مسیح الی الآن کو منافی نہیں۔ قطع نظر اس جہالت سے امام جلیل حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ۳۳ سال کی روایت کو مطابق حدیث صحیح کے لکھا ہے اور خازن اور ابن سعد اور احمد اور حاکم نے اس کو صحابہ عظام کی طرف منسوب کیا ہے فانہ رفع وله ثلث وثلثون سنة فی الصحيح وقد ورد ذالک فی حدیث فی صفة اهل الجنة انهم علی صورة ادم ومیلاد عیسیٰ ثلث وثلثین سنة وامام احکام ابن عساکر عن بعضهم انه رفع وله مائة وخمسون سنة فشاذ غریب بعید ابن کثیر۔ قال ابن عباس ارسل الله عیسیٰ علیه السلام وهو ابن ثلاثین سنة فمکث فی رسالته ثلاثین شهرا ثم رفعه الله الیه تفسیر خازن ۲ واخرج ابن سعد ۳ واحمد فی الزهد والحاکم ۴ من سعید بن المسیب قال رفع عیسیٰ ابن ثلاث وثلثین سنة (بے شک ان کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور ان کی عمر ۳۳ سال تھی اور یہ جنتیوں کی صفت میں حدیث میں بھی آیا ہے

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ص ۵۸۳، ج ۱ مطبوعہ مطبع تجاریہ الکبریٰ مصر ۲۔ تفسیر خازن، ص ۲۵۵، ج ۱ مطبوعہ صدیقیہ کتب خانہ اکوڑہ خٹک

۳۔ طبقات ابن سعد، ص ۳۳ جز اول ۴۔ المستدرک للحاکم ص ۶۵۱، ج ۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت

کہ بے شک وہ آدم کی صورت اور میلاد عیسیٰ اور ۳۳ سال کی عمر میں ہوں گے۔ ابن عساکر کی روایت کردہ ڈیڑھ سو سال کی عمر میں اٹھائے جائیں گے شاذ غریب اور بعید ہے (ابن کثیر) ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو رسول بنایا ان کی عمر ۳۰ سال تھی وہ اپنی رسالت میں ۳۰ مہینے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا (تفسیر خازن) ابن سعد اور احمد نے زہد میں اور حاکم نے سعید ابن مسیب سے روایت کی کہ عیسیٰ کو ۳۳ سال کی عمر میں اٹھالیا گیا۔

دوسرا سوال

اگر مسیح زندہ آسمان پر بلا ایذا یہود چلا گیا تو وہ مسیح کا ہم شکل جو مصلوب ہوا تھا اس کی نعش کدھر گئی اگر وہ مصلوب کوئی اور تھا تو حواریوں کو اس کے چرانے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب

بحکم آنکہ دروغ گوئی را حافظہ نہ باشد، پہلا الزام جو پیر صاحب پر لگایا تھا، یعنی اتباع قول عیسائیاں جلدی خیال سے جاتا رہا۔ اب فرمائیے یہ قول کس کا ہے اور صریح قول اللہ تعالیٰ کے مخالف ہے یا نہیں، دیکھو (واذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جنتهم بالبینات) یعنی اے مسیح منجملہ ہماری نعمتوں کے ایک یہ بھی نعمت ہے تیرے پر کہ ہم نے بنی اسرائیل کو جب انہوں نے تیرے ایذا اور قتل کا ارادہ کیا، روک دیا اور تم کو ان کی ایذا سے بچا لیا۔ مسیح کا قبل الرفع ۳۳ سال کا ہونا یا ۱۲۰ یا ۱۵۰ کہیں قرآن میں مذکور نہیں۔ ہم کو حواریوں سے کیا مطلب۔ آپ ہی چونکہ اُن کے تابع ہیں اُن سے دریافت فرمالیویں۔ خیر تبرعاً ہم ہی سمجھا دیتے ہیں۔ جب حواریوں کو ابتدا میں صلیب پر چڑھانے کے وقت دھوکا لگا تو مطابق اسی زعم اپنے کے نعش مصلوب کو بھی قبر سے چرایا۔ یہ سوال آپ صلیب پر چڑھانے کے وقت کرتے تو اتنی لیاقت ظاہر نہ ہوتی مگر آپ نے پہلے ہی سراشتہار پر صاف لکھ دیا ہے۔

چودر بستہ باشد چہ داند کسے کہ جو ہر فروش است یا پیلہ ور

جو ہر فروشی تو نہیں البتہ نیلو فرو و بنفشہ فروشی آپ کی پنڈی سے ہر ایک دیکھ رہا ہے۔



متفرق مسائل کے جوابات

۲۰۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہ کے ارشادِ گرامی

”قدمی هذه على رقبة كل ولي الله“

کی تحقیق

آپ کا سچا اور پاک فرمان ذیل کہ (یہ قدم میرا ہر ولی کی گردن پر ہے) از قبیل شطیحات نہیں جیسا کہ کم ظرف لوگ کم حوصلگی کی وجہ سے ایسے دعاوی کیا کرتے ہیں بلکہ مقامِ صحو و استقامت و تمکین میں بوجہ مامور ہونے کے ایسا فرمایا گیا ہے بوجہ متعددہ۔

(الف) اگر یہ فرمان امرِ خداوندی کی تعمیل نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ کم حوصلگی کے باعث صادر ہوتا۔ جیسا کہ موجودہ زمانے کے بعض متصوفین کا خیال ہے تو پھر آں کا سرِ اصنامِ غیر و غیریت، آں ناصبِ خیامِ وحدتِ واحدیت، آں مرکزِ دائرہ پر کارِ وجود، آں مہبطِ تجلیات و انوارِ شہود، آں گوئے از ہمہ بردہ در حق پرستی، آں قطبِ الوحدة، خواجہ خواجگاں معین الحق والدینِ چشتی بروقت صدور فرمانِ عالی سب سے پہلے سر تسلیم خم نہ فرماتے۔

(ب) بوجہ کمالِ اتباعِ محمدی ﷺ مثل قول علیہ السلام انا سید ولد ادم و بیدی لواء الحمد یوم القيمة او غیرہ وغیرہ یہ فرمان صادر ہوا۔

(ج) آپؐ ایسے اقوال کے صدور کا منشاء اقوال ذیل سے بیان فرماتے ہیں و ما قلت قولي هذا الا وقد قيل لي۔ یعنی میں از خود ایسی بات نہیں کہتا ہوں بلکہ من جانب اللہ ارشاد ہوتا ہے کہ ایسا کہو۔

(د) رئیس المکاشفین شیخ اکبر قدس سرہ فتوحات کے باب ۳ میں بعد ذکر اقسام اولیاء اللہ فرماتے ہیں۔ ومنهم رجل واحد وقد تكون امرأة في كل زمان ایتہ (وہو القاهر فوق عباده) لہ الاستطالة على كل شيء سوى الله شهم شجاع مقدم كثير الدعوى بحق يقول حقا ويحكم عدلاً كان صاحب هذا المقام شيخنا عبد القادر الجيلی ببغداد كانت له الصولة والاستطالة بحق على الخلق كان كبيراً لساناً (۲) یعنی اولیاء میں سے ایک ولی ایسا ہوتا ہے کہ سوائے

حق سبحانہ تعالیٰ کے ہر چیز پر غالب و متصرف رہتا ہے اور پرزور دعاوی کرتا ہے مگر اس کا دعویٰ اور اس کا بول بالا سچا ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی حکم اس کا بھی عدل و انصاف سے ہوتا ہے۔ اس مقام کے صاحب بغداد میں عالی جناب شیخ عبدالقادر جیلیؒ گویا آیت وهو القاهر فوق عبادهؑ کا مظہر تھے۔ اسی باب ۳ میں لکھتے ہیں کہ محمد اوانی المعروف بابن قائد افراد میں سے تھے اولیاء افراد وہ ہوتے ہیں کہ جو خضر علیہ السلام کی طرح دائرہ قطب سے خارج ہوں۔ عالی جناب غوث پاک قدس سرہ محمد اوانی مذکور کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولیاء افراد سے ہے اور یہ محمد اوانی غوث پاک کے اصحاب و خدام میں سے تھے۔ حضرت شیخ اکبرؒ کی تصریح ہذا سے نتائج ذیل ثابت ہوئے۔

(۱)۔ عالی جناب نہ صرف مقام غوثیت کے مالک تھے بلکہ اس سے بالاتر تھے۔

(۲)۔ آپ ہر شے پر سوائے خدائے عز و جل کے غالب و متصرف تھے۔

(۳)۔ ایسا شخص لاف زن و کم ظرف نہیں ہوتا بلکہ سچا اور صاحب تمکین ہوا کرتا ہے۔

(۴)۔ ہر زمانہ میں ایسا ولی ہونا چاہیے، وہ عبارت جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسی باب میں ہے مگر خوف طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئی۔

(۵)۔ حضرت شیخ کے زمانے میں اس تصرف کا مالک حسب تصریح شیخ ایک ولی تھا مگر اسی باب میں لکھتے ہیں کہ گویا ولی مقام وهو القاهر فوق عبادهؑ میں ہے۔ لیکن شیخنا عبدالقادرؒ میں علاوہ مقام ہذا کے اور وجوہ فضیلت بھی موجود تھے۔ چنانچہ سیدنا عبدالقادرؒ و سیدنا خواجہ نظام الدینؒ ہر دو مقام محبوبیت میں شریک ہیں مگر حسب تصریح اور نگ آبادی حضرت خواجہ نظام الدینؒ محبوب الہی دہلویؒ سیدنا عبدالقادرؒ سے مستفید ہیں (نظام القلوب ملاحظہ ہو) اور نیز محبوبیت قادر یہ عالمگیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی۔ رہا لفظ سبحانی والہی سو مقام جذب و محبوبیت سے جیسا تناسب کہ لفظ سبحان کو ہے، لفظ الہ کو نہیں کما قال اللہ تعالیٰ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا ۚ اور نہ لفظ الہ ذات بحت پر دال ہے۔ بلکہ سبحان کہ رتبہ ذات کا نام ہے (فتوحات و شرح فصوص ملاحظہ ہوں) حضرت مجدد الف ثانیؒ دوسری جلد کے آخری مکتوب میں حضور غوث اعظمؒ کے بارے میں فرماتے ہیں ”وصول فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجباء بتوسط شریف او مفہوم مے شود چہ ایں مرکز غیر اور امتیاز نہ شدہ الخ“ اس موقع پر برائے فائدہ مندرجہ ذیل

سوالات و جوابات بھی درج کئے جاتے ہیں۔

سوال:- لفظ ولی اللہ اصحاب کرام پر بھی بدلیل قولہ تعالیٰ اللہ ولی الذین امنواۓ وسائر آیات قرآنیہ بولا جاسکتا ہے۔ تو حسب قول مذکور چاہئے کہ آپ کا قدم اصحاب کرام کی گردن پر بھی ہو حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ کوئی ولی خواہ کیسا ہی کامل ہو صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب:- متاخرین کے عرف و محاورہ میں ولی اللہ ما سوائے صحابہ پر بولا جاتا ہے۔

سوال:- عبارت فتوحات مسطورہ بالا سے یعنی لہ الاستطالة على كل شيء سوى الله پایا جاتا ہے کہ ایسے ولی کا تصرف انبیاء علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے۔

جواب:- عالی جناب کا زمانہ انبیاء کا زمانہ نہ تھا۔

سوال:- لفظ (فی کل زمان) مندرج عبارت فتوحات مسطورہ بالا سے پایا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی ایسے ولی کا ہونا واقعی امر ہے اور نیز اسی باب میں قبل از عبارت مذکور حضرت شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرت ﷺ چار انبیاء باجسامہم زندہ ہیں۔

جواب:- مفضول کا تصرف فاضل پر مثل تصرف جبرائیل بر آنحضرت ﷺ واقعی اور مسلم شدہ امر ہے کیونکہ بوجہ تخالف فیما بین وجوہ فضیلت استبعاد مندرجہ سوال بخوبی مندرج ہو سکتا ہے وہی آخری مکتوب شریف ملاحظہ ہو۔ چنانچہ عالی جناب فرماتے ہیں کہ خضنا بحرألم یقف علی ساحلہ الانبیاء یعنی ہم ایسے دریا میں ڈوبے ہیں کہ جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام کو کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ بحر و دریا سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں یعنی ہم کو بوجہ کمال اتباع ظاہری و باطنی شریعت و طریقت ذات پاک محمدی ﷺ میں کامل فنا حاصل ہے بخلاف سائر انبیاء علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فنا کامل سے عاری ہیں۔

سوال:- عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب احادیث صحیحہ بعد النزول شرع محمدی ﷺ کے پابند ہوں گے۔ لہذا کامل فناء کے مستحق ہوئے اور عالی جناب کے فرمان مذکور لم یقف علی ساحلہ الانبیاء سے سمجھا جاتا ہے کہ کسی پیغمبر کو ذات محمدی ﷺ میں فناء ظاہری و باطنی نہ ہوگی۔

جواب:- فرمان مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میرے قول ہذا سے پہلے کسی نبی کو بحر ذات محمدی ﷺ میں فناء کامل و اتباع شرع محمدی ﷺ حاصل نہیں ہوا کیونکہ لم یقف میں کلمہ لم مضارع پر ماضی منفی کا معنی دیتا ہے، بناء بریں اگر بعد اس فرمان کے قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو اتباع شرع محمدی ﷺ میں فناء کامل حاصل ہو۔ تو مخالف قول مذکور نہ ہوگا۔

والحمد لله اولاً و آخراً والصلوة والسلام علیہ ظاہراً و باطناً

العبد۔ مہر و محبت کا بندہ، علی کا نام لیوا، شاہ جیلان و جمیر کا حلقہ بگوش از گولڑہ بقلم خود ۱۸۔ صفر ۱۳۳۱ ھ

۲۱۔ بیعت مروجہ مشائخ عظام اور سماع وغیرہ کے متعلق اعتراضات کے جوابات

استفتاء

ہادی شریعت، واصل حقیقت جناب پیر صاحب مدظلکم!

السلام علیکم۔ کچھ شبہات لکھ کر حضور کی خدمت میں بنظر تحقیق نہ بنظر اعتراض ارسال خدمت ہیں

امید کہ جواب سے ممتاز فرما دیں گے۔

الراقم میر زمان نمبر دار موضع جھانہ ضلع کرناٹ تحصیل تھانیر ڈاکخانہ ٹھکہ میرانجی

۱۔ بیعت مروجہ فی زمانہ سنت ہے یا واجب یا فرض اور اس کا ثبوت شرعی کیا ہے۔ حضرت ﷺ کے

زمانہ میں بیعت خلافت تھی یا بیعت اسلام، بیعت طریقت کا سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

۲۔ بیعت مروجہ سے کیا غرض ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

۳۔ ایک شخص مدت العمر میں کتنے شخصوں سے بیعت کر سکتا ہے مشہور تو یہ ہے کہ ایک کے سوائے

دوسرے سے بیعت کرنے میں رجعت ہو جاتی ہے، اس کی اصلیت کیا ہے؟

۴۔ ارشاد و تلقین کے قابل کون شخص ہوتا ہے؟ کچھ اس کے معیار یا شرائط ہیں یا نہیں۔ یا جس کا

جس پر اعتقاد ہو جاوے بقول ”پیر من خس است و اعتقاد من بس است“ مرید ہو سکتا ہے؟

۵۔ طریقت شریعت کے کچھ خلاف ہے یا اکمال شریعت کو طریقت کہتے ہیں یا کوئی اور شے ہے؟

۶۔ رقص و سرود مروجہ صوفیائے چودھویں صدی و عشق باطفال و زناں شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے اور متقدمین صوفیاء میں بھی کیا اس پر عشق الہی کا دار و مدار تھا جبکہ فی زمانہ صرف رقص و سرود و عشق بازی بامردان مایہ طریقت و کمال سمجھتے ہیں؟

۷۔ فسق و فجور و محبت دنیا کیا اہل طریقت کے نزدیک ممنوع نہیں ہے؟

۸۔ بیعت سے سوائے تعلیم و تلقین، ذکر و اشغال کے کچھ اور فائدہ ہے؟ اگر بیعت سے مقصود تعلیم اذکار

و اشغال صوفیائے کرام ہیں تو کیا کتابوں میں جملہ اذکار و اشغال صوفیاء درج نہیں اور اگر مقصود بیعت سے توجہ قلبی پیر و مرشد سے مرید طالب حق کو ایک دم میں یا چند مدت میں مقام قرب الہی تک پہنچانا ہے تو یہ واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہر فرد مسلمان ہندوستان کا کسی نہ کسی سے مرید ضرور ہے بلکہ بعض مشائخ موجودہ کے تقریباً ایک لاکھ یا پچاس ہزار تک بھی مرید پائے جاتے ہیں اور ان کے کسی مرید میں خلوص اب تک نہیں پایا جاتا۔

یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پیر کو خدا بنا لیتے ہیں یا خود خدا بن جاتے ہیں۔ اب حضور عالم باعمل و اکمل بھی ہیں اور حضور کے متوسلین بھی بہت ہیں، ان میں سے واصل حق کتنے ہوئے اور کتنے طالبان حق ہیں۔ ان سب کا جواب حضور اپنی قلم سے تحریر فرمادیں تاکہ احقر کی تسلی ہو ورنہ صوفیائے زمانہ کو دیکھ کر عقل بھی حیران ہوتی ہے کہ خلاف حکم شرع کو فقیری سمجھتے ہیں یا رقص و سرود و عشق بازی کو۔ عشق بازی ناقصوں کو داعی شہوات ہے اور خوف ہے کہ مرتکب معاصی ہو جاویں۔

الجواب ہوالصواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حامداً و مصلیاً

جواب نمبر ۱:- بیعت طریقت مروجہ فی زمانہ سنت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تقویٰ اور اقامت

اسلام پر بھی بیعت فرمائی ہے۔ چنانچہ انصار کی مستورات سے نوحہ نہ کرنے پر اور فقراء مہاجرین سے اس پر کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں صحیح بخاری و ابن ماجہ ملاحظہ ہو۔ بیعت مروجہ کثرت ذکر الہی و زہد و تقویٰ پر بھی

اس قبیلہ سے ہے قال اللہ تعالیٰ یا ایہا النبی اذا جاءک المومنات الخ (اے نبی ﷺ جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) (وفی البخاری انہ اشترط علی جریر عند مبايعته ۲ (بے شک آپ نے حضرت جریرؓ پر ان کو بیعت کرتے وقت شرط لگائی) رواہ ابن ماجہ انہ بايع ناساً من فقراء المهاجرين ۳ (بے شک آپ نے فقراء مہاجرین میں سے کچھ لوگوں کو بیعت فرمایا)

جواب نمبر ۲:- بیعت طریقت سے غرض حصول سکینہ باطمینان قلب و اخلاص و شوق و ترک مایوسی اللہ ہے۔ سنت اللہ اس پر جاری ہے کہ علماء کی صحبت کے بغیر علم، خیاط کی مجلس کے بغیر خیاطت اور آہن گر کی صحبت کے سواء آہن گری حاصل نہیں ہوتی۔

جواب نمبر ۳:- ایک شخص کئی اشخاص سے بیعت تبرک و فیض حاصل کر سکتا ہے اور جائز ہے۔ بشرطیکہ شیخ اول کی تحقیر و توہین نہ کرے ورنہ رجعت ہوگی۔ البتہ وہ شخص مستثنیٰ ہے جس کو جذبہ عشقیہ اور رابطہ کمال عشق شیخ کا دوسری طرف نہ جانے دے۔

جواب نمبر ۴:- بیعت کرنے کے قابل وہ شخص ہوتا ہے کہ ضروری علم دینی کے علاوہ اوصاف ذیل بھی رکھتا ہو۔ مثقی، کبار سے مجتنب، صغائر پر غیر مصر، زاہد، عابد اشغال و اذکار پر مداومت کرنے والا، امر معروف ناہی عن المنکر، ذوقہم، مستقل رائے، شیخ کی صحبت سے فیض یافتہ۔

جواب نمبر ۵:- طریقت، شریعت کے برخلاف نہیں۔ شریعت خدا اور رسول ﷺ کی ہدایت و ارشاد ہے اور طریقت اس پر چلنے کو کہتے ہیں۔

جواب نمبر ۶، ۷:- رقص و سرود کے بارے میں حضرت شیخ سعدیؒ کا فیصلہ

۔ بگویم سماع اے برادر کہ چیت مگر مستمع را بدانم کہ کیست

۱ القرآن، الممتحنہ، آیت ۱۲ ۲ بخاری شریف، ج ۱ ص ۱۳، ۱۴ کتاب الایمان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۳ ابن ماجہ، ص ۲۰۶ باب البیعة مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

کافی ہے۔ حصولِ عشقِ الہی کا مدار توجہ شیخ و کثرتِ ذکرِ الہی پر بشرطِ استعداد نہ عشقِ بازی باز ناں و
 طفلان۔ جب عوام کے لئے یہ حرام ہیں تو خواص کیلئے جن کی شان یہ ہے حسناتِ الابرار سیئات
 المقربین کیسے جائز ہو سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اہل اللہ کو حسینوں سے کسی وقت بوجہ مشاہدہ
 انوارِ تجلیات میلان ہوا ہو۔ حضرت شمس تبریز و حضرت محبوبِ الہی و حضرت مجددِ رضوان اللہ علیہم اجمعین
 کے حالات مندرجہ کتب مناقب اس پر شاہد ہیں۔ یہ میلان از قبیل حدیث صحیح **إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ**
وَيُحِبُّ الْجَمَالَ سمجھنا چاہیے (بے شک اللہ صاحبِ جمال ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے)

جواب نمبر ۸:- بیعت کا فائدہ کتاب دیکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسکی وجہ نمبر ۲ میں
 موجود ہے نیز حصولِ مطلب کے لئے کوئی مدت معین نہیں علی حسب اختلاف فی الاستعداد زمانہ کی کمی بیشی
 متصور ہو سکتی ہے۔

زمانہ موجودہ میں کن صاحبان کے لاکھ یا زیادہ مرید ہیں؟ اگر باوصاف مندرجہ نمبر ۴ واقعی شیخ
 ہے تو ضرور مرید کے لئے کم از کم پابندی احکام شرعیہ ہونی چاہیے۔ دوسری صورت میں دونوں میں سے
 ایک یا ہر دو کا تصور متصور ہو سکتا ہے۔ درویش واقعی سے کسی وقت انا الحق کا سرزد ہونا اور ہے اور غیر
 درویش متصنع کا کہنا اور۔ اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مولانا رومؒ کا بیت ہے۔

آل انار رحمت اللہ در قفا
 ویں انار لعنت اللہ از خدا

یا جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے، نسخہ مثنوی اس وقت زیرِ نظر نہیں۔ طالبِ خدا بہت ہیں اور واصلِ بمعنی
 صاحبِ اطمینان و ذوق و شوق بالغنی باللہ از ماسوی اللہ کم۔

والسلام خیر الختام

العبد الملتجی الی اللہ سید مہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

۲۲۔ فرقہ صوفیاء کی ضرورت، ولایت کے معنی

نیز ایک آیت کی تشریح

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بلبل بُستانِ توحید، سر و گلستانِ تفرید، شہبازِ اوجِ حقیقت، تاجدارِ کشورِ معرفت، سلامت

السلام علیکم۔ بعد ادائے آداب و نیاز و شوق حصولِ قدمِ بوسی آنکہ چند سوالات بغرضِ استفسار

خدمت شریف میں ارسال ہیں۔ اخلاقِ محمدی ﷺ سے کرم فرما کر جوابات سے عزت بخشی جاوے۔

۱۔ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون میں له کی ضمیر کا مرجع کون ہے۔ اگر شیئاً مانا جاوے

تو اس کو خدا تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ قبل از تخلیق وہ مرجع نہیں ہو سکتی۔ اس کے تو پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے؟

۲۔ ولی اللہ کے معنی اصطلاحِ صوفیاء میں کیا ہیں یا یوں کہ افرادِ انسانی میں کون سے فرد پر صحیح معنی

میں لفظ ولی اللہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا یوں کہیئے کہ طریقہ سلوک میں کون سا مرتبہ ہے جسے طے کرنے کے بعد

سالک ولی اللہ کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ تعریف ایسی ہو جو صوفیائے متقدمین مثل مولانا رومؒ اور مولانا مکی

الدین ابن عربیؒ وغیرہ سے متعلق ہو؟

۳۔ فرقہ صوفیاء کی اسلام میں کیا ضرورت ہے کیونکہ احکامِ شرعیہ اور ارکانِ اسلام کی تبلیغ تو بذریعہ

قرآن شریف پیغمبر خدا نے فرمادی اور اس کی اشاعت علمائے اسلام برابر بذریعہ درس و تدریس و تحریر و تقریر کر

رہے ہیں جو نجات کے واسطے کافی ہیں۔ صوفی ان احکامِ شرعیہ کے سوا کیا بتا سکتے ہیں اور نجات کے سوا اور

کیا ہے۔ جو ان کی تعلیم کے سلسلہ میں مل سکتا ہے؟

راقم سید علی از محکوان شریف مزار شاہ سارنگ صاحب مرحوم ضلع نواب گنج بارہ بنکی ڈاک خانہ فتح پور

الجواب

حامداً ومصلیاً

مکرمی شاہ صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ! وعلیکم السلام ورحمة اللہ

۱۔ مکرماً! اشیاء موجودہ کے لئے قبل از تخلیق علمِ باری عزاسمہ میں ثبوت ہے اس مرتبہ میں اعیانِ ثابۃ

کہلاتے ہیں ارجاعِ ضمیر یا یوں کہیئے خطابِ کُن کے لئے ثبوت علمی کافی ہے۔

۲۔ سالک سائر الی اللہ بعد مشاہدہ و تجلیات (ہو الظاہر) اور نیز تجلیات (ہو الباطن) اولاً بحسب خصوصیات و تمیزات اپنے کے اور ثانیاً بافناء بعض تمیزات ان کے مرتبہ جمع میں اور بالکلیہ فنا کے مرتبہ جمع الجمع میں ولی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ اور ظاہر ہے کہ تجلیات افعالیہ اور صفاتیہ اور ذاتیہ کا مشاہدہ بحسب مراتب بعضها فوق بعض درس اور تدریس علم ظاہری سے نہیں ہوتا۔ والسلام

دعا جوئی و دعا گوئی سید مہر علی شاہ بقلم خود

۲۳۔ مرشد کے لیے سجدہ تعظیم کے متعلق شرعی حکم

(نقل از اخبار ”الوکیل“ امرتسر مورخہ ۲۳/ جولائی ۱۹۲۲ء بجواب خط از واحدی صاحب معہ خط واحدی صاحب)

مخدوم محترم! السلام علیکم۔ آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں اُمید ہے کہ اللہ کے واسطے اسے قبول فرماویں گے۔ دو ایسے شخصوں کے درمیان جن کا ہزار ہا بندگانِ خدا پر اثر ہے سجدہ تعظیم یا سجدہ للمرشد کی بابت بحث چل رہی ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ سجدہ للمرشد جائز ہے اور اس کی تمام اشاعت کرنی چاہیے اور دوسرا اس کو ناجائز کہتا ہے اور روکنا چاہتا ہے۔ دونوں نیک نیت ہیں، جس کی غلطی ثابت ہو جاوے گی وہ ہرگز ہرگز ہٹ دھرمی نہیں کرے گا۔ آنجناب اگر توجہ فرماویں تو قصہ بآسانی طے پاسکتا ہے۔ برائے نوازش اس مسئلہ کی نسبت اپنی رائے سے مطلع کیجئے اور بے شمار مسلمانوں کو گمراہی سے بچا کر ماجور ہو جیئے۔ مفصل لکھنے کی فرصت نہ ملے تو چند سطریں ہی سہی مگر جلد۔

خادم خیر طلب واحدی ایڈیٹر خطیب نظام المشائخ از دہلی

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مخلص فی اللہ ایڈیٹر خطیب صاحب حفظک اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام و دعا آنکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ کو عبادت مختصہ بالخالق عز اسمہ

ٹھہرایا گیا ہے اور اسی پر ہے تعامل صحابہ و تابعین و تبع تابعین ومن بعد ہم الی یومنا ہذا علیہم الرضوان۔

یہ اور بات ہے کہ کسی مقبول سے جس وقت اس کی چشم شہود میں غیر اللہ نہ ہو سجدہ مخلوق کی طرف وقوع میں آئے۔ غایت مافی الباب از روئے نظر بجانب مستی و غلبہ وہ مقبول خدا ہیں، عندا رباب التحقیق ماخوذ و مجرم نہ ٹھہرایا جائے گا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم و علمہ اتم۔

الملتجی والمشتکی الی اللہ
المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ
بقلم خود از گولڑہ

۲۴۔ ایصالِ ثواب اور ارواح کے متعلق

سوالات اور ان کے جوابات

(نقل سوالات جناب راجہ شیر محمد صاحب رئیس بھیرہ جاگیر دار خانپور مقام باغپور ہزاری المعروف بھیرویہ۔ بمعہ جوابات عالی جناب حضرت قبلہ عالم گولڑوی دامت برکاتہم)

منبع جود والا شان، مرشد کامل، ہادی آگاہ دل

جناب حضرت پیر صاحب والی گولڑہ شریف

بعد از ادائے آداب السلام علیکم و اشتیاق قدم بوسی ذات والا اینکہ چند امور ات ضروریہ کی نسبت عارض ہونا از بس ضروریات سے تھا جس کی وجہ سے مکلف اوقات گرامی ہوں۔ جواب پیش کر کے امیدوار عطاءے جواب با صواب کا ہوں۔

سوال نمبر ۱:۔ کسی کے والدین یا مولود راجی بقا ہوں، فریق باقی ماندہ اس کے واسطے کوئی تحفہ

تحائف کلام اللہ یا اشیائے خورد و نوش یا کہ چیز پوشیدنی کس وجہ سے دے سکتا ہے جو کہ اس کو پہنچے؟

جواب:۔ محتاج کو طعام اور پوشاک دینے کا ثواب اور کلام اللہ پڑھنے والے کا کلام اللہ پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے ایسا ہی درود وغیرہ کلام الہی و فعل خیرات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔

سوال نمبر ۲:۔ نقد روپیہ یا زیور یا کہ کوئی خاص پارچہ اس اہل عدم نے حیات میں طلب کیا ہو اور میسر نہ ہوا ہو اب وہ نقد دیا جاوے تو کس طرح سے اگر پارچہ ہے تو اس کی قیمت دی جاوے گی یا کہ خود کسی کو دیا جائے اور کس طریقہ سے جو اس کو پہنچے؟

جواب:۔ وہ اشیاء جن کو متوفی نے بعینہ طلب کیا ہو گوان کی قیمت کا دینا محتاج کو متوفی کیلئے مفید و جائز ہے مگر ان اشیاء مطلوبہ بعینہ کا دینا مناسب تر ہے۔

سوال نمبر ۳:۔ اگر پسماندہ کا خیال ہو کہ قبر پر جا کر اس کو بخشے تو کس طرف بیٹھے گا اور کس کلام مبارک کا ختم شریف کر کے اس کی روح کو ایصالِ ثواب کرے گا۔ کس تعداد تک، آیا اس کے واسطے کوئی خاص مقدار ہے یا جس دن چاہے؟

جواب:۔ میت کے منہ اور سینہ کے مقابل پشت بقبلہ ہو کر الحمد شریف مع آلم ذالک الكتاب لا ریب فیہ ط مفلحون۔ تک ایک مرتبہ اور قل هو اللہ احد اخیر تک گیارہ مرتبہ پڑھے اور ثواب میت کو بخشے یا جو کچھ کلام اللہ یا کلمہ شریف یا درود شریف پڑھا ہو سب کا ثواب بخش دے۔

سوال نمبر ۴:۔ اگر پس ماندہ چاہیں کہ اُس دوست گم شدہ کا دیدار کریں یا کہ وہ انھیں دیکھے۔ تو کس کلام شریف کے ذریعہ سے؟ ظاہری دیکھنا تو غیر ممکن ہے مگر خواب میں دیکھا جاوے تو وہ کون سی کلام مبارک ہوگی اور کس تعداد تک پڑھی جاوے گی اور کس وقت پر؟

جواب:۔ رات کو سورۃ الشمس، واللیل، والضحیٰ، الم نشرح ہر ایک سورت سات سات مرتبہ پڑھ کر ان کا ثواب میت کو بخشے اور پھر کسی سے کلام نہ کرے اور سو جائے۔

سوال نمبر ۵:۔ ارواح کا اپنے گھروں میں آنا ہو سکتا ہے؟ کس عرصہ تک ہر روز یا کہ خاص دن میں اگر خاص دن ہے تو کونسا ہے؟

جواب:- ارواح کا تعلق کسی قدر بدن سے چالیس روز تک، ایسا ہی ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔ اس تعلق خاص کو آنا سمجھئے نہ یہ کہ عالم ارواح سے نکل کر جسم کی طرح انتقال مکانی کرتے ہیں۔ البتہ درایام مذکورہ خاص تعلق ایسا ہی اثر رکھتا ہے جیسا کہ وہ خود آگئے ہیں۔ یعنی بحیثیت مشیت ایزدی باخبر ہوتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بروز عید اور عاشورہ، ماہ رجب کا پہلا جمعہ اور ماہ شعبان کی پندرہویں رات اور شب قدر اور ہر جمعہ کی رات میں ارواح قبروں سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اپنے پسماندگان سے سوال کرتے ہیں کہ اس مبارک رات میں ہمارے ساتھ کسی صدقہ یا طعام سے امداد کرو کہ ہم محتاج ہیں کتاب درالسبحان للسیوطی و کتاب دقائق الاخبار امام عبدالرحیم بن احمد ص ۲۰۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح موتی ایام مذکورہ میں اپنے گھروں کے دروازہ پر آتے ہیں۔

سوال نمبر ۶:- اگر پسماندہ مہجور شدہ چاہے کہ مجھے صبر حاصل ہو تو کس کلام شریف کے ذریعہ سے، کس وقت اور کس تعداد تک ورد کرے گا، اگر از حد بے ہمت ہو تو کس قدر پڑھے گا؟

جواب:- اسم یا تحیٰ یا قیوم ایک ہزار مرتبہ بوقت اذان فجر پڑھے۔ اگر اس قدر نہ ہو سکے تو ۳۰۰ (تین سو) مرتبہ پڑھے، بعد ازاں دل پر دم کرے۔

سوال نمبر ۷:- دوست مہجور شدہ کا مطلب ہو کہ دوست گم شدہ کا خانہ سکونتی کہ جس میں وہ مدفون ہے وہ منور ہو اور اعلیٰ قسم کی رحمتیں خداوند کریم جل شانہ سے اس پر نازل ہوں تو کس کلام شریف کا کس قدر اور کس وقت اور کس دن میں اس کا ذکر کرے؟

جواب:- اس جگہ کلام اللہ شریف پڑھے یا پڑھوائے۔ ایسا ہی درود شریف جس قدر ہو سکے۔

سوال نمبر ۸:- اگر دوست گم شدہ عہد حیات خود میں کسی چیز خورد و نوش کی زیادہ خواہش رکھتا تھا۔ اب اس کو دوست مہجور شدہ کس طرح سے پہنچا دے۔ ہر دن یا کسی خاص دن میں اور اس کی تجویز کیا ہوگی؟

جواب:- ہر دن یا شب جمعہ یا جس وقت اور جس دن چاہے پہنچا سکتا ہے۔ البتہ ہر شب جمعہ و ایام عید و عاشورہ وغیرہ مندرجہ نمبر ۵ ضروری طعام یا کلام یا کسی خیرات کیڑا وغیرہ کا ثواب پہنچانا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۹:- کلمہ شریف یا کہ درود شریف کا ثواب بخشا کسی کے واسطے جائز ہے یا کہ نہیں، سنا

گیا ہے کہ ناجائز ہے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب:- جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۰:- اگر دوست گم شدہ کسی قسم مویشی کی خواہش رکھتا ہو از قسم عام مویشی یا کہ از قسم

پرندگان اب ان کا پہنچانا کس طرح سے ہوگا آیا وہ چیز زندہ دی جاوے یا کہ قیمت اگر زندہ دینے کی خواہش ہو تو

کس کو دیا جائے اور کس طریق سے دیا جائے؟

جواب:- زندہ دینا محتاج کو بہ نسبت قیمت کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال نمبر ۱۱:- ملا جو قبر پر پڑھنے کے لیے بٹھائے جاتے ہیں وہ کس عرصہ تک پڑھتے رہیں؟

قرآن شریف ہی پڑھا کریں یا کوئی اور کلام؟

جواب:- چالیس دن تک قرآن شریف پڑھایا جاوے مگر بلا شرطِ اجرت۔ کیونکہ قرآن شریف

پڑھنے کی اجرت لینی دینی حرام ہے ہاں اگر پڑھنے والے کو لالچ نہ ہو اور دینے والا اجرت سمجھ کر نہ دیوے تو جائز

ہے مگر یہ مشکل ہے۔ لہذا اچھا ہے کہ دوست یا خویش اقارب جو بلا اجرت پڑھنے والے ہوں، پڑھیں۔

۲۵۔ روح کے متعلق سوالات کے جوابات

۱۴۔ اگست ۱۹۲۵ء

مخلصی فی اللہ الطاف حسین صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، محبت نامہ کاشفِ مافیہا ہوا۔

سوال (۱):- مُردہ کی روح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے۔ آیا جواب دہی میں ماخوذ ہو جاتی

ہے یا دنیا میں اپنے جسمِ عنصری کے اوپر پرواز کرتی رہتی ہے جیسا کہ بعض اہل ہنود کا خیال ہے؟

جواب :- مومنین کی روح افلاکِ سبعہ کے اوپر مقامِ علیین میں اور کفار کی اسفل السافلین میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ صرف جوابِ دہی کے لئے بدنِ عنصری کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے جس کا اثر دگر گو نہ حیات ہے نہ یہ حیاتِ دنیوی جو منشاء تغذی اور چلنے پھرنے کا ہے، جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا۔

نوٹ : دنیا میں روحِ حقیقی کو جو (قل الروح من امر ربی) سے مراد ہے۔ روحِ ہوائی کے ساتھ راکب اور مرکب کا تعلق ہے۔ بعد الموت روحِ ہوائی بعنوان دیگر بخار لطیف مع جسمِ عنصری کے فنا ہو جاتے ہیں اور روحِ حقیقی کو بجائے روحِ ہوائی کے ایک اور روحِ برزخی سواری کے لئے ملتا ہے جو عالمِ مثال میں سے ہے دنیا میں بھی اور بعد الممات عالمِ مثال میں بھی۔ یہ مرکب جسے نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں روزن ہے قبولِ فیضان کے لئے روحِ حقیقی سے جو عالمِ قدس میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی ان اوراق میں گنجائش نہیں رکھتی

سوال (ب) :- بارہ سال سے کمسن بچے کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا ہے جو بڑوں سے ہوتا ہے یا کچھ رعایت ملتی ہے؟

جواب :- مومنوں کے نابالغ بچے جنت میں اور ایسا ہی کفار کے بھی بقول بعض جنت میں قیام پذیر ہوتے ہیں۔

سوال (ج) :- کیا یہ درست ہے کہ جہاں آدمی مرتا ہے وہاں چالیس دن تک روح آتی ہے

جواب :- روح کا آنا تو نہیں البتہ ایک گونہ تعلق اور لگاؤ خاص طور پر رہتا ہے الحمد للہ کہ جانین

میں خیریت ہے۔ والسلام

العبد

الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ

بقلم خود از گولڑہ

۲۶۔ ثبوت سماع موتی

استفتاء

جنابِ عالی مدظلہ! پس از آدابِ غلامانہ گذارش ہے کہ براہِ غریب نوازی اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ قبروں میں مردوں کو سنائی یا دکھائی دیتا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو السلام علیکم کہے یا کچھ پڑھ کر ثواب بخشے کیا وہ سن سکتے ہیں؟ قرآن مجید یا حدیث شریف سے اس کا کوئی ثبوت ہو تو تحریر فرمائیں یہاں لوگ کہتے ہیں کہ مردہ نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔ میرا ایک دوست بھی اسی طرف مائل ہے۔ زیادہ والتسلیم۔

الجواب ہوا الصواب

صورتِ مسئلہ میں سماعِ موتی و تعارفِ آل بہ خویش و اقارب کا ثبوت احادیثِ صحیحہ سے پایا جاتا ہے مثلاً زائر القبور جس وقت السلام علیکم یا اهل القبور کہتا ہے تو مردہ سنتا ہے اُس کا جواب دیتا ہے اور اپنے خویش و اقارب کو پہچان لیتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ مردہ بذاتہ یعنی بلا واسطہ سنتا ہے یا بواسطہ اس کو یہ خبر پہنچتی ہے، اس پر حدیث ساکت ہے۔ حقیقتِ حال کی آگہی علام الغیوب دانائے راز کو ہے ہمارے لئے نفسِ سماعِ موتی کا ثبوت ہونا چاہیے و بس۔ چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے قال السیوطی و اخرج العقیلى عن ابی ہریرۃ قال قال ابو رزین یا رسول اللہ ﷺ ان طریقى علی الموتی فهل من کلام اتکلم به اذا مررت علیهم قال قل السلام علیکم یا اهل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا انشاء اللہ بکم لا حقون۔ قال ابو رزین ایسمعون قال یسمعون ولكن لا یستطیعون ان یجیوا و عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا الا عرفه ورد علیہ السلام صححہ عبد الحق۔ و اخرج ابن ابی الدنیا والبیہقی فی الشعب عن ابی ہریرۃ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام وعرفہ۔

واذا امر بقبر لا يعرفه يسلم عليه رد عليه السلام ولم يعرفه (امام سیوطی فرماتے ہیں کہ عقیلی نے سیدنا ابو ہریرہؓ سے حدیث کی تخریج کی کہ سیدنا ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ابو رزین نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے (آنے جانے کا راستہ) قبرستان سے گزرتا ہے کیا کوئی ایسا کلام ہے جو میں قبرستان سے گزرتے ہوئے پڑھوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم یہ کہو ”اے قبروں والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے آنے والے ہیں اور ان شاء اللہ تم سے آملیں گے“۔ ابو رزین نے عرض کی کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا وہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اور سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر پر گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اس حدیث کو شیخ عبدالحقؒ نے صحیح قرار دیا اور ابن ابی دنیا نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسے آدمی کی قبر پر گزرے جو اسے پہلے پہچانتا تھا پھر اس کو وہ سلام کہے تو وہ (قبر والا) اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسے آدمی کی قبر پر گزرے اور اسے سلام کرے جو اسے نہیں پہچانتا تھا تو وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے پہچانتا نہیں) اور احادیث بھی بکثرت اس بارہ میں وارد ہیں۔ لیکن بخوف طوالت ترکِ نقل لازم آئی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

حرره العبد الملتجى الى الله المدعو بمهر على شاه عفى عنه ربه بقلم خود از گولڑہ

۲۷۔ غیر مسلم کی پکائی ہوئی چیز کھانے کے متعلق شرعی حکم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بحضور جناب فیض مآب، قدوة السالکین، عمدة العارفين، حامی دین متین، شمس العلماء و رئیس

الفصلاء، اکمل الکملاء مولانا مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ بعد آداب ماوجب التماس وگزارش آنکہ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب زیارة القبر جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

مسئلہ

اشیاء خوردنی و آشامیدنی مثلاً پاڑ، پکوڑہ، مٹھائی، برنی، جلیب، حلوا پچکاں، شربت و ادام و دوغ و جغرات و شیر مطبخہ وغیرہ و غیرہ اشیاء تر و خشک ساختہ پرداختہ اہل ہند و عیسائیاں و ہر آنکہ غیر اہل اسلام اند برائے اہل اسلام خوردن و آشامیدن خرید کردن و ہدیہ ستانیدن از غیر الاسلام جائز است یا نہ بینوا تو جروا۔

مکرر اینکہ در قرآن مجید و فرقان حمید آیہ شریفہ انما المشركون نجس الخ وارد است بکدام نہج بینہ استعمال گردانیم جواب مسئلہ مذکورہ بدلائل قویہ اعنی بالنص والحدیث والاجماع و قیاس المجتہدین المتورعین باشد ارقام فرمودہ کترین را ممنون فرمایند (کھانے اور پینے والی چیزیں مثلاً پاڑ، پکوڑ مٹھائی، برنی، جلیب، حلوا، پچکاں شربت، سالن، لسی، دہی، پکا ہوا دودھ تر اور خشک بنی ہوئی اشیاء ہندو عیسائی اور دیگر غیر مسلم کی ہیں مسلمانوں کا کھانے پینے کے لیے اسکو خرید کرنا اور غیر مسلموں سے ہدیہ لینا جائز ہے یا نہ۔ مکرر یہ ہے کہ قرآن مجید و فرقان حمید میں آیت شریفہ انما المشركون نجس وارد ہے کون سا طریقہ پر اشیاء مذکورہ ہم استعمال کر سکیں گے مسئلہ مذکورہ کا جواب دلائل قویہ میری مراد نص، حدیث اجماع اور قیاس مجتہدین متورعین کے ساتھ ہو تحریر فرما کر کترین کو ممنون فرمائیں)

منتظر بالجواب فقیر محمد محبوب علی حنفی ساکن ڈہلم ڈاک خانہ سمبر یاں تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

الجواب ہوا الصواب

کیفیت مسئلہ بنی نوع انسانی پس از تتبع و دریافت عقلاً و نقلاً بیک نہج معلوم مے شود۔ امانقلاً پس بدیں وجہ کہ خالق آسمان و زمین و حضرت جہاں و جان آفرین ابناء آدم بہ تخلیق و تشریف و تکریم و تعلیم و حسن تقویم بطریق واحد مخاطب ساختہ۔ و ازدواج و تزوج با محسنات اہل کتاب و ذبائح وغیرہ آں حلال فرمودہ کما قال اللہ تعالیٰ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحماً ثم انشأناہ خلقاً آخر

خلق الانسان من علق ۱ لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم ۲ ولقد كرمنا بني ادم ۳ وعلم الانسان ما لم يعلم ۴ وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم ۵ والمحصات من الذين اوتوا الكتاب من قبلکم ۶

ونیز علماء کرام چہ مفسرین و چہ محدثین بطہارت ذوات و ابدان انسانی باتفاق و اجماع امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیۃ قائل گشتند و معنی نجاست کفرہ و مشرکین کہ از آیہ کریمہ انما المشرکون نجس فہمیدہ شود بوجوہات شتی بیان فرمودند۔ کما قال العلامة ابوالمعود تحت آیۃ انما المشرکون نجس۔ و صفوا بالمصدر مبالغۃ کانہم عین النجاسة او ہم ذو نجاسة لخبث باطنہم۔ اولان معہم الشریک الذی ہو بمنزلۃ النجس اولانہم لا یتطہرون ولا یغتسلون ولا یجتنبون النجاسات فہی ملابسة لہم ۷ و در بیضاوی است انما المشرکون نجس لخبث باطنہم اولانہ یجب ان یجتنب عنہم کما یجتنب عن الانجاس اولانہم لا یتطہرون ولا یجتنبون عن النجاسات فہم ملابسون لہا غالباً ۸ و در تفسیر ابن کثیر است و اما نجاسة بدنه فالجمهور علی انہ لیس بنجس البدن والذات لان اللہ تعالیٰ احل طعام اهل الكتاب ۹ و در تفسیر فتح البیان است و ذهب الجمهور من السلف والخلف و منهم اهل المذاهب الاربعۃ الی ان الکافر لیس بنجس الذات لان اللہ سبحانہ احل طعامہم و ثبت عن النبی ﷺ فی ذالک من فعلہ و قولہ ما یفید عدم نجاسة ابدانہم فاکل فی آنیتہم و شرب منها و توضاء فیہا و انزلہم فی مسجده و هو الحق۔ و قد نقل الامام ابو جعفر محمد بن جریر فی کتابہ فاذا ثبت طہارۃ الآدمی مسلماً کان او کافراً فعرقہ و لعابہ و دمہ طہرات سواء کان محدثاً او جنباً او حائضاً او نفساء و هذا حکمہ باجماع المسلمین ۱۰ و در ہدایہ است و سورۃ لآدمی و ما یوکل لحمہ طاهر لان المختلط بہ اللعاب و قد تولد من لحم طاهر و یدخل فی هذا الجواب الجنب والحائض والکافر۔ و عرق کل شیء معتبر بسورہ ۱۱ و اما عقلاً پس بایں سبب کہ ایں ہمہ

۱ القرآن، اعلق، آیت ۲ ۲ القرآن، والتین، آیت ۳ ۳ القرآن، بنی اسرائیل، آیت ۷۰ ۴ القرآن، اعلق، آیت ۵

۵ القرآن، المائدہ، آیت ۵ ۶ القرآن، المائدہ، آیت ۵ ۷ تفسیر ابی مسعود، البراءۃ، آیت ۲۸، ج ۲، ص ۵۷، مکتبہ دار احیاء التراث بیروت

۸ بیضاوی، پ ۱۰، ص ۲۰۳، ج ۲، مکتبہ تجبائی دہلی ۹ تفسیر ابن کثیر، پ ۱۰، ج ۲، ص ۳۳۹، مکتبہ تجاریہ شارع محمد علی مصر

۱۰ تفسیر فتح البیان، ج ۳، ص ۲۷-۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۱ ہدایہ کتاب الطہارۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء، ص ۴۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور

افراد نوع واحد اند و حکم افراد نوع واحد باعتبار حلت و حرمت و طہارت و نجاست متحد باشد چنانکہ ایں امر از نظائر احکام انواع ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم ظاہر و ہویدا است۔ پس خلاصہ و ماحصل مذکورۃ الصدر آں است کہ انسان بذاتہ متحد و بنفسہ پاک و طاہر است و نجاستیکہ بابدان انسانی بعوارض شتی مثل جنابت و حیض و نفاس و غیرہ عارض شود حکمی است نہ حقیقی۔ و تنجیس اشیاء باختلاط و تخلیط خویش مقتضی نجاست حقیقی است۔ لہذا مفہوم انما المشرکون نجس۔ محمول بر نجاست حکمی باشد و بس۔ بناء علیہ اشیاء خوردنی و غیرہ ساختہ اہل ہنود کہ مروجہ ایں دیار است بشرط طہارت یقینی و ظنی حلال و بشرط عدم طہارت یقینی و ظنی حرام و بوقت شک مکروہ۔ لیکن ایں مختص باہل ہنود نیست مطبوخ اہل اسلام ہم بایں لحاظ ملحوظ است یعنی بشرط الطہارۃ ظاہر و حلال و بشرط عدم الطہارۃ نجس و حرام و بمعرض شک مکروہ۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

ترجمہ

بنی نوع انسان کی کیفیت مسئلہ پوری دریافت کے بعد عقلی اور نقلی لحاظ سے ایک ہی طریقہ پر معلوم ہوتی ہے۔ نقلی لحاظ سے تو اس لئے کہ خالق آسمان و زمین جل شانہ نے سب بنی آدم کو تشریف اور تکریم اور تعلیم احسن تقویم میں ایک ہی طرح پر مخاطب فرمایا ہے اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کی ذبیحہ کو حلال فرمایا ہے۔ جیسا کہ آیات میں ہے کہ ”ہم نے انسان کو چنی ہوئی (انتخاب) مٹی سے بنایا پھر اسے پانی سے بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ سے پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹکی سے بنایا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی۔“

”آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔“ ”بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔“

”اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی۔“ ”آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔“

”اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔“ ”اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی۔“

سے ثابت ہے۔ نیز علمائے کرام محدثین مفسرین اور مجتہدین انسانی بدن و ذات کی طہارت پر متفق ہیں۔ جیسا کہ اس پر اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماع ہے اور کفار اور مشرکین کی نجاست جو آیت کریمہ انما المشرکون نجس سے سمجھی جاتی ہے مختلف وجوہ سے بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابو مسعود نے آیت

انما المشرکون نجس کے تحت بیان کیا ہے کہ ان کی وصف بطور مبالغہ مصدر کے ساتھ کی گئی ہے گویا کہ وہ عین نجاست ہیں یا وہ اپنے باطن کی خباثت کی وجہ سے نجاست والے ہیں یا ان کے ساتھ شرک ہے جو بمنزلہ نجس کے ہے یا اس وجہ سے کہ وہ طہارت نہیں کرتے اور نہ نجاستوں سے بچتے ہیں پس نجاست کے ساتھ ملا بس ہیں بیضاوی میں ہے کہ مشرکین اپنے باطنی خبث کی وجہ سے پلید ہیں یا اس وجہ سے کہ جس طرح پلیدیوں سے اجتناب کرنا واجب ہے ان سے بھی اجتناب کرنا واجب ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس کا بدن اور ذات نجس نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا طعام حلال قرار دیا ہے۔ تفسیر فتح البیان میں ہے جمہور سلف خلف جن میں مذاہب اربعہ والے بھی شامل ہیں کا نظریہ یہ ہے کہ کافر بالذات نجس نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کا طعام حلال کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل سے جو ثابت ہے وہ ان کے ابدان کی عدم نجاست کا فائدہ دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے برتنوں میں کھایا، پیا اور ان میں وضو کیا، ان کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا اور یہ حق ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں جب آدمی چاہے مسلمان ہو یا کافر، کی طہارت ثابت ہو گئی تو اس کا پسینہ، لعاب، آنسو پاک ہیں چاہے بے وضو ہو، جنبی ہو، حائض ہو یا نفاس والی ہو اور اس حکم پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ہدایہ میں ہے آدمی اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے کا جو ٹھاپاک ہے کیونکہ جس کے ساتھ لعاب مخلوط ہو تحقیق گوشت سے پیدا ہوا وہ پاک ہے اور اس جواب میں جب، حائض اور کافر بھی داخل ہیں اور ہر شئی کا پسینہ اس کے جھوٹے کے ساتھ معتبر ہے۔ اور عقلی لحاظ سے اس لئے کہ یہ تمام ایک نوع کے افراد ہیں اور ایک نوع کے افراد کا حلت و حرمت اور طہارت و نجاست کے اعتبار سے حکم متحد ہوگا۔ چنانچہ یہ امر ماکول اللحم (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) اور غیر ماکول اللحم (جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا) کی انواع کے احکام کی نظر سے ظاہر ہے۔

مذکورۃ الصدر کا خلاصہ اور ما حاصل یہ ہے کہ انسان بذاتہ متحد اور بنفسہ پاک اور طاہر ہے۔ وہ نجاست جو انسانی بدنوں کو مختلف عوارض مثلاً جنابت، حیض و نفاس وغیرہ عارض ہوتی ہے حکمی ہے حقیقی نہیں۔ اشیاء کا پلید ہونا اختلاط و تخلیط کے ساتھ نجاست حقیقی کا مقتضی ہے لہذا انما المشرکون نجس کا مفہوم نجاست حکمی پر محمول ہے اور بس۔ بناء بریں ہندوؤں وغیرہ غیر مسلموں کی بنائی ہوئی کھانے پینے کی چیزیں جو ہمارے ملک میں مروج ہیں طہارت یقینی اور ظنی کے ساتھ حلال ہیں۔ اور طہارت یقینی اور ظنی کی شرط نہ ہونے کی صورت میں

حرام اور شک کے وقت مکروہ۔ یہ اہل ہنود کے ساتھ مختص نہیں ہے مسلمانوں کی پکائی ہوئی چیزوں میں بھی یہ ملحوظ ہے یعنی بشرطِ طہارت طاہر و حلال اور بشرطِ عدمِ طہارت پلید و حرام اور شک میں مکروہ واللہ اعلم بالصواب۔
العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ از گولڑہ بقلم خود
(دستخط حضور قبلہ عالم)

۲۸۔ غیر مسلم کی پکائی ہوئی چیزوں کے متعلق ایک اور فتویٰ

استفتاء

مروّج علوم شرعیہ، مترجم اخبار نبویہ ﷺ حضرت مخدومی مکرمی پیر مہر علی شاہ مدظلہم العالی علی رؤس

المستفیدین

بعد السلام علیکم کے واضح ہو کہ چند سوالات کے جواب سے ممنون فرمادیں۔

۱۔ اہل ہنود کا طعام کھانا درست ہے یا نہ کیونکہ اکثر لوگ کھاتے ہیں اور بعض منع فرماتے ہیں اور بعض جائز براہ کرم سندات کے ساتھ آپ مسئلہ کو خوب واضح کریں۔

۲۔ روزہ دار عورت کو حیض آئے تو وہ روزہ افطار کرے یا امساک رہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں بالکل امساک رہے اور روزہ قضاء کرے۔

۳۔ جو ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے سؤرۃ الادمی طاہر کافر، مسلم تمام کو شامل ہے۔ حرام خور بھنگی کا جو ٹھاکس طرح پاک ہوتا ہے، تصریح کریں؟

۴۔ روٹی کو چوہڑے کا ہاتھ خشک لگ جائے تو روٹی پلید ہوتی ہے یا نہ۔ بناء علیہ اگر مسلمان حیوان ذبح کرے تو اس کو غیر مسلم مثل چوہڑے کے تقسیم کرے اپنے ہاتھ سے تو گوشت پلید ہوتا ہے یا نہ؟

۵۔ استاد کے عاق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہ؟

۶۔ اگر کوئی کافر مسجد میں صف بچھاوے اور اس کا اکثر مال ربا کا ہو تو صف کا کیا حکم ہے؟ بینوا بالتفصیل تو جروا عند رب الجلیل۔

خاکسار عبدالغفور چک نمبر ۶۳۶ ضلع لاکپور تحصیل سمندری ڈاکخانہ برالہ متصل جہال گوڑیا

الجواب ہوا الصواب

جواب سوال اول و چہارم:- جب تک کہ کوئی نجاست ظاہری یقیناً اعضاء ظاہرہ کافر پر نہ لگی ہو اس وقت تک اس کے ہاتھ سے کھانا پکوانا، پانی بھروانا، ماکولات تر مثل روغن زرد و شہد و گوشت وغیرہ منگانا یا تقسیم کرنا سب درست ہے۔ اس واسطے کہ نجاست کافر کی صرف اعتقادی ہے نہ نجاست ظاہری چنانچہ البحر الرائق میں مرقوم ہے لما نزل النبی ﷺ المشرکین فی المسجد و مکنہم من المبت فیہ علی ما فی الصحیحین علم ان المراد بقولہ تعالیٰ انما المشرکون نجس النجاسة فی اعتقادہم (جب نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو مسجد میں اتارا اور ان کو گھر سے مسجد میں ٹھہرایا جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے تو معلوم ہو گیا کہ فرمان باری تعالیٰ (انما المشرکون نجس یعنی مشرکین ناپاک ہیں) سے مراد ان کی اعتقادی نجاست ہے) اور خزینۃ الروایات میں ہے لا بأس بعیادة اهل الذمة و حضور جنائزہم و اکل طعامہم و المعاملة معہم (غیر مسلم، ذمیوں کی بیمار پرسی اور ان کی اموات پر) (تعزیت کے لیے) جانا اور ان کے (ہاتھ کے پکے) کھانے کھانا اور ان کے ساتھ دوسرے معاملات زندگی رکھنا گناہ نہیں ہے) اور فتاویٰ حامد یہ میں ہے والاطعمة التي يتخذها اهل الشرك ویتوہم فیہا اصابة النجاسة کل ذالک محکوم بطہارتہ حتی تیقن بنجاستہا (اور وہ کھانے جن کو اہل شرک تیار کرتے ہیں ان میں نجاست کے محض وہم سے ان کو ناپاک نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان پر طہارت کا حکم لگایا جاتا ہے تا وقتیکہ نجاست پہنچنے کا یقین نہ ہو جائے)

جواب سوال دوم:- روزہ دار عورت اگر اثناء یوم میں حائضہ ہو جائے تو بقیہ یوم اُس پر امساک واجب ہے لان الفطر قبیح شرعاً ترکہ واجب فالفطر ترکہ واجب (در مختار) (اس لیے کہ روزہ توڑنا شرعاً برا ہے، اس کا ترک واجب ہے تو ترک فطر واجب ہوا) والاصل فی ہذہ المسئلة ان کل من وجب علیہ الصوم لوجود سبب الوجوب والاہلیة ثم تعذر علیہ المضی بان افطر متعمداً او اصبح یوم الشک مضطراً ثم تبین انه من رمضان او تسحر

۱۔ البحر الرائق، ج ۱، کتاب الطہارة، ص ۱۲۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ ۲۔ خزینۃ الروایات

۳۔ فتاویٰ حامد یہ ۴۔ در مختار باب ما یفسد بہ الصوم ص ۱۵۱، ج ۱، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید کراچی

علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین طلوعه فانه یجب علیه الامساك تشبہا کما فی البدائع فالمرأة التي حاضت فی حالة الصوم فهي کذا لک لانه وجب علیها الصوم لوجود سبب الوجوب اعنی الجزء الاول من یوم رمضان والاهلیة اعنی الاسلام والعقل والبلوغ والطهارة عن حیض والنفاس ثم تعذر علیها المضی بان حاضت فیجب علیها الامساك تشبہا (اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جس پر روزہ سبب وجوب اور اہلیت ثابت ہونے پر واجب ہو چکا ہو پھر کرگزرنا اس پر دشوار ہو جائے کہ عمداً روزہ توڑ بیٹھے یا شک کے دن اس نے بحالت افطار صبح کی پھر معلوم ہو گیا کہ آج رمضان ہے یا اس نے سحری کھالی اس گمان پر کہ ابھی صبح طلوع نہیں ہوئی پھر ظاہر ہوا کہ صبح طلوع ہو چکی تھی تو ایسے آدمی پر تشبہاً امساك واجب ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔ پس وہ عورت جو بحالت روزہ حائضہ ہو جائے وہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ سبب وجوب یعنی رمضان کی جزا اول اور اہلیت یعنی اسلام، عقل، بلوغ اور حیض و نفاس سے پاک ہونے کے پائے جانے کی وجہ سے اس پر روزہ فرض ہوا تھا پھر اس کا کرگزرنا اس پر بوجہ حیض کے دشوار ہو گیا تو ایسی عورت پر بھی روزہ داروں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کے لیے امساك واجب ہے)

جواب سوال سوم:- آدمی کا جوٹھا پاک ہے خواہ وہ آدمی مسلم ہو یا کافر بشرطیکہ نجاست ظاہری سے اس کا منہ پاک و صاف ہو۔ چنانچہ البحر الرائق میں مرقوم ہے سؤر الا آدمی طاهر لا فرق بین الجنب والطاهر والحائض والنفساء والصغیر والكبیر والمسلم والكافر والذکر والانثی فان سؤر الكل طاهر وطهور من غیر کراهة ۲ (آدمی کا پس خوردہ یعنی کھانے پینے کے بعد جو بیچ جائے (جوٹھا) پاک ہے، جنابت والے اور پاک اور حیض و نفاس والی میں کوئی فرق نہیں۔ نہ چھوٹے بڑے اور مسلم و کافر میں اور نہ ہی مذکر و مونث میں۔ ان سب کا جھوٹا (بچا ہوا) بلا کراہت پاک اور طاهر ہے)

جواب سوال پنجم:- اُستاد کے عاق کے پیچھے نماز درست ہے کیونکہ وہ بایں گناہ اسلام سے خارج نہیں ہو گیا ہے اور جب اسلام سے خارج نہیں ہوا تو بحکم حدیث صلوا خلف کل بر وفاجر ۳ (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو) اس کے پیچھے نماز درست ہوئی۔

۱۔ بدائع الصنائع کتاب الصوم باب فی حکم الصوم الموقت، ج ۲، ص ۲۶۷، دار الفکر بیروت

۲۔ بحر الرائق، جلد اول کتاب الطہارت صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ سن السن الکبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ۱۹، مطبع مجلس دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن

جواب سوال ششم:- کافر نے جو صف مسجد میں بچھائی ہے اس پر نماز پڑھنی جائز و درست

ہے۔ کیونکہ کافر کا کل مال حلال ہے خواہ ربا سے حاصل کیا ہو یا غیر ربا مثل تجارت وغیرہ سے پیدا کیا ہو۔

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ بقلم خود از گولڑہ

۲۹۔ مردار جانوروں کی جلی ہوئی ہڈیوں سے

صاف شدہ کھانڈ کے متعلق شرعی حکم

استفسار

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو قند و شکر کہ عظام سوختہ حیوانات ماکول اللحم وغیرہ ماکول اللحم مخلوط عظام خنازیر کے ذریعہ صاف ہو کر بایں طور تیار ہوئی ہو کہ عظام سوختہ کوئلہ شدہ کو سوراخ دار ظرف میں بھر کر گنے کا رس یا تیار شدہ قند کا شربت ظرف مذکور میں گزارا جائے اور بعد صفائی دیگ وغیرہ میں جوش دے کر قند و شکر تیار کی جائے۔ جس سے قند و شکر نہایت ہی صاف و شفاف ہو جاتی ہے اور ذائقہ و رنگ و بو میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا ہے، پس ان مخلوط و غیر مخلوط شدہ ہڈیوں کے کوئلہ کے ذریعہ جو قند و شکر تیار ہوئی اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

واضح ہو کہ عظام حیوانات ماکول اللحم وغیرہ ماکول اللحم سوائے خنزیر کے پاک و طاہر ہیں پس جن اشیاء میں کہ ان کی آمیزش واقع ہو خواہ قبل الاحراق یا بعد الاحراق وہ شی بلا شک و شبہ پاک و طاہر ہے۔ چنانچہ شرح وقایہ میں ہے وشعر المیتة وعظمها وحافرھا وقرنھا وشعر الانسان وعظمه طاہر (مردار کے بال، ہڈیاں، کھر اور سینگ اور انسان کے بال و ہڈیاں پاک ہیں) اور در المختار میں مرقوم ہے کہ وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذهب وعظمها وعصبها طاہر (مردار کے بال اس کی ہڈیاں

اور پٹھے مذہب کے مطابق پاک ہیں) اور اگر بالفرض والتسلیم عظام خنزیر کے خلط کا بھی احتمال ہو تو بھی وہ قندو شکر پاک و طاہر ہے اس واسطے کہ جلانے کے بعد ماہیتِ اصلیہ عظمیہ منقلب ہو جاتی ہے اور انقلابِ ماہیت موجب انقلابِ وصف ہوتا ہے۔ پس خنزیر کی ہڈی جو قبل الاحراق متصف بصفۃ نجاست تھی بعد الاحراق بوجہ انقلابِ ماہیت وصفِ نجاست اس سے منتفی ہو جائے گا اور حکم طہارت اس پر مرتب ہوگا جیسے انقلابِ خنزیر بملح و قذر بہ رما و خمر بہ خل یعنی سرکہ و نطفہ بہ مضغہ مزیل نجاست و موجب طہارت ہوتا ہے۔ چنانچہ درالمختار میں ہے لا یكون نجساً ماداً قدراً ولا لزماً نجاسة الخبزی سائر الامصار ولا ملح کان حماراً و خنزیراً لانقلاب العین بہ یفتی^۱ (قذر کی راکھ پلید نہیں ورنہ باقی شہروں میں روٹی کا پلید ہونا لازم آئے گا اور نہ وہ نمک جو نمک کی کان میں گدھے یا خنزیر کے گر جانے سے بنا، عین کے بدل جانے کی وجہ سے) اور فتح قدیر میں ہے و کثیر من المشائخ اختاروا قول محمد وهو المختار لان الشرع رتب وصف النجاسة علی تلك الحقيقة وتنفی الحقيقة بانتفاء بعض اجزاء مفہو ماہی فکیف بالکل فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب حکم الملح ونظیرہ فی الشرع النطفة نجسة وتصیر علقہ وہی نجسة وتصیر مضغۃ فتطہر. والعصیر طاهر فیصیر خمراً فینجس ویصیر خلا فتطہر فعر فنا ان استحالة العین تستتبع زوال الوصف المرتب علیہا^۲ (بہت سے مشائخ نے امام محمد علیہ الرحمہ کا قول اختیار کیا ہے اور وہی مختار ہے کیونکہ شریعت نے اس حقیقت پر نجاست کو مرتب کیا ہے۔ حقیقت بعض اجزاء کے انتفا کے ساتھ منثی ہو جاتی ہے پس کل کے منثی ہونے کے ساتھ کیوں نہ ہوگی؟ بے شک نمک گوشت اور ہڈیوں کا غیر ہے جب وہ نمک ہو گیا تو نمک کا حکم مرتب ہوگا۔ اسکی مثال شریعت میں نطفہ ہے جو پلید ہے جب وہ خون ہو جاتا ہے تو پلید ہے اور جب مضغہ (بوٹی) ہو جاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔ عصیر (جوس) پاک ہے جب وہ شراب بن جاتا ہے تو پلید ہو جاتا ہے اور سرکہ بن جائے تو پھر پاک ہو جاتا ہے۔ پس ہم نے جان لیا کہ استحالة عین زوال وصف جو اس پر مرتب ہے کے زوال کے تابع ہے)

الحاصل انقلابِ حقیقت و استحالة عین سے بالکل شی بدل جاتی ہے اور اس کا حکم یک لخت متغیر ہو جاتا ہے جیسا کہ عبارات مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ علاوہ ازیں اور بہت سے نظائر ہیں جن سے صاف طور پر

معلوم ہوتا ہے کہ بعد الاستحالة اصل شی کا حکم بالکل اٹھ جاتا ہے۔ مثلاً چاندنی و سونا بعد الاحراق کشتہ ہو کر کچھ اور ہی چیز بن جاتی ہے اور وہ حکم حلت و حرمت پوشیدنی زیورات و استعمال ظروف وغیرہ جو اصل ماہیت فضہ و ذہب کے ساتھ ملحق تھا اس کا نام و نشان بھی اب باقی نہیں رہا۔ باوجودیکہ ان کا استحالة ناقضہ ہے کیونکہ یہ ترکیب کیمیائی اصل حقیقت کی طرف منقلب ہو جاتی ہے اور عظام سوختہ کا انقلاب تو اپنی ماہیت اصلی کی طرف بالکل ناممکن ہے۔ پس جو حکم نجاست کہ اس کی اصلی ماہیت پر شارع نے لگایا تھا اس کے ساتھ کیوں کر رہ سکتا ہے بناء علیہ اب ان کی آمیزش قند و شکر کے ساتھ آمیزش طاہر بظاہر ہوگی جس میں ناپاکی کا احتمال بھی نہیں رہا ہے۔ فقط العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ بقلم خود از گولڑہ

۳۰۔ موزہ کے نیچے جراب وغیرہ کی صورت میں مسح کا شرعی حکم

استفتاء

۱۔ در بارہ مسح علی الخفین رجل و بدل الرجل میں اتصال شرط ہے یا نہیں؟

۲۔ جو چیز کہ مابین الرجل و بدل الرجل کے حاصل ہو اس کے لئے قابلیت بدلیت شرط ہے یا نہیں۔ مثلاً خف علی الخف کی صورت میں خف اول تابع رجل اور خف ثانی بدل الرجل قرار پا کر خف ثانی پر مسح جائز ہو جاتا ہے۔ پس اگر فاصل میں بدل الرجل ہونے کی قابلیت نہ ہو۔ جیسے سوتی یا ریشمی جرابیں تو اس صورت میں یہ فاصل تابع رجل ہو کر موجب جواز مسح علی الخف ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب هو الصواب

نمبر ۱۔ در بارہ جواز مسح علی الخفین، رجل و بدل الرجل میں اتصال حقیقی شرط نہیں ہے ورنہ مسح علی الخفین والجر موقین علی الخفین عدم اتصال حقیقی کی وجہ سے جائز نہ ہوتا حالانکہ جائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اتصال حقیقی ضروری نہیں ہے۔ حکمی اتصال بدل الرجل جواز مسح علی الخفین کے لئے کافی ہے جیسا کہ عبارات فقہاء سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔

نمبر ۲۔ رجل و بدل الرجل کے درمیان جو چیز حائل و فاصل ہو اس کا قابل جواز مسح ہونا ضروری و

لازمی نہیں ہے۔ محض بدل الرجل میں قابلیت جواز مسح ہونا چاہیے۔ حائل میں قابلیت ہو یا نہ ہو۔ بناء علیہ بدل الرجل قابل لمس کے نیچے اگر جرابیں غیر قابل لمس پہنی جائیں تو یہ جرابیں مانع جواز مسح نہ ہوں گی۔ اس واسطے کہ جب حائل قابل لمس تابع رجل ہو جاتا ہے اور جواز مسح کا مانع نہیں ہوتا ہے تو حائل غیر قابل لمس بدرجہ اولیٰ تابع رجل ہوگا اور جواز مسح علی الخف کا مانع نہ ہوگا۔ چنانچہ البحر الرائق میں ہے و کذا الخف فوق اللفافة يدل عليه ما في غايته البيان من ان ما جاز المسح عليه اذ لم يكن بينه وبين الرجل حائل جاز المسح عليه اذا كان بينهما حائل كخف اذا كان تحته خف او لفافة فهذا صريح في ان اللفافة على الرجل لا تمنع المسح على الخف فوقها. ووقع في شرح ابن الملك عن الكافي انه لو لم يكن خفان صالحين للمسح لخرقهما يجوز المسح على الجرموقين اتفاقاً۔ (اور اسی طرح لفافہ کے اوپر موزہ اس پر غایۃ البیان کا یہ دلالت کرتا ہے کہ وہ جس پر مسح کرنا جائز ہو جب اس کے اور پاؤں کے درمیان حائل نہ ہو، حائل کی صورت میں بھی مسح اس پر جائز ہے جیسے موزے کے نیچے موزہ ہو یا لفافہ تو یہ صریح ہے کہ پاؤں پر لفافہ اپنے اوپر مسح کو منع نہیں کرتا شرح ابن الملك میں کافی سے ہے کہ اگر موزے مسح کے قابل پھٹنے کی وجہ سے نہ ہوں تو بالاتفاق جرموقوں پر مسح جائز ہے) اور منختہ الخالق میں ہے قال العلامة ابراهيم الحلبي شارح المنية ثم تعليل ائمتنا ههنا بان الجرموقين بدل عن الرجل. يعلم منه جواز المسح على خف لبس فوق مخيط من كرباس او جوخ او نحوهما مما لا يجوز عليه المسح لان الجرموق اذا كان بدلا عن الرجل وجعل الخف مع جواز المسح عليه في حكم العدم فلان يكون الخف بدلا عن الرجل ويجعل ما لا يجوز المسح عليه في حكم العدم اولیٰ كما في اللفافة ۲ (علامہ ابراہیم حلبی شارح منیۃ المصلیٰ نے کہا کہ پھر یہاں ہمارے ائمہ کی تعلیل یہ ہے کہ جرموقین پاؤں کا بدل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر موزہ ایسی چیز کے اوپر پہنا جائے جس پر مسح کرنا جائز نہ ہو جیسے روئی یا اون کے بنے ہوئے کپڑے تو اس حالت میں موزے پر مسح جائز ہے اس لیے کہ جرموق جب پاؤں کا بدل ہے اور موزے کو باوجود مسح کے جائز ہونے کے

عدم کے حکم میں رکھا گیا ہے پس یہ کہ موزہ پاؤں کا بدل ہوا اور اس کو جس پر مسح جائز نہیں عدم کے حکم میں بنایا جائے اولیٰ ہے جیسا کہ لفافہ میں ہے) (وفی الدرر شرح الغرر ولا يلتفت الى ما نقل في شرح المجمع عن فتاوى الشاذلي انه لا يجوز الا ان يقطع ذلك الملبوس تحت الخف لانه نقل عن رجل مجهول فهو بعيد عن الفقه خارج عن الاصول لان قطعه ان كان ليصير كالخف المخروق في عدم جواز المسح عليه فهو بمنزلة بدون خرق لانه لا يجوز المسح عليه وان كان لا جل ان يتصل جزء من الرجل بالخف فهو ليس بشرط والا لما جاز المسح على الجرموق ونحوه مع حيولة الخف فانه اشد منعا للاتصال بالرجل) (الدرر شرح الغرر میں ہے وہ جو شرح المجمع فتاویٰ شاذلی سے نقل کیا گیا، اس کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ جائز نہیں مگر یہ کہ اس ملبوس کو موزے کے نیچے سے کاٹا جائے اس لیے کہ وہ نامعلوم آدمی سے نقل کیا گیا ہے۔ فقہ سے دور اور اصول سے خارج ہے۔ کیونکہ اگر اس کا کاٹنا اگر اس لیے ہو کہ وہ مسح کے عدم جواز میں پھٹے ہوئے موزے کی طرح ہو جائے تو وہ بغیر خرق اور کاٹنے کے بھی اسی مرتبہ میں ہے کیونکہ اس پر مسح جائز نہیں۔ اگر اس لئے ہو کہ پاؤں کی جز (حصہ) موزے سے متصل ہو جائے تو یہ شرط نہیں ورنہ جرموق وغیرہ پر مسح جائز نہ ہوتا باوجود موزے کے حائل ہونے کے پس تحقیق یہ زیادہ سخت مانع ہے پاؤں کیساتھ اتصال کے لیے)

خلاصہ یہ کہ جواز مسح علی الخفین کے لئے نہ اتصال الرجل بالبدل شرط ہے اور نہ فاصل و حائل کا قابل المسح ہونا ضروری ہے۔ محض بدل الرجل میں قابلیت جواز مسح ہونا چاہیے تابع الرجل خواہ قابل المسح ہو جیسے خف علی الخف و جرموق علی الخف کی صورت میں یا قابل المسح نہ ہو جیسے خف علی اللفافة والخيط کی حالت میں پس ان دونوں صورتوں میں بدل الرجل پر مسح بالاتفاق جائز ہوگا اور حائل بلا لحاظ قابلیت مسح وغیر قابلیت مسح تابع رجل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب۔

العبد

الملتجى الى الله المدعو بمهر على شاه عفى عنه ربه بقلم خود از گولڑہ

۳۱۔ غلام نبی، غلام رسول وغیرہ اسماء کے جواز کی دلیل

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ غلام نبی و غلام رسول و غلام علی وغیرہ کسی کا نام رکھنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

غلام نبی و غلام رسول وغیرہ نام رکھنا شرعاً جائز و درست ہے۔ اگر کلام ہے تو عبد النبی وغیرہ میں ہے اس کا بھی نیت پر دار و مدار ہے۔ چنانچہ خود سرور کائنات ﷺ سے اس بارہ میں اجازت آئی ہے۔ مسلم و بخاری میں یہ حدیث موجود ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عباد اللہ و کل نسائکم اماء اللہ و لکن لیقل غلامی و جاریتی و فتای و حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ”عبدی“ اور ”امتی“ نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری ساری عورتیں اللہ کی باندیاں ہیں کہنا چاہیے کہ میرا غلام اور میری لونڈی میرا فتی (غلام) اور میری فتاة (لونڈی) کہے لا یقل احدکم عبدی و امتی لیقل فتای و غلامی ۲ (تم میں سے کوئی میرا بندہ اور میری لونڈی نہ کہے بلکہ) چاہیے کہ کہے میرا فتی (غلام) میرا غلام)

علاوہ ازیں اگر واضح اسم غلام بمعنی عبد وضع کرے اور لوگ بمعنی فرزند وغیرہ تلفظ استعمال کریں تو کوئی قباحت نہیں لکل امرء مانوی۔ واللہ اعلم۔

حررہ

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

۳۲۔ بازاری عورتوں کے جنازہ کے متعلق حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زانیہ بازاری عورتیں جن کا پیشہ بد کاری ہے ان کی نماز جنازہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب ہوا الصواب

مسئلہ شرعی تو یہ ہے کہ اگر میت بحالت اسلام فوت ہوا ہے تو باستثنائے چند مفسداں مثل بغاۃ و قطاع الطريق وغیرہ نماز جنازہ ادا کرنی جائز ہے کیونکہ ارتکاب فسق و فجور علانیہ سے انسان خارج از اسلام نہیں ہو جاتا ہے تا وقتیکہ مستحل نہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص فسق و فجور کو حلال جان کر نہیں کرتا محض خواہش نفسانی و شامت اعمال کی بدولت مبتلا ہوتا ہے۔ اور جب خارج عن الاسلام نہ ہو تو غایت مافی الباب گنہگار مسلم باقی رہا۔ اور مسلم گنہگار کی نماز جنازہ درست ہے تو ان زانیہ و پیشہ وروں کی نماز جنازہ بھی عندالشرع جائز ہوگی کیونکہ یہ بھی کلمہ گو مسلمان ہیں۔ رجم وغیرہ کی صورت میں جو شخص قتل کیا جائے آخر اس کی نماز جنازہ بھی درست ہے ومن قتل بحق بسلاح وغیرہ کما فی القود والرجم یغسل ویصلی علیہ ویصنع بہ ما یصنع بالموتی۔ (جو شخص قصاص اور رجم میں کسی ہتھیار وغیرہ سے مارا گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا نماز جنازہ پڑھی جائیگی اور جو مرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا) اس پر شاہد ہے۔ ہاں اگر تنبیہا و اہانتہ ایسے اشخاص کے جنازوں میں شریک نہ ہوں جیسے قاتل احد الابوین کے جنازہ کی شرکت ناروا ہے تو مضائقہ نہیں اور چاہئے یہی کہ ایسے اشخاص یعنی مُعْلِنُ بالفسق و فجور کے جنازہ میں علی العموم مسلمان شریک نہ ہوں کہ غیرت اسلامی اسی کی مقتضی ہے۔ ہاں محض فارغ الذمہ ہونے کے لحاظ سے بظاہر طوعاً و کرہاً خفیہ طور سے نماز جنازہ کوئی شخص پڑھاوے اور تنبیہا و اہانتہ ترکِ صلوٰۃ علی المسلم جائز ہے جیسا کہ ترکِ صلوٰۃ علی البغاۃ و قطاع الطريق اسی قبیل سے ہے۔ چنانچہ عینی میں تحت قول کنز مرقوم ہے لا یصلی علیہما اہانۃ لہما وقال الشافعی یصلی علیہما لانہ مسلم قتل بحق فصار کالمرجوم و لنان

عَلَيْهِمْ يَغْسِلُ الْخَوَارِجَ وَلَمْ يَصَلِّ عَلَيْهِمْ فَقِيلَ لَهُمْ كَفَارٌ فَقَالَ لَا وَلَكِنْهُمْ اخْوَانُنَا بَغَوَا عَلَيْنَا
اِشَارَ بِهَذَا اِلَى اَنْ تَرْكَ الْغَسْلَ وَالصَّلَاةَ عَقُوبَةً لَهُمْ لِيَكُونَ زَجْرًا لَهُمْ (ابانتہ ان دونوں کا جنازہ
نہ پڑھا جائے گا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جنازہ پڑھا جائے گا کیونکہ وہ مسلمان ہے حق شرعی کی وجہ سے قتل کیا گیا
لہذا مرجوم (سنگسار شدہ) کی طرح ہو جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے خارجیوں کو نہ غسل دلوایا
اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی پوچھا گیا کیا یہ کافر ہیں آپ نے فرمایا نہیں یہ تھے تو ہمارے بھائی مگر انہوں نے
ہم پر بغاوت کی۔ اس کے ساتھ یہ اشارہ کیا کہ غسل اور نماز جنازہ چھوڑنا ان کے لیے سزا تھی تاکہ ان کے سوا
اوروں کے لیے زجر بنے) اور مسلم معترف بالذنوب کی ادائے نماز جنازہ کے لئے آیت کریمہ وصل علیہم
ان صلواتک سکن لہم ۲ (اور آپ ان کا جنازہ پڑھیں بے شک آپ کی نماز جنازہ پڑھنا ان کے لیے
سکون ہے) کافی وافی ہے اور کسی امر کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ

۳۳۔ نماز جنازہ کی تکبیرات کی تعداد کے متعلق تحقیق

جناب عالی! پس از تسلیم معروض خدمت اقدس ہے کہ بندہ نے اکثر کتب اہل سنت جماعت میں
دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے آٹھ تکبیر سے چار تکبیر تک نماز جنازہ پڑھائی ہے اور آٹھ تکبیر وغیرہ کی کوئی
ممانعت نہیں فرمائی ہے۔ آخر وقت میں چونکہ چار تکبیر سے نماز جنازہ پڑھایا ہے اس واسطے آجکل تمام اہل
سنت والجماعت چار تکبیر کو جائز سمجھتے ہیں اور چھ سات آٹھ کو ناجائز جانتے ہیں۔ جو امر جناب کے نزدیک محقق
ہو اس سے بندہ کو بحوالہ کتب مطلع فرمائیں، زیادہ والتسلیم۔

رقیمہ نیاز علی شاہ شمس آبادی

الجواب ہوا الصواب

بے شک اوائل اسلام میں تکبیرات جنازہ کا التزام ایک حالت پر نہیں تھا خود سرور کائنات علیہ
افضل التحیۃ والصلوۃ سے تکبیرات جنازہ کا وقوع قبل از واقعہ نماز جنازہ نجاشی مختلف طور پر پایا جاتا ہے و بعد ازاں

تاحین حیات ثبات برار بع تکبیرات ثابت ہوتا ہے۔ پس یہی حدیث متضمنہ واقعہ نجاشی نسخ احادیث ماقبل قرار پائی ہے اور اسی پر اجماع صحابہ کرام منعقد ہوا ہے۔ اب اس کی مخالفت میں خرق اجماع لازم آئے گا جو موجب گناہ و معصیت ہے کیونکہ بعد نسخ اکثر امر منسوخ منہی عنہ کے درجہ میں ہو جاتا ہے و ارتکاب منہی عنہ بالاتفاق معصیت ہے۔ لہذا فیما نحن فیہ میں بھی تکبیرات اربعہ سے زائد کا ارتکاب جائز نہ ہوگا۔ اسی واسطے فقہاء کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ولو کبر الامام خمسالم يتابعه الموتى لانه منسوخ (اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو مقتدی اس کی متابعت نہ کرے کیونکہ وہ منسوخ ہے) اور فتح القدیر میں ہے روی محمد بن الحسن اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم النخعی ان الناس كانوا يصلون عن الجنائزہ خمساً وستاً واربعاً حتی قبض النبی ﷺ ثم کبروا کذا لک فی ولایۃ ابی بکر الصدیق ثم ولی عمر بن الخطاب ففعلوا ذالک فقال عمر انکم معشر اصحاب محمد ﷺ متی تختلفون تختلف الناس بعدکم والناس حدیث عہد بالجاهلیۃ فاجمعوا علی شیء یجمع علیہ من بعدکم فاجمع رای اصحاب محمد ﷺ ان ينظروا آخر جنازة کبر علیہا النبی ﷺ حتی قبض فیاخذون به ویرفضون ماسواہ فنظروا فوجدوا آخر جنازة کبر علیہا النبی ﷺ اربعاً وروی الحاکم عن ابن عباس قال آخر ما کبر النبی ﷺ علی الجنائزۃ اربع تکبیرات وکبر عمر علی ابی بکر اربعاً وکبر ابن عمر علی عمر اربعاً وکبر الحسن بن علی علی اربعاً وکبر الحسین علی الحسن اربعاً وکبرت الملائکۃ علی آدم اربعاً سکت علیہ الحاکم ۲ (محمد بن حسن نے روایت کی انہوں نے کہا کہ ہمیں خبر دی امام ابو حنیفہ نے حماد بن ابی سلیمان سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے کہ بے شک لوگ نماز جنازہ میں پانچ، چھ اور چار تکبیریں کہتے تھے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا پھر انہوں نے اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے دور حکمرانی میں تکبیریں کہیں پھر حضرت عمرؓ والی بنائے گئے تو انہوں نے اسی طرح کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم حضرت محمد ﷺ کے صحابہ ہیں اگر تم اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد کے لوگ بھی اختلاف کریں گے لوگ (دور) جاہلیت کے قریب ہیں تم ایک شیء پر اتفاق کر لو اس پر تمہارے بعد والے بھی اتفاق کر لیں گے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ

کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کی آخری جنازہ پر کہی جانے والی تکبیروں کو دیکھا جائے اس کو لے لیا جائے اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جائے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے آخری جنازہ جو پڑھایا تو اس پر چار تکبیریں کہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، حضرت ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، حضرت امام حسنؓ بن علیؓ نے حضرت علیؓ کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، حضرت امام حسینؓ نے حضرت امام حسنؓ کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں حاکم نے اس پر سکوت کیا)

ثبوت مسئلہ کے لئے تو اسی قدر کافی ہے اگر زیادہ تحقیق منظور ہے تو مطولات کتب فقہ خصوصاً فتح القدیر کا مطالعہ کریں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حررہ العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ از گولڑہ

۳۴۔ جمعہ درقریٰ کے جواز کا مسئلہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ و خلفاء عظام و صحابہ کرامؓ کے وقت میں شہر و فناء شہر و قصبات کے سوا جمعہ قائم نہیں ہوا ہے فلہذا استدلال ابو حنیفہؒ بما رواہ عبدالرزاق عن علیؓ قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامعہ و کنار واہ ابن ابی شیبہ من طریق حجاج الخ وروی ایضاً بسند صحیح حدثنا جریر عن منصور الخ (عبدالرزاق نے سیدنا علیؓ سے روایت کی کہ جمعہ اور تکبیرات تشریق صرف شہر میں ہی ادا ہو سکتے ہیں اسی طرح ابن ابی شیبہ نے حجاج کے طریقہ سے روایت کیا ہے اسی طرح سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے حدیث جریر عن منصور الخ) اور جو لوگ قیام جمعہ بجولٹی سے گاؤں میں جمعہ درست ہونے کی سند لاتے ہیں وہ صحیح نہیں اس واسطے کہ پہلے

۱۔ مصنف عبدالرزاق، ص ۱۶۷ جلد ثالث باب القری الصغار مکتبہ اسلامیہ بیروت ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ص ۱۰، کتاب الجمعہ المجلد الثانی دار الفکر بیروت

یہی امر قابل تسلیم نہیں کہ جو اُٹی قریہ ہے کیونکہ محققین نے مدینہ یعنی شہر بیان کیا ہے اور بشرط تسلیم اس کا ثبوت کہاں سے ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو قیام بجو اُٹی کی خبر ہوئی اور آپ نے اس کو قائم رکھا اس لئے کہ حدیث اس سے ساکت ہے و نیز باوجود تعمیم آیہ کریمہ فاسعوا الی ذکر اللہ حضرت علیؑ کا بعض اماکن میں قیام جمعہ کا اختصاص فرمانا مرفوعیت حدیث کی دلیل ہے کیونکہ خلاف قیاس قول صحابی کا وقوع ممکن نہیں ہے مگر بوقت سماع حدیث سرور کائنات ﷺ۔ علاوہ ازیں یہ آیہ کریمہ اپنے عموم پر تو بالاتفاق باقی نہیں ہے اس واسطے کہ کوئی شخص اقامت جمعہ فی البراری والصحرا کا قائل نہیں ہے۔ پس جب آیہ کریمہ اپنے اطلاق پر باقی نہ رہی تو ضرور خصوصیت مکان اقامت جمعہ کے لئے ضروری ہوئی وہو المراد۔

حرره العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ اللہ

(یہ مسئلہ دوبارہ کسی پیر بھائی کی طرف سے پیش ہوا تو حضور قبلہ عالم نے یہ جواب بدست خود تحریر فرمایا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

میں خفی المذہب ہوں جس کی رو سے جمعہ قرئی میں پڑھنا جائز نہیں امصار میں بھی حکومت نصاریٰ میں احتیاطی پیشیں پڑھتا ہوں یعنی جمعہ فرض کر کے پڑھا جاوے اور بعد ازاں ظہر بھی احتیاطاً۔ میری نسبت الزام مندرجہ بالا تحریر کا منشاء بغیر از نا فہمی یا عمد اُفتراء کے سوا کچھ نہیں۔ سیال شریف میں بعہد ہمارے حضرت اعلیٰ خواجہ محمد شمس الدین صاحب کے جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ مکہ معظمہ زاد ہا اللہ شرفاً میں جناب فخر العلماء مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی نے بعد استفسار مسئلہ ہذا ازیں بے ہیچ جواباً میری اس رائے مسطورہ بالا سے اپنی رائے کا اتفاق ظاہر فرمایا تھا۔ ہذا ما عندی والعلم عند اللہ۔ مسئلہ ہذا کی مالہا و ما علیہا بالمشافہ عرض کی جاسکتی ہے زیادہ تحریر کی فرصت نہیں۔

العبد

الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۳۵۔ اسی مسئلہ پر حضرت قبلہ عالم کی ایک اور تحریر

قدوة العارفين وزبدة المحققين جناب حضرت مولانا و مرشدنا دام الله فيوضاتهم
آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے کہ ہم ایک قریہ میں نماز جمعہ کی فرض ادا کرتے ہیں۔ باعث وجدان شروط
ادا کے مطابق ان روایات فقہیہ کے جو ذیل میں درج ہیں آیا ہم سب ادا جمعہ کے مقلد ہیں یا نہ۔ بینو المبین
الصواب توجروا عند الله في يوم المآب قد وقع الاختلاف في الشرطين احديهما
السلطان ان امكن وان لم يمكن فالواجب عليهم نصب امام الجمعة كما في الشامي
شرطية وجود السلطان يسقط عند الضرورة فاذا لم يكن خليفة ولا امير واجتمعت العامة
على تقديم رجل للخطبة والامامة جاز (عصام) ۱ (شرطین میں اختلاف واقع ہوا، ان دو میں سے
ایک، سلطان اگر ممکن ہے اگر ممکن نہ ہو تو امام جمعہ کا مقرر کرنا ان پر واجب ہے جیسا کہ شامی میں ہے کہ بادشاہ
کے موجود ہونے کی شرطیت ضرورت کے وقت ساقط ہو جاتی ہے جب خلیفہ اور امیر نہ ہو اور عوام خطبہ اور
امامت کیلئے کسی آدمی کے آگے کرنے پر اتفاق کر لیں تو جائز ہے) قال القهستاني في جامع الرموز ان
شرطية السلطان اذا امكن استيدانه والافا لسلطان ليس بشرط فلو اجتمعوا على رجل
وصلوا جاز كما في الجلالی وغیرہ۔ انتہی ۲ (جامع الرموز میں قہستانی نے کہا کہ سلطان کا شرط
ہونا ہے جب اس سے اجازت لینا ممکن ہو، ورنہ سلطان شرط نہیں، اگر ایک آدمی پر اتفاق کر کے نماز پڑھیں تو
جائز ہے۔ جیسا کہ جلالی وغیرہ میں ہے) وقال في الدر المختار (نصب العامة) الخطيب غير
معتبر مع وجود من ذكر وامامهم فيجوز للضرورة ۳ وفي المحيط هذا الشرط
يسقط عند الضرورة فاذا لم يكن خليفة ولا امير اجتمعت العامة على تقديم رجل للخطبة
والامامة جاز ۴ اور یہی مفاد ہے فتح القدیر والبحر الرائق وعالمگیری ورد المختار ومعراج الدراية وغیرہ جن کی تعداد تیس
(۳۰) کتب تک ہے وثانیہا المصر وهو کل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود ۵
قال الطحاوی فی حواشی مراقی الفلاح مجیباً عن تزییف صدر الشریعة قوله ينفذ الاحكام

۱۔ البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۱۹، دار احیاء التراث العربی بیروت (المختص)
۲۔ جامع الرموز کتاب الصلوة باب صلوة الجمعة، ج ۱، ص ۲۶۳، مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران

۳۔ در مختار کتاب الصلوة باب الطہارۃ، ج ۱، ص ۱۱۰، ایچ ایم سنز کراچی
۴۔ حاشیہ رد المحتار شرح تنویر الابصار، ج ۲، ص ۱۵۵، دار الفکر بیروت (المختص)

و یقیم الحدود والمراد بها القدرة على ذلك كما صرح به في التحفة عن الامام وقال العلامة نوح افندی دفع الظلم عن المظلومين ليس بشرط في تحقق المصرية بل الشرط في تحققها القدرة على الدفع ومما يدل على عدم اشتراط الدفع بالفعل ان جماعة من الصحابة صلوا خلف الحجاج وهو اظلم خلق الله تعالى ولو كان الاخلال بتنفيذ الاحكام مخلا لكون البلاد مصراً على الذي هو ظاهر الرواية للزم ان لا تصح الجمعة في بلدة من بلاد الاسلام في هذا الزمان بل في ما قبله من الازمان فتعين كون المراد الاقتدار على تنفيذ الاحكام (رد المحتار) ۲ (علامہ نوح آفندی نے کہا مظلوموں سے ظلم کا دفاع کرنا مصریت کے تحقق میں شرط نہیں بلکہ اس کے تحقق کی شرط دفع پر قدرت ہے۔ بالفعل دفع کی شرط نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت حجاج کے پیچھے نماز پڑھ لیتی تھی حالانکہ وہ مخلوق خدا میں سب سے بڑا ظالم تھا۔ اگر احکام کے تنفذ کا نہ ہونا شہروں کے مصر ہونے میں مغل ہو تا جو ظاہر روایت میں ہے تو لازم آتا کہ اس زمانے میں کسی اسلامی شہر میں جمعہ درست نہ ہوتا بلکہ اس سے پہلے زمانوں میں بھی۔ پس متعین ہوا کہ مراد احکام کے نافذ کرنے پر قدرت ہے) اذا علمت هذا فاعلم اذا تسلط الكفار على بلدة من بلاد المسلمين فلا يجوز للمسلمين ترك الجمعة والاعياد لفقدان القاضي والامير الذين يقدران على تنفيذ الاحكام واقامة الحدود بل يجب عليهم ان يتفقوا على رجل منهم فيقيم بهم الجمعة والاعياد وهذا الرجل الذي اتفقوا عليه يكون في حكم القاضي قال في الدر المختار ۳ (جب تو نے یہ جان لیا تو معلوم ہو کہ کفار جب مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر مسلط ہو جائیں تو قاضی اور امیر کے احکام کے نافذ کرنے اور حدود کو قائم کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو نماز جمعہ اور عیدین چھوڑنا جائز نہ ہوگا بلکہ ان پر واجب ہوگا کہ اپنے میں سے ایک آدمی پر اتفاق کر لیں جو ان کو عیدین اور جمعہ کی نماز پڑھائے اور جس پر ان کا اتفاق ہو وہ آدمی قاضی کے حکم میں ہوگا) لو فقد وال بغلبة الكفار وجب على المسلمين تعيين وال وامام الجمعة (فتح) (اگر غلبہ کفار کی وجہ سے والی نہ ہو تو والی اور امام جمعہ کا تقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے) وفي البزازية اما البلاد التي عليها

۱۔ طحاوی علی الراتی کتاب الصلوة باب الجمعة، ص ۵۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۔ رد المحتار (شامی) کتاب الصلوة باب الجمعة، ج ۲، ص ۱۳۹، دار الفکر بیروت

۳۔ در مختار کتاب القضاة، ج ۲، ص ۷۳، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ولاء کفار فیجوز فیہا ایضاً اقامۃ الجمع والا عیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین انتہی۔ (بزازیہ میں ہے وہ شہر جہاں کافر حکمران ہوں وہاں بھی جمعہ اور عیدین اور قاضی کا تقرر مسلمانوں کی باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے) ہکذا فی الفتح والبحر والتاتارخانیہ ومعراج الدرایہ ومجمع الفتاویٰ والفتاویٰ الہندیہ والغیاثیہ والبرزازیہ وخزانۃ الروایات والفصول العمدی وغیرہ ذالک من کتب الفقہ۔ (فتح، بحر، تاتارخانیہ، معراج الدرایہ، مجمع الفتاویٰ، فتاویٰ ہندیہ، غیاثیہ، بزازیہ خزانۃ الروایات، الفصول العمدی وغیرہ کتاب فقہ میں اسی طرح ہے) فعلى هذه الروایات کل موضع اجتمع المسلمون علی رجل یصلی بہم فهو قاض والموضع مصر وبهذا المعنی لا توجد بلدة ولا قرية صغيرة ولا كبيرة الاوتصح فیہا اقامة الجمعة فان الرجل المنسوب من جهة عامة المسلمین فی مسجد من المساجد الذی ہو فی حکم القاضی حسب هذه الروایۃ بتراضی المسلمین علی ذالک الرجل لیس بمفقود فی البلاد ولا فی القرى فی دیارنا الا ما شاء اللہ فالوضع الذی فیہ امام منصوب من جهة العامة مصر یجوز فیہا الجمعة کما یفہم من شیخ الاسلام وعبارتہ ہکذا ان کان بین المصر و بین القرى مسافة الفرسخ فہم مخیرون فی ان یاتوا الی المصر لا دائھا و بین ان یصلوا فی مواضعہم کما فی الفتاویٰ الظہیریہ (شیخ الاسلام) وفیہ ایضاً ان القرية الكبيرة فی حکم المصر وہی التی مافوق ثلثین بیتاً فتویٰ جلالی۔ فقط (ان روایات کے مطابق ہر وہ جگہ جہاں مسلمان ایک آدمی پر متفق ہو جائیں جو ان کو نماز پڑھائے وہ قاضی ہے اور وہ جگہ مصر۔ اس معنی کے اعتبار سے ہر چھوٹے بڑے شہر اور بستی میں اقامت جمعہ درست ہوگی۔ بے شک مساجد میں مسلمانوں کی طرف سے مقرر کردہ جو آدمی قاضی کے حکم میں ہے وہ ہمارے ملک کے شہروں اور بستیوں میں مفقود نہیں ہے الا ماشاء اللہ۔ وہ جگہ جس میں عوام کی طرف سے امام مقرر ہو وہ مصر ہے اس میں جمعہ جائز ہے جیسا کہ شیخ الاسلام سے مفہوم ہے اسکی عبارت یہ ہے ”اگر شہر اور دیہاتوں کے درمیان ایک فرسخ کی مسافت ہو تو ان کو اختیار ہوگا کہ وہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے شہر میں آئیں یا اپنی جگہوں میں نماز پڑھیں جیسا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے۔ (شیخ الاسلام) نیز اس میں ہے کہ بڑی بستی جس کے میں گھر ہوں حکم مصر میں ہے (فتویٰ جلالی)

محمد صفی اللہ از ہڑیالہ

۱۔ البحر الرائق کتاب القضاء باب تقلید القضاء من السلطان العادل والجار۔ دار احیاء التراث بیروت (المختص)

ھوالمصوب

جناب مولوی محمد صفی اللہ صاحب آپ کا فتویٰ دربارہ اقامۃ الجمعۃ فی القرئی میں نے دیکھا۔ اس میں جو روایات فقہ آپ نے نقل فرمائی ہیں۔ ان میں سے پہلی روایتوں کا مفاد تو صرف اس قدر ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے شرطیت سلطان بوقت امکان استیذان سلطان ہے۔ والا وجود سلطان شرط نہیں۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ سلطان کے قائم مقام خطبہ امامت کے لئے کسی لائق شخص کو تجویز کریں اور روایات ثانیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق مصریت کے لئے حاکم میں اقتدار علی تنفیذ الاحکام ہونا چاہئے، بالفعل تنفیذ احکام ضروری نہیں۔ ونیز جن شہروں پر ولایۃ کفار کا غلبہ ہو گیا ہو وہاں کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اقامت جمعہ و اعیاد کیلئے کسی عالم کو اپنا والی و قاضی مقرر کر کے جمعہ وغیرہ ادا کریں۔ پس میں ان روایات فقہیہ کو بسر و چشم بہت خوشی کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں مگر اس پر جو آپ نے تفریع فرمائی ہے کہ فعلى هذه الروایات كل موضع اجتماع فيه المسلمون على رجل یصلی بهم فهو قاض والموضع مصر وبهذا المعنى لا توجد بلدة ولا قرية صغيرة ولا كبيرة الا وتصح فيها اقامة الجمعة یہ قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس واسطے کہ تعریف مصر میں موضع سے مراد موضع خاص ہے جس کو بلدہ و مدینہ و قریہ کبیرہ و قصبہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے نہ موضع عام کہ آبادی وغیر آبادی کو بھی شامل ہو کما لا تخفى۔ پس جبکہ تعریف مصر میں موضع سے موضع خاص مراد ہو تو پھر اس خاص پر آپ کی تفریع عام کا ترتیب کس طرح متصور ہو سکتا ہے ونیز آپ کی دوسری تفریع کہ فالموضع الذی لم ینصب فيه امام من جهة المسلمين قرية لا تجوز فيها الجمعة الا بعد النصب والتقرر والتراضی۔ والموضع الذی فيه امام منصوب من جهة العامة مصر تجوز فيها الجمعة بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ہر موضع و مقام میں امام مقرر کرنے سے تحقق مصریت نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اور نہ عدم تنصیب امام کی وجہ سے مصر قریہ بن جاتا ہے اور عبارت شیخ الاسلام ان بین المصر والقری مسافة فرسخ فهم مخیرون فی ان یاتوا الی المصر لا دائها و بین ان یصلوا فی مواضعهم کا صرف اس قدر مطلب ہے کہ اہل قرئی مخیر ہیں خواہ مصر میں آکر جمعہ ادا کریں یا اپنی جگہ پر ظہر پڑھ لیا کریں و ایضاً تعریف قریہ کبیرہ بعبارة شیخ الاسلام ان القریة الكبيرة فی حکم المصر وہی التي مافوق ثلثین بیتاً خلاف تصریحات فقہاء و محدثین ہے خواہ آپ کریں یا شیخ الاسلام۔

اس واسطے کہ قریہ کبیرہ تو آپ کے نزدیک بھی حکم مصر کے ہے اور مصر کے اہلیہ کا اندازہ تو صاحب بحر نے منیٰ کے ساتھ فرمایا ہے اور علامہ ابن حجر وغیرہ شارح بخاری شریف نے جدہ کے مثل بتلایا ہے۔ چنانچہ بحر میں مرقوم ہے اسقط فی الظہیریۃ الامیر۔ فقال المصر فی ظاہر الروایۃ ان یکون فیہ مفت وقاض یمیم الحدود وینفذ الاحکام وبلغت ابنیتھا ابنیۃ منیٰ (ظہیریہ میں امیر کو ساقط کیا اور کہا کہ ظاہر روایت میں مصر (کی تعریف یہ ہے) کہ اس میں مفتی اور قاضی ہو جو حدود کو قائم اور احکام کو نافذ کرے اور اس کی عمارتیں منیٰ کی عمارتوں تک پہنچیں) اور علامہ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں وزاد عبد الرزاق فی هذا الاثر عن ابی جریح ایضاً قلت لعطاء ما القرية الجامع قال ذات الجماعة والامیر والقاضی والدور المجتمعة الآخذ بعضها ببعض مثل جدة ۲ (عبد الرزاق نے اس اثر میں ابو جریح سے یہ زیادہ کیا کہ میں نے عطاء سے عرض کی کہ جامع قریہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جماعت، امیر، قاضی اور مجتمع گھروں والے جدہ شہر کی طرح) پس کیا آپ کے نزدیک جدہ اور منیٰ کی عمارتوں کی تعداد تیس (۳۰) پینتیس (۳۵) تک ہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ کا مدعا عام یعنی اقامت جمعہ فی جمیع الامکنہ ہے اور روایات فقہیہ جو بطور دلیل اپنے ثبوت مدعا کے لئے آپ نے نقل فرمائی ہیں۔ وہ مثبت اقامت جمعہ بہ محل خاص یعنی امصار کے ہیں اور ثبوت مدعا عام بدلیل خاص کا بطلان اظہر من الشمس ہے جس کے تسلیم کرنے سے آپ کو بھی گریز ممکن نہیں۔ پس ان روایات فقہیہ سے آپ کے مدعا عام اقامت جمعہ فی جمیع الامکنہ کا ثبوت بالکل ناممکن ہے۔ ہاں خواہ مخواہ ”ایجاد بندہ گرچہ باشد گندہ“ کا پیرو ہو کر محض لفظ ”موضع“ سے بلا ربط و مناسبت کلام اقامت جمعہ فی جمیع الامکنہ کا استدلال پکڑنا اہل ظواہر سے ممکن ہے مگر درحقیقت انصاف کے بالکل خلاف اور شان علم سے سراسر بعید ہے اور تعامل نبوی ﷺ وخلفاء اربعہ وصحابہ وائمہ کے سراسر مخالف ہے۔ جناب من آپ کے رفع شکوک کے لحاظ سے اس اجمال کی قدرے تفصیل کرتا ہوں اور مختصر طور پر بقدر ضرورت مسئلہ اقامت جمعہ کی وضاحت کئے دیتا ہوں۔ اس کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیے گا اور حضرات احناف کی نسبت جو بے جا قیود دربارہ اقامت جمعہ کا خدشہ آپ کے مرکوز خاطر ہو رہا ہے اس کو دور کیجئے گا وہی ہندہ۔

واضح ہو کہ صلوٰۃ جمعہ مکلف بکیفیات مخصوصہ و خصوصیات خاصہ ہے۔ صلوٰۃ خمسہ کی طرح ہر جگہ و ہر مکلف پر اس کی ادائیگی واجب و ضروری نہیں۔ جس طرح ہر فرد اہل یان اسلام پر اس کا وجوب نہیں ہے۔ اسی

طرح ہر ممکنہ میں اس کی اقامت درست نہیں ہے اس واسطے کہ آیہ فرضیت جمعہ میں کوئی لفظ عموم محل پر دل نہیں بلکہ تخصیص و تعمیم مکانی دونوں سے آیہ فرضیت ساکت محض ہے۔ اس آیت کو عموم امکانہ پر حجت و دلیل فرمانا مجتہدین زمانہ حال ہی کا کمال ہے۔ باقی عدم ذکر تخصیص مکانی کو عموم امکانہ پر دل بنانا بعینہ ایسا ہے جیسے کوئی عدم ذکر تعمیم کی وجہ سے آیہ فرضیت جمعہ کو تخصیص محل کیلئے حجت بنانے لگے اور عدم عموم افراد کی نسبت فقہاء کرام و محدثین اہل ظواہر سب قائل ہیں۔ کیونکہ احادیث میں خود استثناء موجود ہے۔ چنانچہ طبرانی میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے خمسة لا جمعة عليهم المرأة والمسافر والعبد والصبي واهل البادية (پانچ ہیں جن پر جمعہ نہیں عورت، مسافر، غلام، بچہ اور دیہاتی) اور ابوداؤد میں مروی ہے الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة الا اربعة عبد مملوك او امرأة او صبي او مريض (جماعت کے ساتھ جمعہ چار کے سوا ہر مسلمان پر حق اور واجب ہے۔ مملوک غلام، عورت، بچہ یا مریض) اور حجة اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں لما روی من طریق شتی یقوی بعضها بعضاً خمسة لا جمعة عليهم وعد منهم اهل البادية (یہ روایت مختلف طریقوں سے روایت کی گئی۔ جو بعض، بعض دوسرے کی تائید اور تقویت کرتے ہیں۔ پانچ ہیں جن پر جمعہ نہیں اور ان میں اہل بادیہ دیہاتی بھی شامل ہیں) اسکے علاوہ اور تخصیصات کے بھی محدثین قائل ہیں باوجودیکہ پیاس مذہب خود جواز اقامۃ جمعہ فی القری کے بھی ماننے والے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر تلخیص میں تحریر فرماتے ہیں وقال ابن المنذر لم یختلف الناس فی ان الجمعة لم تکن تصلی فی عہد النبی ﷺ وفی عہد الخلفاء الراشدين الا فی مسجد النبی ﷺ وفی تعطیل الناس مساجدہم یوم الجمعة واجتماعہم فی مسجد واحد ابین البیان بان الجمعة خلاف سائر الصلوة وانہا لا تصلی الا فی مکان واحد (ابن المنذر نے کہا کہ اس بات میں لوگوں کا اختلاف نہیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں جمعہ صرف مسجد نبوی میں ہی پڑھا جاتا تھا۔ جمعہ کے دن لوگوں کا اپنی مساجد کو معطل کرنا اور ایک ہی مسجد میں جمع ہونا واضح بیان ہے کہ جمعہ باقی نمازوں سے مختلف ہے اور وہ صرف ایک ہی جگہ میں پڑھا جائے گا) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجة اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں وقد تلقت الامة

ابوداؤد شریف ص ۱۶۰، ج ۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲

طبرانی ص ۱۶۲، الجزء الاول مکتبہ المعارف الریاض۔

۱

تلخیص ابن حجر کتاب الجمعة، ج ۲، ص ۱۳۶۔ مکتبہ عباس احمد الباز مکہ المکرمہ

۳

حجة اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۲۳۲ مطبوعہ قومی کتب خانہ لاہور

۲

تلقیا معنویا من تلقی لفظہ انه یشرط فی الجمعة الجماعة ونوع من التمدن وکان النبی ﷺ وخلفاءہ والائمة المجتہدون یجمعون فی البلدان ولا یواخذون اهل البدو بل ولا یقام فی عہدہم فی البدو ففہموا من ذالک قرنا بعد قرن وعصر ابعده عصر انه یشرط لها الجماعة والتمدن اقول وذاک لانه لما کان حقیقة الجمعة اشاعة الدین فی البلد وجب ان ینظر الی تمدن وجماعة (امت نے اس کو معنوی طور پر قبول کیا کہ جمعہ میں جماعت اور تمدن کی ایک قسم شرط ہے نبی کریم ﷺ آپ کے خلفاء اور ائمہ مجتہدین شہروں میں جمعہ ادا کرتے تھے اور دیہاتیوں کا نہ آنے میں مواخذہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے عہد میں دیہاتوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا اس سے ہر زمانہ میں یہی سمجھا گیا کہ اس کے لیے جماعت اور تمدن شرط ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اس وجہ سے ہے کہ جب جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے تو واجب ہے کہ تمدن اور جماعت کو دیکھا جانا چاہیے) ان روایات مذکورہ بالا سے اتنا تو بخوبی ظاہر ہو گیا کہ صلوٰۃ جمعہ کی کیفیت صلوٰۃ خمسہ کی طرح نہیں اور نہ آیت فرضیت جمعہ اپنے عموم افراد پر ہے اور تعمیم تخصیص مکانی سے تو خود ہی ساکت ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بہت سے احکام و اخبار بظاہر عام معلوم ہوتے ہیں مگر دراصل ان کے مامور و مخبر بہ خاص ہوتے ہیں مثلاً آیت ان الذین کفروا سواء علیہم انذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون ۲ (بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان پر برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے) میں بلحاظ لفظ موصول خبر عام ہے۔ مصرین وغیر مصرین علی الکفر دونوں کو شامل معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں مخبر بہ اس کا خاص ہے کہ وہ اوّل ہی سے معدودے چند افراد مثل ابولہب، ابو جہل وغیرہ اس سے مراد ہیں۔ ورنہ آیہ مذکورہ خلاف واقعہ ہو جائے گی اور کلام الہی میں کذب لازم آئے گا اس واسطے کہ ہزاروں کافر حضرت سرور کائنات ﷺ کی تبلیغ احکام کی بدولت مسلمان ہوئے۔ پس لامحالہ اس خبر کے مخبر بہ مصرین علی الکفر ہی لینا پڑیں گے اور غیر مصرین علی الکفر پہلے ہی سے خارج سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح آیت فرضیت جمعہ اور دیگر عموماً و اطلاقات واردہ احادیث کو جو دربارہ حکم جمعہ وارد ہوئی ہیں ان کو اوّل ہی سے مخصص تسلیم کیا جائے گا۔ اور ان عموماً و اطلاقات نصوص کے مخاطب و مکلف وہی حضرات تصور کئے جائیں گے جو بارشاد و تعامل حضرت سرور کائنات ﷺ مخصوص بفرضیت جمعہ ہو چکے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جیسے آیت اوّلیٰ میں مخبر بہ خاص تھے۔ ویسے ہی نصوص جمعہ میں مکلف و مامور خاص ہیں۔ ورنہ

ارشاد نبوی ﷺ و تعامل آنحضرت ﷺ و جملہ صحابہ کی سراسر مخالفت لازم آئے گی اس واسطے کہ روایات صحیحہ معتبرہ و اقوال و مسلمات علماء امت سے یہ امر پوری طرح مسلم و محقق ہو چکا ہے کہ فرضیت نماز جمعہ کی مکہ معظمہ میں بذریعہ وحی قبل ہجرت نبوی ﷺ ہو چکی تھی مگر غلبہ کفار کی وجہ سے جناب سرور کائنات ﷺ کو مکہ معظمہ میں اقامت جمعہ کی قدرت حاصل نہ تھی۔ بدیں وجہ اقامت جمعہ سے معذور رہے مگر اہالیانِ مدینہ طیبہ کو اقامت جمعہ کا حکم فرمایا اور حسب الحکم مدینہ منورہ میں تا مقدم حضرت سرور کائنات ﷺ برابر جمعہ جاری رہا۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ تو اول آپ کا نزول قباء میں پیر کے روز ہوا۔ اور بروایت بخاری شریف چودہ روز قباء میں آپ ﷺ کا قیام رہا۔ ان ایام میں دو جمعہ آنحضرت ﷺ کو قباء میں پیش آئے۔ مگر آپ ﷺ نے قباء میں اقامت جمعہ نہ فرمائی اور نہ اہل قباء کو اقامت جمعہ کا حکم دیا اور نہ اس پر سرزنش کی کہ مدینہ منورہ میں برابر جمعہ ہوتا ہے تم نے اب تک کیوں نہیں جمعہ قائم کیا ہے حالانکہ قباء اور دیگر عوالی و منازل میں مسلمان بکثرت موجود تھے۔ حضرت سرور کائنات ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے۔ پھر بھی اہالیانِ قباء و دیگر عوالی و منازل کے لئے حضرت سرور کائنات ﷺ نے کوئی حکم اس بارہ میں نہ فرمایا ہاں یہ لوگ نوبت بنوبت ادائے جمعہ کے لئے آیا کرتے تھے چنانچہ احادیث میں مروی ہے۔

نمبر ۱۔ کان الناس يتناوبون الجمعة من منازلهم ومن العوالي۔

(لوگ باری باری جمعہ کی نماز کے لیے اپنے گھروں اور عوالی سے آیا کرتے تھے)

نمبر ۲۔ ان رسول الله ﷺ جمع اهل العوالی فی مسجده يوم الجمعة ۲

(بے شک رسول اللہ ﷺ نے عوالی والوں کو جمعہ کے دن اپنی مسجد میں اکٹھا کیا)

نمبر ۳۔ ان اهل القباء كانوا يجتمعون مع رسول الله ﷺ يوم الجمعة ۳

(بے شک قباء والے جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اکٹھے ہوتے تھے)

پس اس سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اگر قباء اور دیگر عوالی و منازل محل اقامت جمعہ ہوتے اور

وہاں کے باشندوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہوتا تو ضرور آنحضرت ﷺ اقامت جمعہ کا حکم فرماتے (بصورت اول)

اور سب کو حکم کرتے کہ یہاں مدینہ منورہ میں آکر جمعہ ضرور ادا کیا کرو (بصورت ثانیہ) حالانکہ حضور ﷺ نے

۱۔ ابی داؤد باب من سجد علیہ الجمعہ، ج ۱، ص ۱۵۸، مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۔ عون المعبود، ج ۳، ص ۳۸۰، مکتبہ السلفیہ المدینہ المنورہ

۳۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۱۷۵، دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن

اپنی حیات مبارک میں کبھی ان کو اقامتِ جمعہ کا حکم نہیں فرمایا اور نہ زمانہ خلافت میں ان پر کوئی تازہ حکم اس بارہ میں نافذ ہوا۔ باوجودیکہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ ہمیشہ لوگوں کو ترغیبِ جمعہ فرماتے تھے اور ترکِ جمعہ سے ڈراتے تھے۔ اور اہل عوالی و منازل اس بیان کو اچھی طرح سنتے تھے۔ مگر کسی نے ایک دفعہ بھی کسی قریہ میں جمعہ قائم نہیں کیا اور نہ رسول مقبول ﷺ نے اپنے تمام زمانہ حیات میں ان میں سے کسی کو حکمِ اقامتِ جمعہ یا وعید ترک کا مخاطب بنایا۔ تو اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی و منازل بالیقین جانتے تھے اور اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اہل قریٰ ان امور کے مکلف و مخاطب ہی نہیں ہیں اور اہالیانِ قریٰ تاکید و وعید سے بالکل مستثنیٰ و خارج ہیں اور حکمِ فرضیتِ جمعہ اہل امصار کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ کیا وجہ کہ تمام مدت حیات نبوی ﷺ اور زمانہ خلافت میں کبھی کسی قریہ میں نوبتِ اقامتِ جمعہ وقوع میں نہیں آئی۔ اب اگر فرضیتِ جمعہ مخصوص بہ اہالیانِ امصار فرض نہ کی جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا اہل منازل و عوالی کو تارکِ فرض قطعی تصور کرنا پڑے گا یا العیاذ باللہ حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ والتسلیم کو تارکِ حکم بلغ ما انزل الیک من ربک (آپ پہنچا دیں وہ جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا) تسلیم کرنا پڑے گا اور اس کی تسلیم میں جو کچھ خرابی ہے وہ مخفی نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ

خلاصہ اس دردسری کا یہ ہے کہ فرضیتِ جمعہ کے ساتھ اہالیانِ امصار مکلف ہیں اور اہل قریٰ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ فقہاء کرام نے تعامل سرورِ کائنات ﷺ و خلفاء و جملہ صحابہ گویا ظفرِ ماکر ادا لے لئے یہ قیودات لگائی ہیں، محض اپنا من گھڑت نہیں ہے۔ اس بارہ میں پوری طرح غور و فکر کرنے سے مضمون اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ عن علی قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع (حضرت علیؑ نے فرمایا جمعہ اور تشریق صرف مصر جامع ہی میں ہے) و مضمون اثر حذیفہ عن حذیفہ قال لیس علی اهل القرى جمعة انما الجمع علی اهل الامصار مثل المدائن (حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا دیہاتیوں پر جمعہ فرض نہیں ہے جمعہ تو صرف مدائن جیسے شہروالوں پر ہے) کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے اور یہی حق ہے و بس۔ واللہ اعلم بالصواب ط

العبد الملتجى الى الله المدعو بمهر علی شاه عفی عنه ربه بقلم خود از گولڑہ

۳۶۔ رویتِ ہلال، تعدادِ تراویح، فرضیتِ جمعہ و عیدین، تکبیراتِ جنازہ اور نماز میں قیام کے دوران ہاتھ باندھنے کے متعلق سوالات اور ان کے جوابات

استفتاء

چہ مے فرمایند علماء دین در باب ہذہ المسائل کہ شخصے غیر معتبر بشرع باشتباہ بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان شب چہار شنبہ ماہ عید الفطر دید و دیگران بقدر دو یا سہ مردمان نیز دیدہ اند و فی الواقع ماہ عید الفطر نہ بود۔ و علاوہ ایں ہمہ جاہلانند چوں فجر شد آنانکہ روزہ دار بودند مسمی مذکور حتی المقدور کوشش نمودہ روزہ داران را افطار کنانید۔ پس التماس است کہ برین مفطران صوم در شرع شریف کفارہ روزہ آید یا قضاء؟

مسئلہ ثانیہ:۔ چہ باعث است کہ صلوٰۃ الوتر در ماہ رمضان بجماعت میخوانند و در باقی ماہ بالغیر از جماعت؟

مسئلہ ثالثہ:۔ بست رکعت تراویح در کتب معتبرہ مرقوم است و حضرت ﷺ چند رکعت تراویح خواندہ اند و چہ ساں حکم فرمودہ؟

مسئلہ رابعہ:۔ نماز جمعہ و عیدین کہ فی زماننا فرض و واجب نیندا اگر خواندہ شوند بچہ ترتیب خوانند؟

مسئلہ خامسہ:۔ نماز جمعہ کہ فی زماننا فرض نیست بجماعت مے خوانند و نماز ظہر بعد الجمعہ کہ فرض موقت است بے جماعت خوانند؟

مسئلہ سادسہ:۔ فرقہ شیعہ مے گوید کہ جناب علیؑ بوقت غسل دادن رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم آب از ناف و چشم رسول ﷺ بیا شامید در اں وقت موئے ہا از لب حضرت علیؑ زندہ گشتند، بعد از اں موئے ہا قطع نہ کردند ایں قول صحیح است یا نہ؟

مسئلہ سابعہ:- ثبوت وضع الید علی الید تحت السرة وتردید ارسال نمایند کہ فعل روافض است؟

مسئلہ ثامنہ:- ثبوت چہار تکبیر جنازہ وتردید پنج تکبیر جنازہ کہ روافض مے کنند؟

الجواب ہوا الصواب

جواب سوال اول:- دریں صورت بوجہ شبہ رویت وباشتباہ اباحت برہمکنای قضاء لازم آید نہ کفارہ۔ زیرا کہ مخطی ومعدور دریں باب مساوی اند وچوں برخطی صرف قضاء لازم آید برمعدور بدرجہ اولیٰ ہمیں آید و برائے فساد صوم قضاء است یا کفارہ علاوہ ازیں دیدہ نشدہ۔ وچوں کفارہ بسبب شبہ الرویت وغیرہ ساقط گردیدہ بعدہ قضاء محض بذمہ اش باقی ماندہ۔ چنانچہ در عالمگیریہ است رجل رأى هلال الفطر وشهد فلم تقبل شهادته عليه ان يصوم فان افطر ذاك اليوم كان عليه القضاء دون الكفارة ۱ کذا فی فتاویٰ قاضی خان ولو شهد هذا الرجل عند صدیق له فاكل لا كفارة عليه ان صدقه كذا فی الفتح ۲ (ایک آدمی نے عید الفطر کا چاند دیکھا اور اس نے شہادت (گواہی) دی تو اس کی گواہی قبول نہ ہوئی تو ایسے شخص پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ اگر اس نے اس دن کا روزہ نہ رکھا تو اس پر قضا لازم ہوگی نہ کہ کفارہ۔ فتاویٰ قاضی خان میں اسی طرح ہے اور اگر اس آدمی نے اپنے دوست کے سامنے (چاند دیکھنے کی) گواہی دی پھر اس دوست نے اس کو سچا جانتے ہوئے کھا، پی لیا (یعنی روزہ نہ رکھا) تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ اسی طرح فتح القدیر میں ہے) ودر البحر الرائق است وهذه الكفارة تدرئی بالشبهات لانها الحقت بالعقوبات باعتبار ان معنى العقوبة فيها اغلب بدليل عدم وجوبها على المعدور والمخطي ۳ (اور شبہات کے ساتھ یہ کفارہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقوبات سے لاحق ہے۔ اس اعتبار سے کہ عقوبہ کا معنی اس میں زیادہ غالب ہے معدور اور مخطی پر واجب نہ ہونے کی دلیل سے) ودر ہدایہ وفتح القدیر ودر مختار ودر المختار و شرح الیاس وقاضی خان وغیرہ وغیرہ ہمیں طور مرقوم است۔ بخوف اطالت کلام ترک نقل جزئیات کردہ شد۔

۱۔ فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، کتاب الصوم الباب الثانی فی رویۃ الہلال، ص ۱۰۱ ۲۔ فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۹۳ مطبوعہ نولکھور

۳۔ البحر الرائق، ج ۲، ص ۳۶۵، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جواب سوال دوم :- مسنونیت جماعت وتر بہ تبعیت جماعت تراویح در رمضان است بفعل

رسول ﷺ و باجماع صحابہ و امہ۔ و جماعت تراویح بدون رمضان یافتہ نشود۔ پس وجود جماعت وتر ہم سوئے رمضان مفقود باشد زیرا کہ عدم متبوع مستلزم عدم تابع است و نیز خلاف اجماع صحابہ و امہ است۔ چنانچہ در شامی است ان الجماعة في التطوع ليست بسنة الا في قيام رمضان. وايضاً في حاشية البحر للخير الرملي علل الكراهة في الضياء والنهاية بان الوتر نفل من وجه حتى وجبت القراءة في جميعها وتودی بغير اذان واقامة والنفل بالجماعة غير مستحب لانه لم يفعله الصحابة في غير رمضان. وايضاً الذي يظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وان كان الوتر نفسه اصلاً في ذاته لان سنة الجماعة في الوتر انما عرفت بالاثار تابعة للتراويح (نفل کی جماعت سوائے قیام رمضان (نماز تراویح) کے سنت نہیں اور علامہ خیر الدین رملی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں الضیاء والنهاية کے حوالہ سے کراہت کی بایں طور تعلیل کی ہے کہ ”وتر“ من وجہ یعنی ایک اعتبار سے نفل ہیں حتی کہ اس کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہوتی ہے اور اذان واقامت کے بغیر ادا کیے جاتے ہیں اور نفل باجماعت پڑھنا مستحب نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرامؓ نے غیر رمضان میں نفل کبھی باجماعت ادا نہیں کیے اور یہ بھی (شامی) میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے اگرچہ وتر خود فی ذاتہ اصل ہیں اس لیے کہ وٹروں میں جماعت کا سنت ہونا تو اثر سے پہچانا گیا ہے جو تراویح کے تابع ہے)

جواب سوال سوم :- مسنونیت تراویح در کتب معتبرہ بست رکعت است۔ بوجہ مواظبت خلفاء

راشدین و اجماع صحابہ۔ چنانچہ در مختار است التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء اجماعاً وهي عشرون ركعة حكمته مساواة المكمل للمكمل بعشر تسليمات ۲ و در البحر الرائق است وفي شرح منية المصلي وحكي غير واحد الا جماع على سنيتها وقد سننهار رسول الله ﷺ و ندبنا اليها واقامها في بعض الليالي ثم تركها خشية ان تكتب على امته كما ثبت ذالك في الصحيحين ثم وقعت المواظبة عليها في اثناء خلافة عمرو و وافقه على ذالك عامة الصحابة كما ورد ذالك في السنن. ثم ما زال الناس من

ذالک الصدر الی یومنا هذا علی اقامتها من غیر نکیر و کیف لا وقد ثبت عنه صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ كما رواه ابو داؤد (در مختار میں ہے خلفاء راشدین کی مواظبت (یعنی ہمیشگی) اور اجماع امت کی وجہ سے نماز تراویح تمام عورتوں مردوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے اور وہ دس سلام کے ساتھ بیس رکعت ہیں۔ مُکَمَّل (نوافل) کی مُکَمَّل (فرائض) کے ساتھ برابری اس کی حکمت ہے اور البحر الرائق میں ہے کہ شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ ایک سے زائد فقہاء نے اس کے سنت ہونے پر امت کا اجماع بیان کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کو سنت بنایا اور ہمیں ان کو ادا کرنے کی طرف بلایا اور چند راتوں میں خود بھی ان کو ادا فرماتے رہے۔ پھر امت پر فرض ہو جانے کے خطرہ سے انہیں چھوڑ دیا جیسا کہ بخاری و مسلم میں یہ ثابت ہوا ہے۔ بعد ازیں سیدنا عمر بن خطابؓ کے عہد خلافت میں اس پر مواظبت (ہمیشگی) واقع ہوئی اور تمام صحابہ کرامؓ نے تراویح کے بیس ہونے پر سیدنا فاروق اعظمؓ سے اتفاق کیا جیسا کہ سنن میں وارد ہوا ہے پھر اس دور سے لے کر ہمارے آج کے دن تک تمام لوگ نماز تراویح بیس رکعت قائم کرنے پر ہمیشہ بلا نکیر عمل پیرا چلے آ رہے ہیں اور ایسا کیونکر نہ ہوتا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ثابت ہے کہ فرمایا ”تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو دانتوں سے اسے مضبوط پکڑے رہو“ (یعنی میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت اور طریقہ پر خوب مضبوطی کے ساتھ قائم و دائم رہو) وازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در باب تعداد رکعت تراویح حکم قولی بسند صحیح و غیر صحیح وارد شدہ اما تعداد رکعت فعلی مختلف الاحوال وارد اند۔

جواب سوال چہارم و پنجم: اقامت جمعہ در بلاد ہندوستان کہ تحت حکومت نصاریٰ است

فرض است اگرچہ حاکم ایں بلاد کافر است زیرا کہ بعض حکومت کفار بلاد اسلام دار الحرب نمیکرد و تا وقتیکہ جمیع شرائط دار الحرب بر او صادق نیامد و بریں ملک تعریف دار الحرب صادق نئے آید، و چوں تعریف دار الحرب صادق نیامد دار الاسلام باقی ماند۔ چنانکہ بحل خود مصرح است چنانچہ در عالمگیری یہ است بلاد علیہا ولایة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة فیہا. وایضاً لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بہم الجمعة جاز ۲ (ایسے علاقے یا وہ شہر جہاں کفار حاکم ہوں تو وہاں پر مسلمانوں کو جمعہ قائم کرنا جائز ہے نیز یہ کہ اگر امام سے استیذان (یعنی اجازت لینا) دشوار ہو گیا اور لوگ ایسے

۱۔ البحر الرائق، ج ۲، ص ۶۶ کتاب الملقط مطبوعہ مکتبہ مجیدی کانپور ۲۔ فتاویٰ عالمگیری۔ ج ۱، کتاب الصلوٰۃ باب فی صلاة الجمعة، ص ۵۷ مطبوعہ مجیدی کتب خانہ کانپور

شخص پر متفق ہو گئے جو ان کو نماز جمعہ پڑھائے تو یہ جائز ہے) ودر بزازیہ است والبلاد التی علیہا ولایة کفار یجوز فیہا ایضاً اقامة الجمع والاعیاد والقاضی قاضی بتراضی المسلمین (اور بزازیہ میں ہے وہ شہر جن پر کفار حاکم ہوں وہاں جمعہ اور عیدیں قائم کرنا جائز اور درست ہیں اور قاضی مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی بنے گا) وبعد ثبوت فرضیت جمعہ ایں ظہر احتیاطی موقت نباشد۔ وچوں جماعت ظہر موقت بمقامیکہ جمعہ درست و صحیح است برائے معذورین وغیرہ مکروہ تحریمی است۔ پس جماعت غیر موقت بدرجہ اولیٰ مکروہ تحریمی بود چنانچہ در در مختار است و کرہ تحریمًا لمعذور و مسجون و مسافر اداء ظہر بجماعة فی مصر قبل الجمعة وبعدها لتقلیل الجماعة وصورۃ المعارضۃ (اور معذور، قیدی اور مسافر کے لیے نماز جمعہ سے پہلے یا اس کے بعد شہر میں نماز ظہر باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے جمعہ کی جماعت کی قلت لازم آتی ہے اور ایک قسم کے معارضہ کی صورت پیدا ہوتی ہے)

جواب سوال ششم:۔ بظاہر ایں واقعہ بے اصل و بے ثبوت است بدیں وجہ کہ ترک سنت قص شوارب مطلقاً از دأب صحابہ کرام خصوصاً از جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بسیار بعید است اگرچہ قصہ آشامیدن آب بغرض تبرک صحیح ہم باشد۔

جواب سوال ہفتم:۔ ثبوت بستن دست زیر ناف و نہادن دست راست بر چپ از حدیث و فقہ ثابت است و ارسال پائے ثبوت نرسیدہ چنانچہ در در مختار است و وضع یمینہ علی یسارہ تحت السرة للرجال لقول علی من السنة وضعهما تحت السرة (اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھنا مردوں کے لیے ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ کا فرمان ہے کہ دونوں ہاتھوں کو زیر ناف باندھنا) (نماز کی) ایک سنت ہے) و ابوداؤد و احمد روایت کردہ اند عن علی من السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة (ابوداؤد اور امام احمد سیدنا علی المرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کے اوپر زیر ناف باندھنا سنت ہے) و ہمیں طور در جمیع کتب فقہ موجود است۔ در فتح المنان فی تائید مذہب النعمان مرقوم است مذہب مالک ارسال الیدین و هو عزیزۃ عندہ والوضع رخصة

۱۔ در مختار، ج ۱، کتاب الصلوٰۃ باب الجمعة، ص ۱۱۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۔ در مختار، ج ۱، باب صفۃ الصلوٰۃ، ص ۷۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت (سنن دار قطنی، ج ۱، ص ۲۸۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت) (ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

والعجب انه لا يوجد حديث يتمسك به لافي جامع الاصول الذي جمع احاديث الكتب ومنها الموطا ولا في الجامع الكبير وجمع الجوامع للسيوطي وقد ادعى احاطة الاحاديث وجمعها من نحو خمسين كتابا لا من رواية مالك ولا من رواية غيره (اور تمام کتب فقہ میں اسی طرح موجود ہے فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں مرقوم ہے کہ امام مالک کا مذہب ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا ہے اور یہ ان کے نزدیک عزیمت ہے جبکہ ہاتھ باندھنا رخصت ہے اور تعجب ہے اس بات پر کہ کوئی ایسی حدیث نہیں پائی گئی جس سے وہ (مالکیہ) دلیل پکڑے۔ نہ جامع الاصول میں جس میں کتب صحاح ستہ کی احادیث جمع ہیں اور موطا بھی انہی کتب احادیث میں سے ایک ہے اور نہ جامع کبیر اور جمع الجوامع میں جو امام سیوطی کی تصنیف ہے اور انہوں نے تقریباً پچاس کتابوں کی احادیث جمع کرنے اور ان کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو نہ تو امام مالک کی روایت نہ ان کے علاوہ کسی دوسرے امام کی روایت سے ہیں)

جواب سوال ہشتم:۔ چار تکبیر جنازہ آخر فعل رسول اللہ ﷺ است و برآں اجماع صحابہ است و تا ایں زمان مخالفت آں بجز از فرقہ روافض ظاہر نشدہ و اجماع امت است کہ زائد از چار تکبیر منسوخ است بہ آخر فعل نبی ﷺ چنانچہ حاکم در مستدرک روایت کردہ است عن ابن عباس قال آخر ما کبر النبی ﷺ علی الجنائزۃ اربع تکبیرات و کبر عمر علی ابی بکر اربعاً و کبر ابن عمر علی عمر اربعاً و کبر الحسن علی علی اربعاً و کبر الحسين بن علی علی الحسن بن علی اربعاً و کبرت الملائکۃ ادم اربعاً و در ہدایہ است ولو کبر الامام خمساً لم یتابعہ لانه منسوخ لما رویناہ ۳ ہذا ما فی ذہنی الآن واللہ اعلم و علمہ اتم (سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ آخری مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے کسی جنازہ پر جو تکبیریں ادا فرمائی تھیں وہ چار تکبیریں تھیں۔ سیدنا عمر بن خطاب نے حضرت سیدنا صدیق اکبر کی نماز جنازہ میں چار مرتبہ تکبیریں پڑھیں اور سیدنا ابن عمر نے سیدنا عمر کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں ادا فرمائیں اور سیدنا امام حسن نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور حضرت امام حسین نے امام حسن پر چار تکبیریں کہیں اور فرشتوں نے حضرت آدم پر چار تکبیریں کہیں اور ہدایہ میں ہے کہ اگر

۱۔ فتح المنان فی تائید مذہب النعمان، ج ۲، ص ۱۱۹ مطبوعہ عتیق اکیڈمی ملتان ۲۔ مستدرک للحاکم، ج ۱، کتاب الجنائز، ص ۵۴۳، دارالکتب العلمیہ بیروت

۳۔ ہدایہ کتاب الصلوٰۃ، ج ۱، ص ۱۳۹، مطبوعہ مجیدی کتب خانہ کانپور

امام پانچ تکبیریں کہے تو اس کی پیروی نہ کی جائے کیونکہ یہ منسوخ ہے اس سے جوہم نے بیان کیا)
العبد مہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

ترجمہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ چند اشخاص نے اتیس (۲۹) رمضان کی شام کو عید الفطر کا چاند دیکھا۔ حالانکہ واقع میں چاند نہ تھا۔ صبح کو انہی اشخاص نے بعض روزہ داروں کا روزہ بھی افطار کرایا۔ کیا ان افطار کرانے والوں پر فقط قضاء ہے یا کفارہ اور قضاء ہر دو لازم ہیں؟
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ وتر رمضان میں جماعت سے ادا کئے جاتے ہیں اور باقی مہینوں میں اکیلے پڑھے جاتے ہیں؟

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ بیس (۲۰) رکعت تراویح کا کونسا ثبوت ہے اور حضور ﷺ نے کتنی رکعت تراویح ادا فرمائی ہیں اور امت کو کیا ارشاد فرمایا ہے؟
چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ نماز جمعہ اور عیدین جو ہمارے زمانے میں فرض نہیں اگر پڑھی جائیں تو کس طریقہ اور ترتیب سے پڑھی جائیں؟

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ جو ہمارے زمانے میں فرض نہیں لوگ جماعت سے پڑھتے ہیں اور ظہر جو فرض وقت ہے بغیر جماعت پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بوقت غسل حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کی ناف مبارک اور آنکھوں سے پانی کے قطرات چوسے جس کے بعد آپ کے لبوں کے بال بڑھ گئے اور پھر آپ نے انہیں ہرگز نہیں کٹایا، کیا یہ درست ہے؟

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ بوقت نماز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت اور ہاتھ چھوڑنے کی تردید فرمائیے؟

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت اور پانچ تکبیر کی تردید تحریر فرمائیں؟

الجواب ہوا الصواب

جواب سوال اول:- اس صورت اشتباہ کی وجہ سے قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ یہ

معذور ہیں اور جب خطا سے روزہ افطار کرنے والے پر کفارہ لازم نہیں تو معذور جس کو چاند کا شبہ ہوا۔ اس پر بطریق اولیٰ کفارہ لازم نہ ہوگا کیونکہ روزہ فاسد کرنے سے یا قضا لازم ہوتی ہے یا قضا اور کفارہ اور جب کفارہ لازم نہ ہوا تو فقط قضا باقی رہے گی جیسا کہ عالمگیریہ کی عبارت مذکور ہوئی ہے۔ اور ہدایہ، فتح القدیر، درمختار، رد المحتار، شرح الیاس، قاضی خان وغیرہ میں اسی طرح مرقوم ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کئے جاتے۔

جواب سوال دوم:- وتروں کی جماعت رمضان شریف میں تراویح کی جماعت کے تابع

ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے فعل مبارک اور اجماع صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ سے ثابت ہے اور چونکہ بغیر رمضان تراویح باجماعت نہیں پڑھی جاتیں لہذا تراویح بھی جماعت سے نہیں پڑھے جاتے کیونکہ جب متبوع نہ ہو تو تابع بھی نہیں ہوتا نیز خلاف اجماع صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ لازم آتا ہے جیسا کہ شامی سے نقل ہوا ہے۔ الخ

جواب سوال سوم:- تراویح کا بیس رکعت مسنون ہونا کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ جس کی

وجہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی ہمیشگی اور صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے جیسا کہ درمختار سے نقل ہوا خود حضور ﷺ سے تراویح کی تعداد رکعت کے متعلق کوئی مستند قول ثابت نہیں اور آنجناب ﷺ کا فعل مبارک اس بارے میں مختلف طور پر وارد ہوا ہے۔ تاہم صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ سے بیس تراویح بلاشبہ ثابت ہیں۔

جواب سوال چہارم و پنجم:- بلاد ہند میں جمعہ کی اقامت فرض ہے اگرچہ وہاں حکومت

نصاری کی ہے کیونکہ فقط کفار کی حکومت ہونے سے کوئی ملک دارالحرب نہیں ہو جاتا جب تک کہ دارالحرب کی تمام شرائط اس پر صادق نہ آئیں اور اس پر دارالحرب کی تعریف صادق نہیں آتی لہذا دارالاسلام باقی رہے گا اور جمعہ فرض ہوگا (جیسا کہ عالمگیریہ میں نقل ہوا ہے) اور جب جمعہ فرض ہوا تو یہ نماز ظہر احتیاطی فرض موقت نہ رہے گی اور جب ایسے مقام میں جہاں جمعہ فرض ہے معذور اور قیدیوں کے لئے جماعت فرض ظہر مکروہ تحریمی ہے حالانکہ وہ فرض وقتی ہے۔ تو فرض غیر موقت کے لئے جماعت کرنا بدرجہ اولیٰ مکروہ تحریمی ہوگا جیسا کہ

درمختار میں ہے کہ معذور اور قیدی لوگوں کے لئے جمعہ کے بعد یا پہلے ظہر باجماعت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں جمعہ کی جماعت کی قلت لازم آتی ہے اور ایک قسم کے معارضہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

جواب سوال ششم:۔ اگرچہ ناف مبارک اور چشم مبارک سے پانی پینا بغرض تبرک صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی لبوں کے بالوں کے بڑھنے کا واقعہ بے سند معلوم ہوتا ہے اور مونچھیں کٹوانا جو سنت ہے اس کو ترک کرنا صحابہ کرام کی شان سے اور خصوصاً حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے نہایت بعید ہے۔

جواب سوال ہفتم:۔ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اور دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا حدیث اور فقہ سے ثابت ہے اور ہاتھوں کا چھوڑنا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا (جیسا کہ درمختار سے نقل ہوا ہے)

جواب سوال ہشتم:۔ چار تکبیر نماز جنازہ حضور ﷺ کا سب سے آخری فعل مبارک ہے اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور اس وقت تک بجز روافض کسی نے اس امر میں اختلاف نہیں کیا اور امت کا اجماع ہے کہ چار تکبیروں سے زائد منسوخ ہو چکی ہیں (جیسا کہ مستدرک حاکم میں مذکور روایت سے واضح ہے)

۳۷۔ صدقہ فطر کے متعلق حضرت کا توضیحی محاکمہ

استفتاء

(سوال زید)

مخدومی بکر خطیب صاحب دام فیضہ۔ بعد سلام مسنون آنکہ صدقہ فطر ایک آدمی کی طرف سے نصف صاع مقرر ہے جس کا نمبری سیر سے تخمیناً ۵ تولہ کم دو سیر وزن ہوتا ہے اور ایک صاع کا وزن ۹۶ روپیہ کے سیر کے حساب سے تین سیر بارہ تولہ نو ماشہ دورتی دو جو کا ہوتا ہے۔ اس وقت ہندوستان پنجاب میں نمبری سیر والی گندم کا نرخ دس (۱۰) سیر فی روپیہ ہے تو اس حساب سے ایک آدمی کا فطرانہ ۰۳ ہوتا ہے اور اگر ملک برما کے لیے بجائے گندم کے چاول کا حساب کریں تو اس کی قیمت بھی اتنی ہی بنتی ہے۔ امید کہ یہ حساب آپ خود مشکوٰۃ شریف میں دیکھ کر مطابقت کر لیں گے۔ شاید مجھے سہو ہو گیا ہو اور اگر درست ہے تو اعلان کرنا

ضروری ہے تاکہ لوگ تعداد صدقہ فطر سے واقف ہو جائیں اور مجھے بھی سرفراز کیجئے گا تاکہ اسی حساب سے صدقہ فطر ادا کروں اور مجھے آپ سے کچھ کینہ و بغض نہیں ہے صرف مسئلہ پوچھ رہا ہوں ان شاء اللہ کل ایک جگہ ہو کر دلائل شرعی سے سمجھ لیوں گے۔

آپ کا خادم۔ زید، یکم شوال ۱۴۲۵ھ

جواب بکر خطیب صاحب

حافظ زید صاحب۔ مراسلہ موصولہ سے مجھے ایک حد تک انتباہ ہوئی۔ آپ کے ابلاغ کا شکریہ ادا کر کے فہمی خیالات کا محدود نہیں ہو سکتا۔ بناء علیہ سوا پانچ آنہ اقل درجہ فطرہ کا ہے اگرچہ خلاف ہے سنت متوارثہ کے مگر میں امام رازی کے انفصال کما قال اللہ فاتقوا اللہ ما استطعتم وانفقوا خیرا لانفسکم (پس ڈرو اللہ سے جتنی طاقت رکھو اور خرچ کرو تمہارے لئے بہتر ہے) کی تاویل پر کار بند ہو کر متاخرین کے برگزیدہ شاہراہ پر ضرور چلوں گا۔ میرے لئے معالم التنزیل، تفسیر کبیر، طریقہ محمدیہ ابلغ شاہد ہے۔ ثم تم الکلام۔ اور کینہ و حسد نعمتِ خداداد ہے خدا ہر دل کو نصیب نہ کرے۔ فقط

محمد بکر خطیب عفی عنہ

(حضرت قبلہ عالم کا محاکمہ)

الجواب ہوا الصواب

واضح ہو کہ آپ کی تمہیدات و دیگر امور زوائد سے قطع نظر کر کے نفس مسئلہ کے جواب میں بقدر ضرورت کچھ لکھا جاتا ہے۔ اول یہ معلوم کرنا چاہیے کہ شارع علیہ السلام سے صدقہ فطر کے بارہ میں کن کن اشیاء کا عین ادا کرنے کی نسبت نص صریح وارد ہوئی ہے اور ان کی مقدار شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا مقرر فرمائی ہے۔ پس جن اشیاء کا عین ادا کرنے کی نسبت نص وارد ہوئی ہے وہ بملاحظہ احادیث صحیحہ پانچ چیزیں معلوم ہوتی ہیں اول گیہوں، دوم جو، سوم کھجور، چہارم خشک انگور، پنجم پنیر۔ اور ان کی مقدار ما سوا گندم کے ایک صاع اور گندم کی نصف صاع خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرمائی ہے چنانچہ بخاری شریف و مسلم شریف وغیرہ وغیرہ میں یہ الفاظ مروی ہیں فرض رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ الفطر صاعا من

تمر او صاع من شعیر فرض رسول اللہ ﷺ هذه الصدقة صاع من تمر او شعیر و صاع من اقط و زبيب و نصف صاع من قمح (رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع مقرر کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ صدقہ (فطر) کھجور یا جو کا ایک صاع اور پیڑ اور کشمش کا ایک صاع اور گندم کا آدھا صاع مقرر کیا) اور اسی طرح فقہاء کرامؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ جملہ کتب فقہ میں بالتفصیل مرقوم ہے اس جگہ صرف عبارت فتاویٰ عالمگیری لکھی جاتی ہے وہی هذه۔ واما تجب صدقة الفطر من اربعة اشياء من الحنطة والشعير والتمر والزبيب كذا في خزانة المفتين و شرح الطحاوی وہی نصف صاع من برو صاع من شعیر او تمر و دقيق الحنطة والشعير و سويقهما مثلهما واما الزبيب فقد ذكر في الجامع الصغير نصف صاع عند ابی حنیفہؒ لانه یوکل بجميع اجزائه وروی عن ابی حنیفہؒ صاع وهو قولهما ۲ (صدقہ فطر صرف چار چیزوں میں سے ادا کرنا واجب ہے گندم، جو، کھجور اور کشمش سے اسی طرح خزائن المفتین اور شرح الطحاوی میں ہے اور وہ گندم کا نصف صاع، جو یا کھجور کا ایک صاع ہے گندم اور جو کا آٹا اور ان کا ستوان کی مثل ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کشمش آدھا صاع ہے کیونکہ وہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔ امام اعظمؒ سے ایک صاع بھی مروی ہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے) باقی یہ امر کہ صاع کتنے وزن کا نام ہے۔ سو اس کی مقدار کتب فقہ میں یہ مرقوم ہے وهو ای صاع المعتبر ما یسع الفاو اربعین درهما من ماش او عدس ۳ (اور وہ صاع معتبر ہے جس میں ایک ہزار چالیس درہم ماش یا مسری کے ساسکیں) پس ایک ہزار چالیس درہم کے تین ہزار چھ سو چالیس ماشے ہوتے ہیں۔ جس کے تین سو تین تولہ چار ماشے بنتے ہیں اور اس کے کلدار روپے تین سو سولہ روپے چھ آنے ہوتے ہیں۔ پس بحساب فی سیر اسی (۸۰) روپیہ کلدار ایک صاع کا وزن تین سیر تین پاؤ سواتین چھٹانک ہوتا ہے۔ علماء کرام نے پورے چار سیر احتیاطاً صاع کا وزن رکھ لیا ہے۔ پس مؤدی صدقہ فطر یعنی صدقہ فطر ادا کرنے والا اشیاء منصوصہ میں سے جس چیز کے ساتھ صدقہ فطر ادا کرنا چاہے خواہ عین اشیاء یا قیمت اشیاء دونوں سے صدقہ فطر ادا کر سکتا ہے۔ اور اشیاء غیر منصوصہ کے عین سے صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا بلکہ کسی منصوصہ اشیاء کی قیمت اس کو دینی پڑے گی۔ چنانچہ درمختار میں ہے و مال من یصل

۱۔ مسلم شریف، ج ۱، باب زکوٰۃ الفطر، ص ۳۱۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی، بخاری شریف، ج ۱، باب فرض صدقہ الفطر، ص ۲۰۲ ایضاً

۲۔ فتاویٰ عالمگیری، ص ۹۸، ج ۱، الباب الثامن فی صدقہ الفطر مطبوعہ مجیدی کتب خانہ کانپور ۳۔ درمختار، ص ۱۳۵، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

علیہ کذرة وخبز يعتبر فيه القيمة (جن پر نص نہیں کی گئی جیسے جوار اور روٹی اس میں قیمت معتبر ہے) پس اگر ادا کنندہ صدقہ فطر میں قیمت گندم دینا چاہتا ہے جس کی مقدار صدقہ فطر نصف صاع یعنی دو سیر نمبری ہے اور گندم کا نرخ فی روپیہ دس (۱۰) سیر نمبری ہے تو قیمت گندم دو سیر (۰۳) ہوگی اور اگر نرخ گندم کم و بیش ہے تو قیمت میں بھی زیادتی و کمی ہو جائے گی پس جس وقت کہ نرخ گندم فی روپیہ دس سیر نمبری ہو اس وقت زید کا مقدار صدقہ فطر ۰۳ مقرر کرنا بیشک قرین قیاس ہے بشرطیکہ ملک برما میں بھی یہی نرخ گندم ہو مگر مشکل یہ ہے کہ زید صاحب تو دس سیر نرخ گندم ہندوستان و پنجاب میں بیان کرتے ہیں اور ۰۳ صدقہ فطر ملک برما میں دلار ہے ہیں تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ملک برما میں بھی نرخ گندم فی روپیہ دس سیر نمبری ہے۔ اس وقت تک ساڑھے تین آنہ مقدار صدقہ فطر مقرر کرنا خیلے دشوار ہے اور پھر زید صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر برما کا حساب لیا جائے تو بجائے گندم کے چاول ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی اس حساب سے اسی قدر ہوتا ہے بالکل بے ربط و مہمل جملہ ہے۔ اس واسطے کہ چاول غیر منصوص اشیاء میں سے ہے۔ اس کی مقدار شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معلوم نہیں ہوتی ہے کہ اس کا عین صدقہ فطر میں دیا جائے۔ باقی رہی قیمت سو وہ منصوص اشیاء کے نرخ و جنس سے متعین ہو سکتی ہے جس کو زید صاحب نے باعتبار ملک برما بیان نہیں کیا ہے۔ لہذا قول زید بلا تعین نرخ و جنس اشیاء منصوصہ قابل قبول نہیں ہے۔ بعد ازاں بکر صاحب کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔ بکر صاحب نے جو بلا تعین نرخ و جنس اشیاء منصوصہ اقل درجہ صدقہ فطر سوا پانچ آنے مقرر فرمایا ہے سراسر بے اصل ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ فطر کی ادا میں درہم و دنانیر نہیں مقرر فرمائے ہیں بلکہ چند اشیاء ماکولہ بجنسہا یا بقیمتہا کا حکم دیا ہے اور اس کا بکر صاحب کے بیان میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ جس سے قیمت کا تعین ہو سکے۔ باقی آیہ کریمہ فاتقوا اللہ ما استطعتم الخ ۲ کو صدقہ فطر کے بارہ میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ امام رازی و دیگر مفسرین نے اس آیت سے اس امر کے لئے استدلال پکڑا ہے یہ بکر صاحب کا محض دعویٰ بلا دلیل اور تفسیر بالرائے جو کسی طرح قابل قبولیت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ میری رائے ناقص میں زید و بکر دونوں صاحبان کی تعین رقم صدقہ فطر بلا تعین نرخ اشیاء منصوصہ تسلیم کے قابل نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۳۸۔ التزام کفر کے متعلق حضرت کا فرمان

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے کہا کہ تو فلاں معاملہ میں ہمارے ساتھ شرعی فیصلہ کے واسطے چل۔ بکر نے جواب دیا کہ میرے ساتھ تمہارا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس واسطے کہ میں تمہارا مدعا علیہ نہیں ہوں تمہارا دعویٰ فلاں شخص کے ساتھ ہے، دو مرتبہ اسی طرح تکرار ہوئی۔ بعد ازاں زید نے بکر پر کفر کا حکم لگا دیا۔ پس استفسار ہے کہ آیا یہ کفر بکر پر عائد ہوا یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوالصواب

واضح ہو کہ انسان پر کفر عائد ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اول التزام کفر یعنی جو شخص مدلول نص کو مدلول نص جان کر اور حکم شرعی کو حکم شرعی مان کر بایں طور انکار کرے کہ اگرچہ یہ حکم شرعی ہے لیکن میں اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ دوسرے لزوم کفر جو جہل و نادانی کی وجہ سے انسان پر لازم آجاتا ہے۔ پس التزام کی صورت میں تکفیر جائز و درست ہے یعنی اگر کسی نے دیدہ و دانستہ کفر اختیار کیا اور حکم شرع سے جان بوجھ کر انکار کیا تو اس کو کافر کہنا چاہیے اور بحالت لزوم کفر تکفیر درست نہیں۔ اسی واسطے محققین فقہاء کرام نے لزوم کی صورت میں تکفیر سے اجتناب کیا ہے اور جن فقہاء نے ایسے محل و موقع پر کفر کا اطلاق کیا ہے ان کی غرض تکفیر مرتکب نہیں ہے بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس مرتکب نے ارتکاب فعل کفار کیا ہے اور فیما نحن فیہ میں تو نہ التزام کفر ہے نہ لزوم کفر۔ عدم التزام کفر تو ظاہر ہے کہ قائل نے کسی مدلول شرعی کا دیدہ و دانستہ انکار نہیں کیا ہے باقی رہا لزوم کفر سو وہ بھی نہیں پایا گیا۔ اس واسطے کہ بکر نے ذہاب الی الشرع سے انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ عدم ذہاب الی الشرع کو معلق مدعا علیہ نہ ہونے پر کیا ہے۔ یعنی چونکہ میں مدعا علیہ نہیں ہوں اس واسطے شرعی فیصلہ کرنے کیلئے نہیں جاتا ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ جب بکر مدعا علیہ ہی نہیں ہے تو اس کا شریعت کیلئے نہ جانا بعد رآنکہ میں مدعا علیہ نہیں ہوں انکار شریعت کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ بایں عذر واقعی دفع خصم مقصود ہے۔ چنانچہ ایسے نظائر کتب دینیہ میں بکثرت موجود ہیں کہ دفع خصم وغیرہ کے لحاظ سے اس قسم کے الفاظ کا اگر ارتکاب کیا جائے تو قائل پر کفر وغیرہ نہیں لازم آتا ہے۔

چنانچہ شرح فقہ اکبر میں یہی خاص جزی موجود ہے ومن قال لا اخرج اذهب معی الی الشرع فقال الآخر لا اذهب حتی تاتی بالبیدق ای المحضر کفر فانه عاندا لشرع یعنی اذا کان ابائہ وتعللہ لمعادنۃ الشرع بخلاف ما اذا اراد دفعہ فی الجملة عن المخاصمة و قصد انه یصح الدعوی فیستحق المطالبة اذا تعلل لان القاضی ربما لا یكون جالساً فی المحكمة فانه لا یکفر فی هذه الوجوه کلها۔ ولو قال الی القاضی ای اذهب معی الی القاضی فقال لا اذهب لا یکفر یعنی لما سبق وجهہ۔ ولان الامتناع عن الذهاب الی القاضی لا یوجب الامتناع عن الذهاب الی الشرع اذا ربما یكون القاضی لا یحکم بالشرع۔ و لیس کما یزعمہ الجہلۃ من قضاء الزمان حیث لا یفرقون القضية بین مکان و مکان (کسی شخص نے دوسرے سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل، اس دوسرے نے کہا میں نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ تو بیدق یعنی محضر (حاضر ہونے کی جگہ) میں آئے تو کافر ہو جائے گا اس لیے کہ اس نے شریعت کی معاندت کی یعنی جب اس کا انکار اور بہانہ بازی شریعت کی معاندت کی وجہ سے ہو بخلاف اس صورت کے فی الجملة اس کا ارادہ مخاصمت سے اس کو دفع کرنا ہو یا یہ ارادہ کیا کہ وہ دعویٰ صحیح کرے تو مطالبہ کا مستحق ہے۔ جب تعلل کرے اس لیے کہ کبھی قاضی (جج) محکمہ (عدالت) میں نہیں بیٹھا ہوتا بے شک وہ ان تمام صورتوں میں کافر نہیں ہوگا اگر اس نے کہا میرے ساتھ قاضی کے پاس چل تو اس نے کہا میں نہیں جاتا تو کافر نہیں ہوگا یعنی گذشتہ وجوہ کی وجہ سے، اور اس وجہ سے بھی کہ قاضی کی طرف جانے سے امتناع، شریعت کی طرف جانے سے امتناع کا موجب نہیں اس لئے کہ کبھی جج شرعی فیصلہ نہیں کرتا اور اس طرح نہیں جیسا کہ فی زمانہ جاہل قاضی خیال کرتے ہیں وہ ایک مکان سے دوسرے مکان کے قضیہ میں تفریق نہیں کرتے)

اس عبارت شرح فقہ اکبر سے صاف ظاہر ہے کہ بکر پر الزام کفر کسی طرح وارد نہیں ہوتا ہے جس کسی نے بکر کی طرف کفر کی نسبت کی ہے اُس نے محض اپنے عنادی خیال کو سوئے ظن مسلم میں شہرت دی ہے العیاذ باللہ بلکہ مکفر کو بوجہ عدم استحقاق تکفیر منسوب بکفر توبہ کرنی چاہئے تاکہ بیت

تو مارا ہمیں چاہہ کن دی براہ

کا مصداق نہ بنے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۳۹۔ مرد کے لیے سونے چاندی کے بٹن

استعمال کرنے کے متعلق حکم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد لله والسلام على عباده الذين اصطفى

بخدمت فیض درجت، جناب صاحب کمالات صوری و معنوی، کاشف اسرار خفی و جلی، رہنمائے

سالکاں، پیشوائے محققین جناب حضرت پیر صاحب ادام اللہ تعالیٰ فیوضاتہم

بعد از تبلیغ مراتب تسلیمات بے غایات و آداب وافیات معروض ضمیر منیر باد احوال ایں حدود بفضل

رب المعبود قرین حمد و عافیت است صحت و تنومندی مزاج و ہاج آں صاحب مدام مطلوب القلوب المرام من

الارقام اینکہ دریں اوان مولویان ملتان اختلافی و نزاعی در یک مسئلہ پدید آوردند و آں است کہ بٹن نقرہ یا ذہب

برائے رجل جائز است یا حرام بعض اثبات جواز مے نمائند بعض اثبات منع مے نمائند۔ مانعین احادیث عمومہ

واردہ در حرمت ذہب و فضہ در حق رجال بمعرض استدلال پیش مے کنند۔ مجوزین استدلال خود کتاب در مختار پیش

مے کنند۔ چنانچہ در کتاب الخطر والا باحتہ جلد خامس شامی در متن وے در مختار اثبات جواز آں کردہ و نیز مے گویند

کہ برائے مقلدان کتب مذہب باید فکر در احادیث شریفہ و در نکات لطیفہ و در نسخ و منسوخ مے تواند رسید۔ چنانچہ

در توضیح شرح تنقیح آورده الادله الاربعہ انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد و اما المقلد فدليلة قول

مجتهدہ انتہیٰ اعلاوہ ازیں در حدیث بخاری شریف کہ صحابی ضعیف البصر را کہ قباء کہ تکمہ او طلائی بود عطا فرمود

ظاہراً مفہوم مے شود کہ لباس ہم فرمودہ واللہ اعلم۔ برائے مہربانی جواب سوال ہذا عنایت فرمائند۔

نیاز مند احمد یار غفری عنہ

خلاصہ سوال

سونے اور چاندی کے بٹن کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے در مختار کی عبارت اور

حضرت مخرمہ صحابی کی روایت سے جواز پر استدلال کیا ہے۔ جنہیں حضور ﷺ نے قباء عطا فرمائی تھی

توضیح شرح تنقیح، ص ۵۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔

جس کا تسمہ طلائی تھا۔ اور بعض مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ بہت سی احادیث میں مردوں کے لئے سونا چاندی کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے۔

الجواب ہوا الصواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مہربان من نواب احمد یار خان صاحب حفظکم مع اللہ

وعلیکم السلام ورحمة اللہ۔ عنایت نامہ کاشف مدعا و ما فیہا ہوا۔ صرف تعمیل کرنی ضروری سمجھ کر قلم اٹھاتا ہوں ورنہ من آنم کہ من دانم۔

بٹن سونا چاندی

میری ناقص رائے میں ان کی حرمت نہ صرف احادیث صحیحہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے بلکہ کتب فقہ سے بھی استعمال ان کا ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ علماء کرام میں سے جنہوں نے عبارت ذیل درمختار سے جواز پر سند لی ہے یا مخرمہ والی حدیث بخاری کو حجت بنایا ہے ٹھیک نہیں والعلم عند اللہ درمختار کی عبارت منقولہ از تاتارخانیہ (لا باس بازرار الدیبا ج والذهب) کا یہ مطلب نہیں کہ گھنڈی سونے کی جو بٹن کے طور پر علیحدہ اور مستقل ہو اس کا استعمال جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھنڈی سونے کی جو اشیاء طلائی میں بطور تافت و پیچیدگی ہو اور جس کو تابع کپڑے کا لنگی وغیرہ کے اطراف یعنی پلے کی طرح سمجھا جائے ایسی گھنڈی کا استعمال جائز ہے درمختار کے قول کے متعلق علامہ طحاوی لکھتے ہیں قال فی المنتقى عن محمد لا باس ان تكون عروة القميص وزره حريراً وهو كالعلم يكون في الثوب ومعه غيره فلا باس به وان كان وحده كرهته الخ طحاوی ۲ جملہ اخیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بٹن کے طرز پر درست نہیں۔

دعا گواز گولڑہ

۴۰۔ کمی بیشی سے کرنسی نوٹ کی خرید و فروخت کے متعلق حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں اور اس کا معاملہ بطور قرض تفاضل کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا

الجواب ہوا الصواب

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ نوٹ کے ساتھ کاروبار میں پورا پورا معاملہ ثمن خلقی کا برتا جاتا ہے۔ لین دین میں کوئی تفاوت و فرق روپیہ اور نوٹ میں نہیں کیا جاتا ہے عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ سمجھا گیا ہے مگر دراصل ثمن خلقی نہیں۔ عرف و اصطلاح کی بدولت اس میں ثمنیت آگئی ہے جس کا مال و نتیجہ یہیں تک منحصر و محدود رہے گا کہ تعامل الناس و کاروبار میں ثمنیت کا کام دے اور روپیہ کی جگہ تصور کیا جائے نہ یہ کہ اصل حقیقت منسلخ ہو کر وہ ماہیت واقعیہ کو چھوڑ کر عین اشی بن جائے اس واسطے کہ عرف و تعامل میں یہ طاقت و قدرت نہیں کہ انقلاب ماہیت کر کے عرفی ثمنیت کو خلقی ثمنیت بنادے جس سے من کل الوجوہ احکام ثمن خلقی عرفی پر جاری ہو جائیں۔ ایسی کوئی نظیر شرع شریف میں نہیں پائی جاتی ہے۔ بناء علیہ جہاں تک غور و خیال کیا جاتا ہے تو بلحاظ نظائر فقہیہ صورت مسئلہ یعنی بیع و شراء نوٹ بہ کمی و بیشی کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی بظاہر کوئی وجہ خیال میں نہیں آتی ہے اس واسطے کہ علت تحریم ربوا قدر مع الجنس ہے پس بشرط تحقق قدر و جنس فضل و نسیہ دونوں حرام اور بصورت عدم وجود علتین دونوں حلال اور بوقت وجود احد ہما فضل جائز و نسیہ حرام جیسا کہ عبارت در مختار میں بخوبی واضح ہے علتہ القدر مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء وان عدم احلا وان وجدا حدهما حل الفضل وحرم النساء اور صورت مسئلہ و مستفسرہ میں قدر و جنس دونوں مفقود و معدوم ہیں اس واسطے کہ نوٹ خلقیہ کاغذ ہے اور روپیہ حقیقیہ و اصلیتیہ چاندی پس مجانبست نہ رہی و نیز روپیہ شرعاً موزون ہے اور نوٹ عرفاً معدود۔ پس قدریہ بھی نہ رہی اور یہی وجہ علت تحریم تفاضل و ربوا تھی لہذا بناء برقاعده فقہیہ بیع و شراء نوٹ میں فضل و نسیہ دونوں حلال ہونا چاہیے۔ جیسے اور بیوع میں بوقت اختلاف

جنس و قدر تفاضل و اجل درست و جائز ہوتی ہے۔ چنانچہ شامی میں اختلاف جنس کی صورت میں بایں طور مرقوم ہے سئل الحانوتی عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البدلين كما في البزازية فلو اشترى مائة فلس بدرهم يكفى التقابض من احد الجانبين قال ومثله مالو باع فضة او ذهباً بفلوس كما في البحر عن المحيط (حانوتی سے پوچھا گیا کہ سونے کے پیسوں کے بدلے ادھار بیع جائز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب بد لین میں سے ایک پر قبضہ کر لے تو جائز ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے ”اگر ایک سو پیسے درہم کے بدلے خرید کرے تو دو بدلوں میں سے ایک کا قبضہ لینا ضروری ہے“ انہوں نے کہا کہ اور اس کی مثل ہے اگر چاندی اور سونے کو پیسوں کے بدلے بیچے جیسا کہ البحر الرائق میں محیط کے حوالے سے ہے) باقی رہا یہ شبہ کہ نوٹ جب روپیوں کے مقابلہ میں وضع کیا گیا مثلاً سو (۱۰۰)، پانچ سو (۵۰۰)، ہزار (۱۰۰۰) روپیہ کی قیمت کے ساتھ موسوم ہوا تو گویا عین فضہ عرفاً قرار پایا اور جمیع معاملات میں عرفاً و اصطلاحاً روپے کا مساوی سمجھا گیا۔ تو جیسے تفاضل و نسیہ بیع الفضہ بالفضہ میں حرام ہے اسی طرح اس میں بھی ہونا چاہیے تو اس کا دفعیہ نہایت ہی آسان ہے۔ اس واسطے کہ قوم کی قرار داد و اصطلاح بالمقابل سے عینیت واقعہ اس میں نہیں آ جاتی ہے کہ موجب حرمت تفاضل ہو۔ مثلاً فی زمانہ اشرفی کی وضع عرفاً بمقابلہ پندرہ روپیہ قرار پائی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اشرفی عین پندرہ روپیہ بن جائے اور اس میں بیع و شرأ بالتفاضل حرام ہو جائے عرفاً و اصطلاحاً بالمقابل اس میں ثمنیت آ جانی اور چیز ہے اور عین اللشے ہو جانا اور شے ہے چنانچہ حاشیہ ہدایہ میں تحت قول الصرف هو البيع اذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الاثمان مرقوم ہے الاموال نوع ثمن بكل حال كالنقدين ونوع مبيع بكل حال وهو مایس من ذوات الامثال كالثياب والدواب والممالیک ونوع ثمن بوجه مبيع بوجه كالمکیل والموزون ونوع ثمن بالاصطلاح وهو سلعة فی الاصل فان كان رائجاً كان ثمناً وان كان كاسداً كان سلعة. واقسام بیع الصرف ثلاثة بیع الذهب بالذهب و بیع الفضة بالفضة و بیع احدهما بالآخر و شرطه على الاجمال التقابض قبل الافتراق بدناً وان لا يكون فيه خيار ولا اجل ۲

اموال چار قسم کے ہیں۔

قسم اول: ہر حال میں ثمن ہیں جیسے سونا، چاندی۔

قسم دوم: ہر حال میں بیع ہے اور وہ جو ذوات الامثال میں سے نہیں جیسے کپڑے، جانور اور ممالیک۔

قسم ثالث: من وجہ ثمن من وجہ بیع جیسے مکمل و موزون۔

قسم رابع: اصطلاح میں ثمن، اصل میں سلعہ ہے پس اگر رائج ہو تو ثمن ہے، اگر کاسد ہو سلعہ ہے۔

بیع الصرف کی تین قسمیں ہیں۔

نمبر ۱: سونے کے بدلہ میں سونے کی بیع۔

نمبر ۲: چاندی کے بدلہ میں چاندی کی بیع۔

نمبر ۳: ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے کے بدلہ میں بیع۔

اور اس کی شرط علی الاجمال قبض کرنا ہے۔ بدنی افتراق سے پہلے اور یہ کہ خیار اور اجل اس میں نہ ہو (پس اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غایت مافی الباب نوٹ کی ثمنیت قسم رابعہ سے متصور ہوگی جس میں خلقتہ و حقیقتہ سلعت ملحوظ ہوگی اور عرفاً و اصطلاحاً ثمنیت تصور کی جائے گی۔ پس نوٹ کا معاملہ بطور بیع و شراعیع و شراعیع جائز و درست ہے۔ اس واسطے کہ اتحاد قدر و جنس نہیں اور بصورت عدم اتحاد قدر و جنس نفع و انتفاع بطور بیع و شراعیع جائز و مباح۔ ہاں قرض کی صورت میں زیادتی کے ساتھ معاملہ کرنا بالکل حرام ہے اور غالباً آج کل اسی کارواج ہے جس کے جواز کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ فان کل قرض جراً نفعاً فہو ربوا (پس بے شک ہر قرض جو نفع کو کھینچے پس وہ سود ہے) قرض والی صورت کو بیع و شراعیع پر قیاس نہیں کر سکتے ہیں اس واسطے کہ بیع میں نفع و انتفاع بشرط عدم موانع درست و مباح ہے اور قرض میں منفعت ہر صورت میں حرام۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

العبد

الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود

۴۱۔ مسروقہ چیز کی بیع، بازاری عورت کا نکاح سابق، احتیاط جمعہ، احکام مسجد، راہ چلتے میں درود شریف پڑھنا اور مفقود الخیر کی زوجہ سے متعلق مختلف مسائل

استفتاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حامداً ومصلیاً۔ سیدی و سندی رُوحی و رُوحی لازالت شمس افاضاتکم
ہدیہ سلام مسنون۔ بعد آداب اشتیاق مسنون قبول ہو۔ اما بعد معروض آنکہ:-

۱۔ ایک حیوان مسروقہ جس کے مالک کا کچھ پتہ نہیں ملتا اور کسی دور علاقہ سے سرقہ ہو کر دست
بدست فروخت ہوتا رہا ہے اُس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک عزیز دریافت فرماتے ہیں اور حیوان مذکور جو کہ
اسپ مادی ہے خریدنا چاہتے ہیں۔ بائع حکام کی گرفت کا ذمہ لیتا ہے اور ہر طرح بے خوفی ظاہر کرتا ہے جواب
باصواب سے سرفراز فرمایا جاوے۔

۲۔ بازاری عورتیں جو اپنے زندہ خاوند چھوڑ کر پیشے بیٹھ جاتی ہیں اُن کا نکاح باقی رہتا ہے یا ٹوٹ
جاتا ہے۔ اگر ٹوٹتا ہے تو کیوں اور کس طرح؟ بعض اہل علم، علماء غیر مقلدین سے فسح نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں۔
جواب مفصل اور مدلل ہو۔

۳۔ احتیاط بعد جمعہ کی نیت کس طرح کی جاوے؟ وہ الفاظ ارقام فرمادیں اور یہ کہ دو رکعت نماز
جمعہ کے بعد ہی چار رکعت احتیاط نماز کی ادا کی جاویں یا چار رکعت سنت بعد جمعہ پڑھ کر پھر چار رکعت نماز
احتیاط ادا کی جاویں۔

۴۔ ایک چھوٹی مسجد جو آبادی میں گھر گئی ہو اور بجائے اُس کے دوسری جگہ بڑی مسجد تیار کی جاوے
اُس پہلی مسجد کو شہید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے مقفل رہنے سے اندیشہ نقب وغیرہ ہے۔

۵۔ راستہ میں چلتے ہوئے درود شریف پڑھنا اور بے وضو درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

۶۔ بصورتِ اندیشہ زنا منکوحہ مفقود الخبر جو سات برس سے مفقود الخبر ہو، کا دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہیے یا نہیں؟ مولوی غلام احمد صاحب مدرس اول نعمانیہ فتویٰ عدم جواز بر نکاح بحوالہ کتب فقہ تحریر فرماتے ہیں۔ فقہاء کی قیود اور عدم جواز نکاح منکوحہ مفقود وہی تکلیف پیدا کرتا ہے جو ہنود یا دیگر اقوام میں عدم جواز نکاح ثانی سے ہے جو لا یکلف اللہ نفساً کی رخصت کے منافی ہے۔ فقط نیاز

محبوب عالم از سترہ

الجواب ہوا لصواب

۱۔ بیع مال مسروقہ مثل بیع مال مغضوب و مال الغیر بغیر اذن مالک وغیرہ کے ہے۔ اس صورت میں بیع اول فاسد ہے جس کا حکم فسخ العقد ہے لیکن مشتری اول بعد القبض مالک مشتری ہو جاتا ہے پس اگر بعد القبض مشتری اول اصرار کرے اور بائع اول کے سوا دوسرے شخص کے ہاتھ اس مبیعہ کو بہ بیع صحیح فروخت کر دے تو یہ بیع نافذ ہو جاوے گی اور جمیع تصرفات مشتری کے لئے درست و جائز ہو جائیں گے چنانچہ درمختار میں ہے فان باعہ ای باع المشتري فاسداً بیعاً بائعاً بغیر بائعہ او وہبہ وسلم او اعتقہ بعد قبضہ اور ہنہ او اوصیٰ بہ نفذ البیع الفاسد فی جمیع ما مروا امتنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ (اگر خریدار نے بیع فاسد کے ذریعہ خریدی ہوئی کسی چیز کو بیع صحیح کے ساتھ اپنے بائع کے علاوہ کسی اور کو بیچ دی یا ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دی یا بیع (غلام) کو قبضے کے بعد آزاد کر دیا، یا اسے رہن رکھ دیا یا اس کی وصیت کر دی تو ان تمام گزشتہ صورتوں میں بیع فاسد نافذ ہوگی اور فسخ بایں وجہ ممنوع ہوگا کہ حق العبد اس سے متعلق ہے) اور کنز وغیرہ میں ہے ولکل منہما فسخہ الا ان یبیع المشتري او یهب الخ

۲۔ بازاری عورتیں جن کے خاوند زندہ ہیں اور پیشہ بدکاری اختیار کر کے بازار میں بیٹھ گئی ہیں ان کا نکاح بدستور قائم ہے۔ زنا موجب فسخ نکاح نہیں ہے تا وقتیکہ خاوند طلاق نہ دے یا احد الزوجین میں العیاذ باللہ ارتداد نہ پایا جائے یا زانیہ مستحلۃ الزنا نہ ہو نکاح قائم رہے گا۔

۳۔ احتیاطی بعد الجمعہ کی نیت فقہاء کرام نے بایں الفاظ نقل فرمائی ہے نویت ان اصلی اربعاً اخر فرض ادرکت وقتہ ولم اؤدہ (میں نے دوسرے چار رکعت فرض کی نیت کی

۱۔ درمختار، ج ۲، باب بیع الفاسد، ص ۲۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۔ کنز الدقائق کتاب البیوع باب البیع، ص ۲۳، مکتبہ دار السلام شیم پریس لاہور

۳۔ انیس الفقہاء، ج ۱، ص ۶۰، دارالکتب العلمیہ بیروت

جن کا میں نے وقت پالیا اور ادا نہیں کر سکا) اور یہ چار رکعت احتیاطی بعد سنت الجمعہ پڑھنی چاہیے۔

۴۔ مسجد دائماً مسجد ہی باقی رہے گی خواہ مکانات کے اندر آجائے یا میدان میں رہے، اس کا شہید کرنا جائز نہیں ہے اگر آمد و رفت نمازیوں کی اس مسجد میں نہیں ہو سکتی ہے تو بحفاظت تمام اُس کو مقفل کر دینا چاہیے ہاں اگر وہ مسجد ابتداء ہی سے عبارت ذیل کی مصداق ہے تو اس کو شہید کر کے مکان وغیرہ بنا لینا درست ہے ومن جعل مسجداً تحتہ سرداب او فوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطريق وعزله عن ملکہ فله ان یبیعه وان مات یورث عنه لانه لم یخلص للہ تعالیٰ لبقاء حق العبد متعلقا بہ وکذا لک ان اتخذ وسط دارہ مسجداً واذن للناس بالدخول فیہ (جس نے ایسی مسجد بنائی کہ نیچے تہہ خانہ اور اوپر کمرہ ہو اور مسجد کا دروازہ راستہ کی جانب کو رکھا اور اپنی ملک سے الگ کر دیا تو اس کو بیچنا اس کے لیے جائز ہے اور اگر مر جائے تو اس سے اس کو وراثت میں لینا بھی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس نے اس کو خالص نہیں کیا کہ بقاء حق العبد اس سے (ابھی تک) متعلق ہے۔ اور ایسا ہی حکم ہے کہ اگر کسی نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنادی اور لوگوں کو وہاں آنے جانے کی اجازت دیدی ہو)

۵۔ بے وضو اور ناپاک راستہ میں درود شریف پڑھنا بے ادبی ہے ہاں اگر راستہ پاک ہے تو چلتے پھرتے درود شریف پڑھنا کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر فائدہ بغیر حضور قلب نہیں اور وہ غالباً بیٹھ کر پڑھنے سے ہوتا ہے۔ الا بعض مشاق صاحب استغراق ہر طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۶۔ حنفیہ کے نزدیک زوجہ مفقود الخبر کی مدت نوے (۹۰) سال یا کم و بیش ہے۔ مگر مالک کے نزدیک چار سال معہ عدت وفات گزارنے کے بعد زوجہ مفقود الخبر کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے ۲ اور ضرورت کے وقت حضرات احناف نے بھی اس پر فتویٰ دینا درست فرمایا ہے جیسا کہ شامی وغیرہ میں مذکور ہے ۳ واللہ اعلم وعلمہ اتم

العبد

الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۱۔ ہدایہ کتاب الوقف، ج ۲، ص ۶۲۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ ۲۔ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ج ۲، ص ۳۸۳، دار الفکر بیروت۔

۳۔ رد المحتار، ج ۳، ص ۵۰۹ و ج ۶، ص ۲۹۵، دار الفکر بیروت۔

۴۲۔ دریا میں بہتی لکڑی کی بیج، ذبیحہ فوق العقدہ، طریق تقسیم

گوشت قربانی اور کیفیت غسل میت وغیرہ کے مسائل

استفتاء

- نمبر ۱۔ چوبے کہ بوقت طغیانی دریا برد شدہ مے آید و مردمان دیہات اور امے گیرند و بکار خویش مے آرند پس آن چوب را در مکان و مسجد استعمال کردن جائز است یا نہ؟
- نمبر ۲۔ زنی پیر سالہ اگر پستان خود بدہان طفل دہد و شیرے خلق نیاید آیا رضاعت ثابت شود یا نہ؟
- نمبر ۳۔ جانورے کہ بالائے عقدہ ذبح کردہ شود حلال است یا حرام؟
- نمبر ۴۔ گوشت قربانی را بچہ طور تقسیم کردہ شود و زنا یا تخمیناً؟
- نمبر ۵۔ کیفیت غسل میت از شارع علیہ السلام بچہ طور است آیا پائے میت بطرف قبلہ کردہ شود یا نہ؟
- نمبر ۶۔ اگر بجائے ضاد معجمہ طاء معجمہ خواندہ شود نماز فاسد گردد یا نہ؟
- نمبر ۷۔ دست بستہ نماز گزاردن بکدام آیت قرآنی ثابت است؟

جواب سوال اول

چوبے کہ بوقت طغیانی آب دریا برد شود، دو قسم است۔ یکے مملوکہ و دوم غیر مملوکہ مثلاً چوبے از کوہ و صحرا دریا برد شدہ و شخصے اورا گرفته فروخت ساختہ از تعمیر مکان و مسجد جائز است۔ چہ اشیاء کوہے و صحرائے بملکے نیاند الا بعد الحرز و اگر مملوکہ دریا برد گردیدہ و جائے گرفته شدہ اوہم دو صورت دارد یکے بغرض تعریف، دوم بہ نفس خود۔ پس اگر بغرض تعریف گرفته است آں لقطہ نزد امانت است و نیز آں مخیر است کہ اگر منفعت بیند اورا فروخت کردہ قیمتش نگہدارد چنانچہ در ہدایہ است اللقطۃ امانۃ اذا شهد الملتقط انہ یاخذھا و یحفظھا و یردھا علی صاحبھا (لقطہ) راستے کی گری پڑی چیز) امانت ہوتی ہے جب اسکو پانے والا شخص اس بات پر گواہ بنا لے کہ وہ یہ چیز اس لیے لے رہا ہے کہ اس کی حفاظت کرے گا اور مالک کو پہنچا دے گا) و ایضاً وان لم یکن لھا منفعة و خاف ان تستغرق النفقة قیمتھا باعھا و امر بحفظ ثمنھا

(اور اگر لقطہ) (گری پڑی چیز) کی کوئی منفعت نہ ہو اور خوف و اندیشہ ہو کہ اس کا نفقہ (خرچ) اس کی قیمت کو گھیر لے گا تو (قاضی) اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ رکھنے کا حکم جاری کرے) (اگر برائے خود گرفتہ است، آل غصب است چنانچہ در ہدایہ است ولو اقرانہ اخذہ لنفسہ یضمن بالاجماع لانہ اخذ مال غیرہ بغیر اذن الشرع) (اگر ملقط) (گری پڑی چیز اٹھانے والا) نے اقرار کیا ہو کہ اس نے وہ چیز اپنے لیے اٹھائی تھی تو بالاجماع ضامن ہوگا کیونکہ اس نے غیر کا مال لیا نہ مالک کی اجازت سے، نہ شریعت کی اجازت سے) خلاصہ آنکہ اگر از قسم اول و ثانی است تعمیر مساجد از ورواست و برو حکم مسجد زیباست و اگر از قسم ثالث است از تعمیر مسجد ناجائز است و او حکم مسجد ندارد چنانکہ مسجدے برارض مغصوبہ حکم مسجد ندارد۔

جواب سوال دوم

اگر ز نے پستان خود بطفلی داد و یقیناً معلوم است کہ در پستان او شیرے نیست۔ پس حکم رضاعت جاری نخواہد شد اگر چه جذب و کشش طفل معلوم شود، چه مدار ثبوت رضاعت دخول شیر حلق طفل است و اورا دریں محل وجودے نیست و اگر در پستان او شیر موجود است لیکن بعد مص شدن شک واقع شدہ کہ شیر بشکم طفل رسید یا نہ۔ و از حلق فرو رفت یا نہ تا ہم ثبوت رضاعت نخواہد شد زیرا کہ بحالت شک ثبوت حکم رضاعت نمی شود چنانچہ برجندی در شرح مختصر وقایہ ۱ نگار دیشبت بمصۃ واحدة ولو قطرة بشرط ان یصل الی الجوف والیہ ذهب ابن عمر وابن عباس من الصحابة انتھی^۲ (ایک مرتبہ چوسنے سے) (رضاع) ثابت ہو جاتا ہے اگر چه ایک قطرہ ہی ہو بشرطیکہ پیٹ تک پہنچے اور یہی مذہب ہے صحابہ کرام میں سے سیدنا ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کا) و در البحر الرائق است و خرج بالوصول مالوا دخلت امرأة حلمة ثديها فی فم رضيع ولا تدری ادخل اللبن فی حلقه ام لا لا یحرم النکاح لان فی المانع شکا کذا فی الوالوجیہ انتھی^۳ (وصول) (پیٹ تک پہنچنے کی قید) سے وہ صورت خارج ہوگئی کہ اگر کوئی عورت اپنا تمام پستان دودھ پیتے بچے کے منہ میں داخل کر دے اور معلوم نہ ہو سکے کہ بچے کے حلق میں دودھ داخل ہوا یا نہیں تو نکاح حرام نہ ہوگا کیونکہ مانع (رضاع) میں شک ہے والواجیہ میں اسی طرح ہے)

۱۔ ہدایہ کتاب اللقطہ، ج ۲، ص ۵۹۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اقراسنہ اردو بازار لاہور

۲۔ شرح وقایہ (حاشیہ برجندی) کتاب الرضاع، ۲۷، مطبع نولکشور انڈیا

۳۔ البحر الرائق، ج ۳، ص ۲۲۳ کتاب الرضاع

جواب سوال سوم

جانورے کہ بالائے عقدہ ذبح شود او حرام است، خوردن او حلال نیست اگرچہ بعض روایات مر جوحہ در حل اوست لیکن حلال نہ پندارند و آں روایات را معتبر و مفتی بہ ندارند کہ کار دین و کار حل و حرمت است ایں امر معظم را نیکو نگہدارند تا پاکی مسلماناں بحال ماند۔ و جائیکہ مسکین دستیاب نشود پیش سگان افگندن و یادفن کردن باید۔ و عصات اغنیاء را خورائیدن ہرگز ہرگز جائز نیست چنانچہ در ذخیرہ است قصاب ذبح الشاة فی لیلۃ مظلمۃ فقطع اعلیٰ من الحلقوم او اسفل منه یحرم اکلہا لانہ ذبح فی غیر المذبح لان المذبح ہو الحلقوم (قصاب نے رات کی تاریکی میں بکری ذبح کی حلقوم سے اوپر یا اس سے نیچے کاٹ دیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے کیونکہ اس نے مقام ذبح میں ذبح نہیں کیا اس لیے کہ مقام ذبح حلقوم ہے)

جواب سوال چہارم

اصل تقسیم در گوشت قربانی وزن است و تخمین ممنوع و وجہ عدم جواز قسمت تخمینی آنکہ ایں قسمت بمعنی مبادلہ و مالک گردانیدن یک دیگر است و لحم از اموال ربویہ است و قسمت و تملیک اموال ربویہ بلا وزن جائز نیست چہ احتمال کمی و بیشی دارد کہ موجب ربا است و آں حرام است و وقتیکہ اکار ع یا جلد بر حصہ ضم کردہ شود جنس مختلف گردد و احتمال ربا مرفوع شود پس در ان وقت قسمت تخمینی روا باشد۔ اما شحم از قسم لحم است نہ از قسم اکار ع و جلد پس شحم را اولاد لحم تحلیل گردانیدن بہتر است از اضافہ نمودن بر حصص منقسمہ علی السویہ و اگر بعدہ تقسیم کردہ شود آنرا ہم تقسیم وزنی ضروری است چنانچہ در در مختار است و یقسم اللحم و زنا لا جزا فالالا اذا ضم معہ من الاکار ع او الجلد صرفاً للجنس لخلاف جنسہ ۲ (گوشت کو وزن سے تقسیم کیا جائے نہ کہ اندازے سے ہاں اگر اس کے ساتھ پائے یا چمڑا ملا دیا جائے تو تخالف جنسی کی وجہ سے اندازہ سے تقسیم جائز ہے) و در شامی است قوله لا جزا فالان القسمة فیہا معنی المبادلۃ ولو حلل بعضهم بعضاً ۳ (ماتن کا قول ”کہ اندازے سے“ اس لیے کہ تقسیم میں مبادلہ کا معنی ہوتا ہے اگرچہ ان کے بعض کو بعض میں شامل کر دیا جائے) قال فی البدائع اما عدم جواز القسمة مجازۃ فلان فیہا معنی التملیک

۱۔ الکفایۃ شرح الہدایۃ مع فتح القدیر، ص ۳۱۲، ج ۸، بحوالہ ذبائح الذخیرہ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۲۔ در مختار کتاب الاضحیہ، ج ۲، ص ۲۳۲

۲۔

۳۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی ۳۔ رد المحتار کتاب الاضحیہ، ج ۵، ص ۲۳۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

واللحم من اموال الربا فلا يجوز تملكه مجازفة. واما عدم جواز التحليل فلان الربا لا يحتمل الحل بالتحليل ولانه في معنى الهبة وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا يصح (بدائع میں فرمایا کہ اندازہ سے تقسیم کا عدم جواز تو اس لیے ہے کہ اس میں تملیک جائز نہیں ہوتی ہے اور تحلیل کا ناجائز ہونا اس لئے ہے کہ ربا (سود) تحلیل کے ذریعے حلت کا احتمال ہی نہیں رکھتا اور اس لیے بھی کہ وہ (تحلیل) معنی میں ہبہ کے ہے اور جو چیز تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اس میں ہبہ مشاع کا صحیح نہیں ہوتا)

جواب سوال پنجم

تعین کیفیت غسل میت از شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام صراحتہ معلوم نئے شود از یں وجہ فقہاء کرام ضروری تعین برائے غسل میت نئے کنند بلکہ بعضے بیت نماز را بہتر از گاشته روئے بقبلہ حکم غسل میت دادند۔ وچوں میت موضوعہ بر پشت بصورت نماز روئے بقبلہ شود پائے او خواہ مخواہ بسوئے قبلہ گردد و بعض بیت قبر را مستحسن داشتہ پائے میت بجنوب کردہ حکم غسل بیان کردند بناء علیہ صاحب صغیری فرمود ویو وضع علی قفاه ورجلاه الی القبلة ان امکن والا فکیف تیسرا (اور رکھا جائے میت کو اس کی گدی کے بل اور اس کے پاؤں اگر ممکن ہو تو قبلہ کی طرف ہوں ورنہ جس طرح آسانی ہو)

جواب سوال ششم

مخفی نہاند کہ قول مفتی بہ و مختار اکثر مشائخ ایں است کہ مدار فساد و عدم فساد حصول امتیاز بین المخرجین بمشقت و بلا مشقت است پس اگر باسانی امتیاز ممکن باشد تبدیل یکے بجائے دیگرے مفسد صلوٰۃ است و اگر بمشقت امتیاز حاصل گردد ابدال حرفی بجائے حرفی مفسد صلوٰۃ نیست۔ چنانچہ در شرح منیہ است وان كان الخطاء بابدال حرف فان امکن الفصل بین الحرفین بلا كلفة كالصاد مكان الطاء فاتفقوا علی انه مفسد وان لم یكن الا بمشقة كالطاء مكان الصاد فاكثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی ۲ (اور اگر ایک حرف کو دوسرے کے ساتھ بدلنے کی غلطی ہوئی ہو تو اگر دونوں حرفوں کے درمیان بغیر کسی مشقت کے فرق ممکن تھا جیسے ”طا“ کی جگہ ”صاد“ تو یہ بالاتفاق مفسد صلوٰۃ ہے اور اگر فرق کرنے میں بہت دقت و مشقت پیش آتی ہو جیسے ”ضاد“ کی جگہ ”ظاء“ تو بوجہ عموم بلوی کے اکثر کے نزدیک

مفسد صلوٰۃ نہیں) ودرود مختار است قال فی الخانیة والخلاصة الاصل فیما اذا ذکر حرفا مکان حرف و غیر المعنی ان امکن الفصل بینہما بلا مشقة تفسد وان کان لا یمکن الا بمشقة کالطاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال اکثرہم لا تفسد (اور درود مختار میں ہے کہ خانہ اور خلاصہ میں کہا ہے کہ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا جائے اور معنی بھی بدل جائے تو اگر ان دو حرفوں کے درمیان بلا مشقت فرق ممکن ہو تو نماز فاسد ہوگی اگر بلا مشقت فرق نہ کیا جاسکتا ہو جیسے ضاد اور طاء اور صاد، سین اور طاء، تاء تو اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوگی)

جواب سوال ہفتم

منشاء اس سوال بجز جہالت چیزے نیست چہ اگر مثبت احکام محض آیت قرآنیہ بودے البتہ مطالبہ اش صحیح شدے۔ علاوہ بریں اگر دست بستہ نماز گذاردن ثابت بآیت قرآنی نیست دست کشادہ خواندن بہ کدام آیت ثابت است هذا ما فتح الله علينا في هذا الوقت۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

العبد مہر علی شاہ از گولڑہ

ترجمہ

علمائے دین ان سوالات کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

۱۔ طغیانی کے موقعہ پر جو لکڑی دریا سے نکالی جاتی ہے اور دیہاتی لوگ اسے کام میں لاتے ہیں، مسجد

میں اس کا استعمال کیسا ہے؟

۲۔ اگر بوڑھی عورت بچے کے منہ میں اپنا پستان دے لیکن دودھ بچے کے حلق میں نہ اترے کیا اس

سے حرمت رضاع ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

۳۔ جو جانور عقدہ (گندھی) سے اوپر ذبح کیا جائے اس کی حلت کے متعلق کیا حکم ہے؟

۴۔ قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے، وزن سے یا اندازہ سے؟

۵۔ میت کے نہلانے کا طریقہ شارع ﷺ سے کس طور پر ثابت ہے، کیا اس کے پاؤں قبلہ کی

طرف کرنے چاہئیں یا نہیں؟

۶۔ اگر ضاد کی جگہ ظاء پڑھا جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

۷۔ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنی کس آیت سے ثابت ہے؟

جوابات

۱۔ جو لکڑی طغیانی کے وقت دریا برد ہو جاتی ہے دو قسم کی ہے مملوکہ اور غیر مملوکہ۔ اگر غیر مملوکہ ہو جیسا کہ پہاڑوں اور جنگلوں سے جہاں کسی کی ملکیت نہ ہو، کوئی لکڑی دریا میں آ جائے اور کوئی شخص اُسے پکڑ کر مسجد وغیرہ میں کام میں لائے تو درست ہے کیونکہ اس قسم کی چیزیں کسی کی ملک میں نہیں ہوتیں تا وقتیکہ انہیں اپنے حرز اور حفاظت میں نہ لے آئے۔ اور اگر مملوکہ لکڑی دریا برد ہو گئی اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو لینے والے نے بغرض تعریف و تشہیر اپنی حفاظت میں لی ہے تاکہ بصورت مالک معلوم ہونے کے واپس کر دی جائے۔ ایسی لکڑی لقطہ (گری پڑی چیز) کا حکم رکھتی ہے اور شرعی لحاظ سے امانت ہے۔ اٹھانے والے کو اختیار ہے کہ اُسے بیچ کر اس کی قیمت محفوظ رکھے اور مالک معلوم ہونے کی صورت میں اُسے سپرد کرے یا خود اس چیز کو محفوظ رکھے اور سپرد کرے۔ اور اگر ایسی چیز ہو کہ اس سے کوئی خاص نفع بھی حاصل نہیں ہوتا اور اس کا خرچہ قیمت سے بھی بڑھ جائے گا تو ایسی چیز کو فروخت کر کے قیمت مالک کے سپرد کرے (اور مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں خود صاحب حاجت اور مسکین ہو تو استعمال کر سکتا ہے ورنہ کسی مسکین پر صدقہ کر دے لیکن اس صورت میں جب بھی مالک معلوم ہو گیا وہ اگر ضمانت کے طور پر اسی چیز کی قیمت لینا چاہے تو لے سکتا ہے اور اگر معاف کر دے تو اس کی طرف سے صدقہ ہوگا) اور اگر اٹھانے والے نے مالک کو واپس کرنے کی غرض سے نہیں اٹھائی بلکہ اپنی ذات کے لئے اٹھائی ہے تو وہ غاصب ہے اور اُس چیز کے احکام مغصوبہ چیز کے ہوں گے اور وہ بہر صورت ضامن ہوگا پس اگر لکڑی غیر مملوکہ ہے یا مملوکہ ہے مگر بطور لقطہ اٹھائی گئی ہے اس کا استعمال مسجد میں جائز ہے اور اس مکان کو شرعاً مسجد کہا جائے گا اور اگر مملوکہ ہے اور اٹھانے والے نے اپنی ذات کے لئے اٹھائی ہے تو وہ غصب میں داخل ہے اور اس کا استعمال مسجد میں درست نہیں اور نہ اس لکڑی سے تعمیر شدہ مسجد شرعی لحاظ سے مسجد ہو سکتی ہے جیسا کہ مغصوبہ زمین میں مسجد بنانا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ سے نقل ہوا ہے۔

۲۔ اگر عورت نے پستان بچے کے منہ میں دیا اور اُسے یقین ہے کہ اس کے پستان میں دودھ نہیں اس پر رضاع کے احکام جاری نہیں ہوتے اگرچہ بچہ پستان کو چوسے بھی کیونکہ رضاعت کے ثبوت کا مدار اس بات پر ہے کہ دودھ بچے کے حلق میں داخل ہوا یا نہیں اور اگر عورت کے پستان میں دودھ تھا لیکن اس میں شک ہے کہ دودھ بچے کے حلق میں اُتر آیا نہیں اور پیٹ کے اندر پہنچا ہے یا نہیں تو اس صورت میں بھی شک کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی جیسا کہ برجنیدی اور بحر الرائق وغیرہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہے۔

۳۔ جو جانور عقدہ (گنڈھ) سے اوپر ذبح کیا جائے وہ حلال نہیں اگرچہ بعض ضعیف روایات اس کی حلت کے متعلق موجود ہیں لیکن حلت و حرمت کے معاملہ میں ایسی ضعیف روایات پر عمل درست نہیں۔ لہذا جہاں کوئی مسکین میسر نہ ہو کتوں کے سامنے ڈالنا چاہیے یا دفن کر دینا چاہیے اور غنی لوگ اسے ہرگز استعمال نہ کریں جیسا کہ ذخیرہ کی عبارت سے واضح ہے۔

۴۔ قربانی کے گوشت کو وزن کے ساتھ تقسیم کرنا لازم ہے کیونکہ یہ تقسیم ایک قسم کا مبادلہ ہے کہ ہر حصے دار دوسرے کو تملیک کرتا ہے اور گوشت چونکہ سودی اموال سے ہے لہذا اس میں تخمین اور اٹکل سے تقسیم درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر گوشت کے ساتھ چمڑا اور پائے وغیرہ شامل کر لئے جائیں تو جنس مختلف ہو جانے کی وجہ سے اندازہ سے تقسیم درست ہوگی لیکن چربی ایک قسم کا گوشت ہے۔ اُسے یا تو پہلے ہی گوشت میں ملا دینا چاہیے اور اگر بعد میں تقسیم کی جاوے تو وزن لازم ہوگا جیسا کہ درمختار کی عبارت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ میت کے غسل کے وقت کوئی مخصوص کیفیت شارع علیہ السلام سے منقول نہیں اس لئے فقہاء کرام نے کوئی خاص وضع لازم قرار نہیں دی۔ بعض نے ہیئت نماز کو ترجیح دی ہے اور میت کا منہ قبلہ کی طرف کرنا بہتر خیال کرتے ہیں۔ اندریں صورت میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں گے اور بعض نے قبر میں رکھنے کی کیفیت کو مستحسن قرار دیا ہے۔ لہذا پاؤں جنوب کی طرف کرنے اچھا سمجھتے ہیں جیسا کہ صاحب صغیری نے فرمایا ہے کہ میت کو گردن اور پشت کے بل لٹایا جائے اور اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اور اگر یہ صورت کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو جس طرح سہولت ہو اس طرح کیا جاوے۔

۶۔ مخفی نہ رہے کہ اکثر مشائخ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر قرأت میں ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف تبدیل کیا اور ان میں مخرج کے لحاظ سے امتیاز کرنا مشکل ہے۔ تو قاری معذور ہوگا اور نماز

فاسد نہ ہوگی۔ ورنہ فاسد ہو جائے گی مثلاً صا اور طا کے درمیان فرق آسان ہے۔ لہذا ان میں سے ایک کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا مفسد نماز ہے اور ضا اور ظا میں امتیاز آسان نہیں لہذا آپس میں تبدیل کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ شرح منیہ اور در مختار کی عبارات مذکورہ سے واضح ہے۔

(۷) اس سوال کا منشاء جہالت ہے کیونکہ اگر احکام کا ثبوت فقط آیات قرآنی سے ہوتا تب تو یہ مطالبہ درست تھا۔ علاوہ ازیں اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا آیت قرآنی سے ثابت نہیں تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا کون سی آیت سے ثابت ہے؟

(دستخط حضور قبلہ عالم)

۴۳۔ طاعون زدہ علاقہ سے علاج کے لیے نکل جانے کے متعلق حکم نقل فتویٰ

(یعنی نقل اُس فتویٰ کی جو دربارہ جواز خروج للعلاج از بلدہ طاعونی جناب میاں محمد حیات صاحب قریشی مرحوم و مغفور کی درخواست پر خاص دستخطی حضرت قبلہ عالم غم فیضہم بعد اشاعت فتویٰ جناب قاری عبدالرحمن لکھا گیا تھا)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعونی مقام سے نکل کر محض بغرض تبدیل آب و ہوا حسب تجویز حکماء اپنے مکانوں کے قریب کسی دوسرے مکان یا صحن یا فضاء کی جگہ بستی کے ارد گرد خس پوش جھونپڑی یا خیموں میں لوگ سکونت اختیار کریں اور حق ہمسایہ ترک نہ ہو اور ایک دوسرے کی خبر گیری ہوتی رہے۔ تو باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وهو المملوہم الصواب

بغرض علاج و اصلاح آب و ہوا جو لوگ مرض میں مبتلا ہوں اور جو مبتلا نہ ہوں دونوں باہر نکل سکتے

ہیں کیونکہ جس سرزمین کی آب و ہوا فاسد ہوگئی ہو اس کی اصلاح صحت کے لئے زیادہ مفید ہے۔ فتح الباری اور مرقاة الصعود میں ہے ان استصلاح الاھویۃ من انفع الاشیاء فی تصحیح البدن وبالعکس الخ (موسم اور آب و ہوا کا درست ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو جسمانی صحت اور تندرستی میں سب سے زیادہ مفید اور نفع دینے والی ہیں) لہذا آنحضرت ﷺ نے اہل عرینہ کو ان حالات میں مدینہ پاک سے باہر کئی میل کے فاصلہ پر اونٹوں میں بھیج دیا و عند ابن سعدان عدد قلاصہ علیہ السلام کان خمس عشرة ۲ (اور ابن سعد کے نزدیک حضور ﷺ کی اونٹنیوں کی تعداد پندرہ تھی) و عند ابی عوانہ کانت ترعی بذي الجدر بالجیم وسكون الدال المهملة ناحية قباء قريبا من عين على ستة اميال من المدينة (اور ابو عوانہ کے نزدیک وہ مقام ذی جدر میں چرتی رہتی تھیں جو مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر چشمہ سیدنا علیؑ کے قریب قبا کا ایک جانبی گوشہ ہے) (قسطلانی) اور جس وقت عربین کو آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے باہر نکلنے کی اجازت بخشی تھی اس وقت مدینہ میں عام طور پر مرض پھیلا ہوا تھا۔ مسلم والی حدیث کا جملہ وقد وقع بالمدينة الموم وهو البر سام (اور مدینہ طیبہ میں پیٹ کی بیماری پھیل چکی تھی) ملاحظہ ہو۔ یعنی اہل عرینہ کے مدینہ منورہ میں آنے سے پہلے عنقریب ہی شہر میں مرض پھیلا ہوا تھا کمالا یخفی علی من له ادنی ملکہ فی العربیۃ پس خروج علا جائز ہوا نہ فراراً۔ لہذا عربین والی حدیث اور حدیث صحیحہ واردہ دربارہ نہی فرار میں کوئی تناقض نہیں اور قائل جواز الفرار کا استدلال حدیث عربین سے بوجہ بے غوری اور قلت تدبر سے ہے الفاظ حدیث میں۔ البتہ حدیث مذکور سے جواز العلاج ثابت ہوتا ہے علامہ عینی کا عمدۃ القاری میں در جواب قائل ومستدل مذکور یہ فرمانا کہ مدینہ طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں عام طور پر مرض پھیلا ہوا نہ تھا اور صرف اہل عرینہ کے چند آدمیوں کو آب و ہوا مخالف ہونے کی وجہ سے باہر نکلنے کی اجازت بخشی گئی تھی گویا صورت طاعون ہی نہ ٹھہری مسلم کی حدیث کے اس جملہ کے خلاف ہے حیث قال رداعلی من جوز الفرار من الطاعون محتجا بقصة العربین بانہ لم یکن ذلک فراراً من الوباء اذہم کانوا مستوحشین خاصة دون سائر الناس الخ ۳ (قصہ عربین سے حجت پکڑتے ہوئے طاعون سے فرار کو جائز کہنے والے کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ وبا سے فرار نہیں تھا کیونکہ

۱ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج ۱۱، ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ بیروت (المختص) ۲ طبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۳، المکتبہ القیمہ قاہرہ

۳ عمدۃ القاری، ص ۲۵۹، جزء ۲۱، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

خاص طور پر وہی لوگ بیماری میں مبتلاء تھے نہ کہ دوسرے) مگر چونکہ یہاں پر لزوم خلاف ہے نہ التزام خلاف لہذا علامہ عینی محل طعن نہیں ہو سکتے۔ دراصل وجہ اختیار طرز جواب مذکور کی یہ ہے کہ در وقت ردِ مستدل علامہ عینی کے زیر نظر بخاری کی حدیث ہے جس میں جملہ مذکورہ بالا نہیں، عمدۃ القاری ملاحظہ ہو۔ الغرض نظر بحديث عرنيين واثرا بی موسیٰ مسطورہ ذیل خروج علاجا جائز ہے۔

حضرت عمرؓ نے طاعونِ عمواس میں تمام لشکر کو اردن سے جابیہ پر چلے جانے کا حکم بھیجا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص طاعون میں مبتلا ہو بغرض ازالہ مرض واستنشاہی اہو یہ صحرا اور جو طاعون میں مبتلا نہ ہو بقصد حفظ ما تقدم دونوں طاعونی مقام سے باہر نکل سکتے ہیں اور یہ خروج فراراً نہیں بلکہ علاجا ہے۔ جتنی احادیث نہی خروج میں وارد ہیں سب سے خروج فراراً ممنوع پایا جاتا ہے نہ مطلق خروج۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں باب من خرج الى ارض لاتلائمه کے ذیل میں لکھتے ہیں و ذکر فیہ قصۃ عرنيين وقد تقدمت الاشارة اليها قريبا و كانه اشار الى ان الحديث الذي اوردہ بعدہ فی النهی عن الخروج من الارض التي وقع فيها الطاعون ليس على عمومہ انما هو مخصوص بمن خرج فراراً منه الخ (اور عرنيين کا قصہ اس میں مذکور ہوا ہے اور اس کی طرف اشارہ بھی قریب قریب پہلے گذر چکا ہے اور گویا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حدیث جس کو اس کے بعد طاعون زدہ علاقوں سے نکلنے سے نہی کے بارے میں لائے ہیں وہ اپنے عموم پر نہیں ہیں) (بلکہ) وہ فقط اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو طاعون سے فرار کرتے ہوئے علاقہ چھوڑ جائے) صحیح مسلم والی حدیث یہ ہے عن انس بن مالک قال اتی رسول اللہ ﷺ نفر من عرینۃ فاسلموا و بايعوه وقد وقع بالمدينۃ الموم و هو ا لبر سام فقالوا هذا لوجع قد وقع یا رسول اللہ ﷺ فلو اذنت لنا فخرجنا الى الابل فکنا فیہا فقال نعم فاخرجوا فکونوا فیہا (۲) سیدنا انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرینہ سے ایک گروہ حاضر ہوا، اسلام لایا اور بیعت ہوا اس وقت مدینہ منورہ میں ذات الجنب (نمونہ، ورم سینہ) کی مرض واقع ہو چکی تھی۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ بیماری تو واقع ہو چکی ہے اگر آپ ﷺ ہمیں اجازت بخشیں تو ہم لوگ صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ جارہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تم

۱۔ فتح الباری، ج ۱۰، ص ۲۲۰ کتاب الطب باب من یخرج من ارض مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض

۲۔ مسلم شریف، ج ۲، باب حکم الحاربین والمرتدین، ص ۵۷، ۵۸ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع دہلی

وہاں جائے (علامہ طحاویؒ اس حدیث کو باسناد مذکور نقل فرما کر لکھتے ہیں ففی هذا الحديث ان رسول الله ﷺ امرهم بالخروج الى الابل وقد وقع الوباء بالمدينة فكان ذلك عندنا والله اعلم على ان يكون خروجهم للعلاج لا للفرار. فثبت بذلك ان الخروج من الارض التي وقع بها الطاعون مكروه للفرار ومباح لغير الفرار) (پس اس حدیث میں یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اونٹوں کی طرف جانے کا حکم اس وقت دیا جب مدینہ طیبہ میں وبا واقع ہو چکی تھی۔ یہی حکم ہے ہمارے نزدیک اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ ان کا خروج علاج کے لیے تھا نہ فرار کی غرض سے۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ جن علاقوں میں طاعون کی وبا آچکی ہو وہاں سے بغرض فرار خروج مکروہ اور اس کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے جائز ہے)

ابوموسیٰ کا اثر جس سے سیدنا عمر فاروقؓ کا مع چھ ہزار (۶۰۰۰) صحابہؓ کے علاجی خروج کے جواز پر اجماع پایا جاتا ہے یہ ہے ان عمر کتب الی ابی عبیدۃ ان لی الیک حاجة فلا تضع کتابی من یدک حتی تقبل الی فکتب الیہ انی عرفت حاجتک وانی فی جند من المسلمین لا اجد بنفسی رغبة عنہم فکتب الیہ اما بعد فانک نزلت بالمسلمین بارض غمیقہ فارفعہم الی ارض نزهة الخ ۲ (سیدنا عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ مجھے آپ سے ایک اہم کام ہے خط پڑھتے ہی میری طرف چل پڑو، سیدنا ابو عبیدہؓ نے جواباً تحریر فرمایا کہ میں آپ کی حاجت جان چکا ہوں اور میں اس وقت مسلمانوں کی سپاہ میں ہوں ان سے روگردانی کی ہمت و جرأت اپنے اندر نہیں پاتا پھر (اس کے جواب میں) حضرت عمرؓ نے لکھا کہ (اما بعد) تم مسلمانوں کو ایک نمناک زمین میں اتار چکے ہو ان کو (یہاں سے دور) کسی صاف ستھرے صحت افزاء علاقہ میں پہنچا دو) ابن حجر فتح الباری میں اسی کے متعلق لکھتے ہیں فہذا یدل علی ان عمرؓ رای ان النہی عن الخروج انما هو لمن قصد الفرار متمحضا الخ ثم قال واید الطحاوی صنیع عمر بقصة العرنیین فان خروجہم من المدینة کان للعلاج لا للفرار الخ ۳ (پس یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا عمرؓ بھی نہی عن الخروج کو اس شخص کے لیے مخصوص سمجھتے تھے جو خالص فرار کا ارادہ رکھتا ہو۔ پھر فرمایا کہ امام طحاویؒ نے بھی عرنیین کے قصہ سے سیدنا عمرؓ کے فعل مبارک کی تائید ثابت کی ہے کیونکہ مدینہ منورہ سے (اہل عرینہ) کا خروج علاج کیلئے تھا نہ کہ فرار کرتے ہوئے) پھر بعد اس

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۴۱۷، ۴۱۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۔ فتح الباری، کتاب الطب باب ما یدکر فی الطاعون، ج ۶، ص ۸۴۰، دار المعرفۃ بیروت

کے لکھتے ہیں کہ بخاریؒ نے بھی اسی امر کا لحاظ رکھا ہے ولحظ البخاری ذلک فترجم قبل ترجمۃ الطاعون من خرج من الارض التي لا تلائمه وساق قصة العرنیین^۱ (امام بخاریؒ اسی بات کا لحاظ رکھتے ہوئے طاعون کے عنوان سے پہلے ترجمۃ الباب قائم کیا کہ ”وہ آدمی جو ایسے علاقہ سے نکل جائے جو اس کو موافق نہ ہو“ اور اکمیس قصہ عرنیین کا بیان کیا) منقولہ عبارات سے ثابت ہوا کہ:-

۱۔ علاجاً نکلنا مبتلایا غیر مبتلادونوں کے لیے جائز ہے۔

۲۔ سیدنا عمر فاروقؓ کا بمع چھ ہزار صحابہؓ اسی پر اجماع ہے۔ چنانچہ کنز العمال میں ہے اُسی اثر ابی موسیٰ کے اخیر پر نقل کرتے ہیں قال ابو الموجه زعموا ان ابا عبیدۃ کان فی ستة وثلاثین الفامن الجند فماتو فلم یبق الا ستة الاف رجل الخ^۲ (ابوالموجہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا گمان تھا کہ سیدنا ابو عبیدہؓ چھتیس ہزار فوجیوں میں تھے باقی سب فوت ہو گئے صرف چھ ہزار مرد زندہ بچ گئے)

۳۔ امام جعفر طحاویؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

۴۔ حافظ ابن حجر بھی خروج علاجاً کو ترجیح دیتے ہیں جس سے میلان اس کا جواز کی طرف پایا جاتا ہے

۵۔ متاخرین فقہاء کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ فتاویٰ ہندیہ اور دُرِّ مختار وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

احادیثِ نہی: - فاذا سمعتم به بارض فلا تدخلوها عليه فلا تخرجوا منها فرارا فمن سمع به بارض فلا يقدمن عليه ومن وقع بارض وهو بها فلا يخرج للفرار منه. مسلم. اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا عليه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه^۳ (جب تم سنو کہ کسی علاقہ میں وبا آچکی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر پہلے سے اس مقام پر موجود تھے تو وہاں سے بغرض فرار مت نکلو۔ پس جو شخص کسی جگہ طاعون آیا ہو اسنے تو وہاں پر ہرگز نہ جائے اور جو شخص کسی ایسی جگہ ہو جہاں طاعون آچکا ہو تو وہاں سے وبا سے بچنے کے لئے خروج نہ کرے۔ جب کسی علاقہ میں طاعون کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب طاعون کسی ایسی جگہ واقع ہو جائے جہاں تمہاری پہلے سے سکونت ہو تو اس سے بچنے کے لئے فرار مت کرو)

ان احادیث پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوا کہ خروج فراراً ممنوع و ناجائز ہے۔ کما قال النووی

۱۔ فتح الباری، کتاب الطب باب ما یذکر فی الطاعون، ج ۶، ص ۸۳۰، دار المعرفۃ بیروت ۲۔ کنز العمال، ص ۵۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت صحیح مسلم ج ۱۲، ص ۲۰۸،

دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۔ مسلم شریف، ج ۲، ص ۲۲۸، ۲۲۹، باب الطاعون وغیرہ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع دہلی

والعینی والقسطلانی والزرقانی وابن حجر والطحاوی وغیرہم ” اما الخروج لعارض فلا بأس به“ (جیسا کہ نووی، عینی، قسطلانی، زرقانی، ابن حجر، طحاوی اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ نے فرمایا) ”لیکن کسی عارض کی وجہ سے خروج میں کوئی حرج نہیں“ (وہ احادیث جن کے منطوق سے بیٹھنے والے کو بشرط صبر و احتساب درجہ شہادت حاصل ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم و کنز العمال و مسند احمد وغیرہم کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتے ہیں جن کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو صابراً مستباً نہ ٹھہرے اُس کو درجہ شہادت نصیب نہ ہوگا۔

تمہید:۔ بعض اشیاء کا باہمی تخالف بحسب الحقیقت ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی، گھوڑا، بکری، گائے، نماز، روزہ، چوری، زنا وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض اشیاء کے تخالف کا دار و مدار صرف قصد و نیت پر ہوتا ہے۔ نیت ہی کے تخالف سے اُن کے ماہیات الگ الگ قرار دیئے جاتے ہیں جس پر تخالف فی الاحکام متفرع ہوتا ہے مثلاً صبح سے شام تک امساک یعنی پانی، روٹی وغیرہ ماکولات و مشتمیات کا استعمال نہ کرنا اگر اتفاقی یا افلاس کی وجہ سے ہو تو اس کو صوم (روزہ) نہیں کہا جاتا اور اگر بقصد روزہ ہو تو اس کو صوم کہا جاتا ہے یا خروج من البیت (گھر سے باہر نکلنا) اگر بقصد ادا نماز وغیرہ مشروعات ہو تو اس خروج کو مستحسن کہا جاتا ہے اور اگر بقصد چوری، زنا وغیرہ ہو تو اُسی خروج کو قبیح۔ ایسا ہی مقاتلہ و جنگ میں پیچھے ہٹنا بقصد فرار ناجائز اور بغرض دھوکا دینے مقابل کے تاکہ وہ آگے کو بڑھے اور ہم کو موقع شمشیر زنی اور تیر اندازی کا ملے جائز۔ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا قرأت پڑھنا ممنوع اور بطریق ذکر و دعا جائز وغیرہ علیٰ ہذا القیاس ما نحن فیہ میں بھی طاعونی مقام سے باہر نکلنا بقصد فرار ناجائز اور بغرض علاج جائز۔ خروج للفرار اور خروج للعلاج میں فرق ہے پہلی صورت میں نکلنے والے کا خیال یہی ہوتا ہے کہ خروج کو صرف ذریعہ نجات سمجھتا ہے۔ علاج و مداوی کا خیال قصد اس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ یہاں صرف نکلنے کو ذریعہ نجات نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ پاکیزہ ہواؤں کے استعمال و ہوا خوری کو ذریعہ نجات تصور کیا جاتا ہے اور ملحوظ بالذات اس کا یہی امر ہوتا ہے نہ صرف خروج بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں مقصود و ملحوظ صرف خروج اور بھاگنا ہی ہوتا ہے۔ لہذا فار محض حکیم و معالج کی ہدایات کا خیال نہیں کرتا۔ ہاں بقصد علاج نکلنے والے کو حکیم و ڈاکٹری ہدایت کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔

الغرض دونوں صورتوں میں فرق نہایت غور بنی سے معلوم ہو سکتا ہے عام فہم امر نہیں۔ لہذا سیدنا عمر فاروقؓ جیسے متوکل و کامل الایمان کو بھی ابناء زمان نے طاعون عمواس والے معاملہ میں فار من الطاعون قرار دیا حالانکہ آپؓ قرار من الطاعون کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ راستہ سے آپ کے پیچھے ہٹ جانے کی وجہ جملہ مذکورہ فی الحدیث فلا تدخلوها تھا۔ جس کو اپنی رائے دربارہ مراجعت من الطريق قائم کرنے کے بعد سُن چکے تھے اور سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو دوبارہ تاکید تحریری ہدایت اُردن سے بمعہ لشکر جابیہ کو چلا جانے کی بقصد علاج تھی نہ بغرض فرار۔ چنانچہ آپ کے الفاظ ان الأردن ارض و بیئہ و عمقہ غمیقة وان الجابیة ارض نزهة فاطهر بالمہاجرین الیہا (بے شک اردن ایک وبائی اور نمناک سرزمین ہے جبکہ جابیہ صاف ستھری آب و ہوا والی صحت افزاء جگہ ہے۔ تم مہاجرین کو ادھر ہی ”جابیہ“ لے جاؤ) تبدیل ہوا پر صاف دلالت کر رہے ہیں اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ کا پہلے مکتوب سے انکار اور دوسرے سے بمعہ کل لشکر کے تعمیل کی بناء اسی فرق پر تھی۔ یعنی پہلے انہوں نے فرار سمجھ کر انکار کیا تھا اور ثانیاً علاج خیال فرما کر تعمیل کی۔ قال الطحاوی و علی هذا المعنی واللہ اعلم رجع عمر بالناس من سرغ لا علی انه فار مما قد نزل بهم الخ ثم قال و کذا لک ما اراد بکتابہ الی ابی عبیدہ ان یخرج ہو و من معہ من جند المسلمین انما ہو لنزاهة الجابیة و عمق الأردن ۲ (امام طحاوی فرماتے ہیں اس معنی کی بناء پر (واللہ اعلم) سیدنا عمرؓ نے لوگوں کو مقام سرغ سے واپس بلوایا تھا نہ کہ اس وباء سے بھاگتے ہوئے جوان پر نازل ہو چکی تھی اور اسی طرح سیدنا ابو عبیدہؓ کی طرف منسوب مرسلہ مکتوب سے بھی آپ کی یہی مراد تھی کہ وہ اور تمام مسلمان سپاہ اردن کی نمناک وبائی سرزمین سے نکل کر جابیہ کے صاف ستھرے اور نمی سے پاک علاقہ میں آ رہے) اس کے بعد امام طحاویؒ نے حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کا یہ قول نقل فرمایا کہ اے خدا! لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے طاعون سے فرار کیا حالانکہ میں اس سے بری ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ آپؓ نے ابو عبیدہؓ کو بہ نیت فرار ہرگز نہیں بلایا تھا بلکہ بقصد تبدیل ہوا۔ چنانچہ ان کے فقرات مندرجہ مکتوب سے اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ الحاصل طاعونی مقام سے نکلنے کی چند صورتیں ہیں:-

۱۔ یہ ہے کہ بغرض علاج و اصلاح آب و ہوا ایسی جگہ چلا جائے جس کی آب و ہوا خوشگوار و عمدہ ہو عام ازیں کہ طاعون میں مبتلا ہو یا نہ ہو۔ اس صورت میں بھی اختلاف ہے بعض صحابہ و محدثین صورت فرار کی

۲۔ شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۴۱۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

سمجھ کر اس کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور اسی بناء پر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ پر تہمت قول جواز فرار از طاعون کی لگائی گئی تھی اور بعض صحابہ محدثین اس وجہ سے کہ فرار محض نہیں، جائز کہتے ہیں قال الحافظ فی فتح الباری. ومن جملة هذه الصورة الاخيرة ان تكون الارض التي وقع بها وخمة والارض التي يريد التوجه اليها صحيحة فيتوجه بهذا القصد فهذا جاء النقل فيه عن السلف مختلفا فمن منع نظر الى صورة الفرار في الجملة ومن اجاز نظر الى انه مستثنى من عموم الخروج فراراً لانه لم يتم محض للفرار وانما هو لقصد التداوى (حافظ نے فتح الباری میں کہا کہ من جملہ اس صورتِ اخیرہ کے یہ ہے کہ وہ سرزمین جس کی آب و ہوا مضر صحت ہو اور وہ علاقہ جہاں جانے کے لئے آدمی متوجہ ہو رہا ہے وہ صحت افزاء ہے پس اسی ارادہ سے اسکی طرف متوجہ ہوا ہے تو اس بارے میں اسلاف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ کچھ وہ اقوال ہیں جو فی الجملہ صورتِ فرار کے پیش نظر (خروج سے) منع کرتے ہیں اور کچھ وہ اصحاب ہیں جو بایں وجہ اجازت دیتے ہیں کہ یہ خروج فراری کے عموم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ خروج محض فرار کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف بقصدِ علاج ہے) بنظرِ امعان و تعمق دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایسا خروج جائز و مباح ہے اور اس کی دلیل رائج و قوی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اور طحاوی کی روایات اور چھ ہزار صحابہ کا اجماع اوپر بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ طاعونی مقام سے محض بغرض بچنے کے طاعون سے کہیں دوسری جگہ نکل جائے بغیر اس کے کہ اس کو علاج بہ تبدیل ہو اور احتراز از ہوا فاسد مقصود ہو ایسا خروج ناجائز ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے عدم جواز اس کا بخوبی ثابت ہے۔

۳۔ یہ کہ محض بقصد حاجت دینی یا دنیوی بغیر ارادہ فرار کہیں چلا جائے یہ خروج بالاتفاق جائز ہے قال النووی واتفقوا علی جواز الخروج لشغل وغرض غیر الفرار ودلیلہ صریح الاحادیث ہکذا فی فتح الباری وعمدة القاری وارشاد الساری والزرقانی وغیرہ ۲ (امام نووی فرماتے ہیں کہ طاعون سے فرار کے علاوہ کسی اور مقصد، غرض یا کام کے لئے خروج ہو تو اس کے جواز پر سب متفق ہیں اور اس پر دلیل صریح احادیث ہیں۔ فتح الباری، ارشاد الساری، زرقانی شریف اور ان کے علاوہ

۱۔ فتح الباری کتاب الطب باب الطاعون، ج ۲، ص ۸۳۹-۸۴۰، دار المعرفۃ بیروت۔

۲۔ قول نووی مسلم شریف، ج ۲، ص ۲۲۹ باب الطاعون وغیرہ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع دہلی

دوسری کتب حدیث میں اسی طرح مرقوم ہے)

۴۔ یہ کہ کسی مطلب دینی یا دنیوی کیلئے نکلے مگر ساتھ ہی یہ بھی تبعاً ملحوظ ہو کہ طاعونی مقام سے نجات حاصل ہوگی اس صورت میں اختلاف ہے۔ قال الحافظ فی فتح الباری والثالث من عرضت له حاجة فاراد الخروج اليها وانضم الي ذلك انه قصد الراحة من الاقامة بالبلد التي وقع بها الطاعون فهذا محل النزاع (حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں اور تیسرا شخص وہ ہے جس کو کوئی حاجت پیش آئے اور وہ اس کی طرف جانا چاہتا ہے اور یہ بھی اپنی نیت میں شامل کرے کہ اس نے طاعون والے شہر میں رہنے سے چھٹکارا پانے کا ارادہ بھی کیا ہے یہی صورت محل نزاع ہے)

۵۔ یہ کہ بغرض اصلاح و تبدیل ہو امکان چھوڑ کر اپنے مکانوں کے قریب کسی دوسرے مکان یا صحن یا کھلی فضاء کی جگہ بستی کے ارد گرد جھونپڑے یا خیموں میں سکونت اختیار کرے۔ ایسی صورت میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ حق احياء و اموات عیادت و تجہیز وغیرہ ترک نہ ہو۔ اسی بناء پر فقہاء کا حکم ہے کہ اگر سب بستی والے بستی چھوڑ کر چلے جائیں اور ایک شخص بھی وہاں نہ رہے تو یہ درست ہے کیونکہ اس صورت میں حق تلفی کا اندیشہ نہیں۔ امام غزالی احياء العلوم میں طاعونی مقام سے خروج کے منہی عنہ ہونے کی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ حقوق احياء و اموات ترک کرنے سے گنہگار ہوگا۔ دوسری شرط جواز کی یہ ہے کہ نکلنے والا خروج کو موجب نجات نہ سمجھے۔

تنبیہ:- یہ امر بھی فرق بین العلاج والفرار کی طرح قابل غور ہے عام فہم نہیں دراصل بات یہ ہے کہ نسبت الی السبب حقیقی طور پر منافی ہے شان مومن کے، بلکہ بوجہ انکار از مسبب کفر ہے۔ ہاں مجازی طور پر کوئی مضائقہ نہیں مثلاً انبت الربیع البقل (بہار نے انگوری کو اُگایا) مومن کا مقولہ ہو تو نسبت اُگانے کی، بہار کی طرف مجازی ہوگی اور درحقیقت اُگانے والا حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور یہی جملہ اگر منکر الوہیت کہے تو اسناد حقیقی ہوگا۔ عوام کا یہ کہنا کہ شربت نیلوفر وغیرہ سے مجھے شفا ہوئی اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ شربت مجھے شفا بخشی ہے نہ یہ کہ شربت مستقل طور پر شافی ہے علیٰ ہذا القیاس طاعونی مقام سے نکلنا مومن کے خیال میں حقیقی طور پر بچانے والا نہیں ہوتا بلکہ مجازاً کہا جاسکتا ہے کہ نکلنے سے بچ گیا ہوں یعنی نکلنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تبدیل ہوا کو میرے لئے سبب نجات بنا دیا ہے۔ مشیت ایزدی اسی طور پر ہوئی بخلاف دہری اور

منکر الہیت کے کہ وہ چونکہ اسباب کو موثر مستقل طور پر سمجھتا ہے تو اس کے فاسد خیال میں مشیت ایزدی کو (معاذ اللہ) گذر ہی نہیں لہذا وہ قطعی طور پر نسبت اثر الی السبب کر سکتا ہے یعنی کہہ سکتا ہے کہ نکلنے کی صورت میں ضرور بیج جاؤں گا۔ بخلاف مومن کے کہ وہ نکلنے پر بھی بچنے کے متعلق مشیت ایزدی سمجھتے ہیں۔ یہ ہے معنی قول ذیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا۔ اس میں لفظ (البتہ) قابل غور ہے۔ ”واگر اعتقاد کند کہ اگر نگر بزدالبتہ میرد۔ واگر بگر بزدالبتہ سلامت میماند کافر گردد و نعوذ باللہ من ذالک“ (اگر یہ اعتقاد رکھے کہ اگر طاعون سے نہ بھاگا تو یقیناً مر جائے گا اور اگر بھاگا گیا تو یقیناً سلامت اور محفوظ رہے گا، تو کافر ہو جائے گا) ہمارے خیال میں باہر نکلنے والے مسلمانوں سے کوئی ایسا نہیں جو دہری عقیدہ کے مطابق اعتقاد کرے بلکہ عام لوگ ہر کام میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو ملحوظ رکھتے ہیں اور موثر حقیقی سمجھتے ہیں۔ ف۔ حسب بیان امام غزالی ازالہ ضرر کے اسباب تین قسم پر ہیں۔

۱۔ مقطوع النفع۔ جیسے بھوک پیاس کے لئے کھانا کھانا، پانی پینا اور سانپ، بچھو، شیر، آگ سے بھاگنا

۲۔ موہوم النفع چنانچہ داغنا اور منتر پڑھنا۔

۳۔ مظنون النفع۔ چنانچہ فصد، حجامت، مسہلات کا استعمال، ایسا ہی مجربات کا برتاؤ۔

پہلی صورت میں ترک اسباب نہ صبر ہے نہ توکل بلکہ شرعاً ممنوع ہے۔ دوسری صورت میں ترک

افضل واولیٰ ہے۔ اور استعمال خلاف توکل قال الغزالی فی احیاء العلوم واما الموهوم فشرط

التوکل ترکہ اذہ وصف رسول اللہ ﷺ المتوکلین۔ انتھی! (لیکن وہ اسباب جو موہوم النفع

(جن کا نفع موہومی ہو) ہیں تو شرط توکل اس کا ترک ہے کیونکہ رسول ﷺ نے متوکلین کو اسی کے ساتھ موصوف

فرمایا) تیسری صورت میں نہ ترک ضروری ہے اور نہ استعمال خلاف توکل امام غزالی فرماتے ہیں واما

الدرجة المتوسطة وهي المظنونة كالمداواة بالاسباب الظاهرة عند اطباء ففعله ليس منا

قضاً للتوکل بخلاف الموهوم و ترکہ ليس محظوراً بخلاف المقطوع بل قد يكون افضل

من فعله فی بعض الاحوال وفي بعض الاشخاص فهي على درجة بين الدرجتين ويدل

على ان التداوی غیر مناقض للتوکل بفعل رسول اللہ ﷺ وقوله وامره الخ ۲) (لیکن درجہ

متوسطہ کے اسباب یعنی جو مظنون النفع ہے جیسے اطباء کے پاس اسباب ظاہری سے علاج معالجہ ہے تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے موہوم النفع کے برعکس۔ اور اس کا ترک منع بھی نہیں بخلاف مقطوع النفع اسباب کے بلکہ بعض احوال میں اور بعض اشخاص میں کبھی اس کا ترک اس کے کرنے سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔ تو یہ دو درجوں کے درمیانی درجے پر ہوا اور اس پر دلالت کر رہا ہے کہ علاج کرنا توکل کے خلاف ہرگز نہیں ہے، رسول پاک ﷺ کا فعل اس پر دلیل ہے (طاعونی مقام سے باہر نکل کر دوا کرنا اور ہواپا کیزہ سے متفع ہونا بقول اطباء و شہادت تجربہ مظنون النفع ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی اجازت اور حضرت عمر فاروقؓ کے ارشاد سے پاکیزہ ہوا کا مفید ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ واقعہ اہل عرینہ اور قصہ طاعون عمواس اس پر شاہد ہے۔ بناء علی المذکور طاعونی مقام میں بیٹھ کر یا باہر نکل کر دوا کرنا جائز ہوگا۔ ہاں باہر چلا جانے کو بدیں وجہ کہ اس سے حقوق احياء و اموات بیمار پری و خبر گیری و تجہیز و غیرہ فوت ہوں گے، ناجائز کہہ سکتے ہیں اور امام غزالیؒ نے باہر نکلنے کی منہی عنہ ہونے کی علت بھی بیان فرمائی ہے حیث قال بل العلة فی النهی عن مفارقة البلد بعد ظهور الطاعون انه لو فتح هذا الباب لا رحل عنه الا صححاء وبقى فيه المرضى مهملين لا متعهده لهم فيهلكون هزلاً وضرراً (فرمایا بلکہ طاعون ظاہر ہونے کے بعد) متعلقہ (شہر چھوڑ جانے سے روکنے میں علت یہ ہے کہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو تمام تندرست اور صحت مند افراد وہاں سے دور نکل جائیں اور تمام مریض وہاں پر باقی رہ جائیں جن کی کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی کوئی علاج معالجہ کا ذریعہ۔ تو وہ بے چارے نقصان زدہ اور شکست خوردہ ہو کر ہلاک ہو جائیں گے)

ناظرین انصاف پسند ملاحظہ تحریر ہذا سے سمجھ سکتے ہیں کہ خروج للعلاج بقول امام طحاویؒ جو حنفیہ کے مسلم محدث اور سرگروہ ہیں جائز ہے اور اس پر حدیث مرفوعہ و اثر صحابہ بھی پیش کرتے ہیں اور فقہاء نے بھی طاعون کے باب میں امام طحاویؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے فتاویٰ عالمگیری، ہندیہ و درمختار ملاحظہ ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ در صورت مندرجہ استفتاء شہروں سے باہر نکل کر بیٹھنے والوں کو مع مراعاة حقوق احياء و اموات علماء کا فر قرار دینا اور ان کو بغیر از جنازہ دفن کرنا اسی بناء پر ہوا کہ انہوں نے فرق فرار اور علاج میں نہیں سمجھا بلکہ الٹا بصورت معلومہ قائل بالجواز کو مخالف قرآن و احادیث و فقہاء و اولیاء ٹھہرایا حالانکہ آیت کریمہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ اِلٰی آخِرِ الْاٰیَةِ ۚ اور تفاسیر اور احادیث میں خروج للعلاج کا ذکر ہی

نہیں کما لا یخفی علی المنصف المتدبر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ پر تہمت قول بجواز فرار بھی گونا سمجھی کی وجہ سے باندھی گئی تھی مگر ہمارے موجودہ زمانہ کے بعض اہل علم نے مزید برآں مفتی اور مستفتی دونوں کو کافر قرار دیا، عفی اللہ عنہم۔ بزعم اُن کے چھ ہزار صحابہؓ معہ حضرت عمر فاروقؓ اور امام ہمام ابو جعفر طحاوی و حافظ ابن حجر و قسطلانی و دیگر فقہاء (معاذ اللہ) یہ سب لوگ قرآن اور حدیث کے محرف و کافر ٹھہرے اور قرآن و حدیث میں معاذ اللہ تناقض ہوا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (اے ہمارے رب! ہماری خطا اور نسیان پر ہماری گرفت نہ فرما)

ہماری تحریر ہذا کا حاصل طاعونی مقام سے خروج علا جا جائز بشرطیکہ حقوق احياء و اموات فوت نہ ہوں نہ یہ کہ واجب ہے اور ضرور ہی نکلے بلکہ عدم خروج میں تقویٰ و احتیاط ہے چنانچہ سال گذشتہ والی طاعون میں اسی پر ہمارا عمل رہا اور سکون موجب اجر شہادت مگر بشرط صابر اور محتسب ہونے کے نہ یہ کہ دینہ کو نہیں چھوڑ سکتا اور سوائے طلب شہادت کے کوئی اور امر مد نظر نہ ہو ورنہ شہید نہ ہوگا شہادت کے لئے پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱)۔ طاعونی مقام (۲)۔ عدم خروج و فرار (۳)۔ صبر (۴)۔ احتساب (۵)۔ توکل علی اللہ۔ صورت مندرجہ استفتاء میں پہلے امر کا تحقق بدیں وجہ ہو سکتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فناء مصر میں ادا عید و جمعہ جائز ہے حالانکہ لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع (۲) مصر جامع کے بغیر نہ کہیں جمعہ جائز ہے نہ تشریق) صحیح و مسلم ہے عند الحنفیہ امام شعرائی وجہ قول حنفیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں وجہ قول ابی حنیفہؒ ان ما قارب الشئ اعطی حکمہ ۳ واللہ اعلم و علمہ اتم (جو چیز جس کے قریب ہو اس کو حکم بھی اسی کا دیا جاتا ہے) پہلی شرط کا انتقال بھی اگر مانا جائے تو اصل مطلب یعنی صورت مسطورہ میں خروج کے جائز کہنے کو مضر نہیں۔

والعلم عند الله وعليه التكلان

هذا ما في علمي القاصر الان

والصلوة والسلام على سيد ولد عدنان

والحمد لله اولاً و آخراً

والله وصحبه طرأ ما دارت النيران

ما تعاقب الملوان

العبد الملتجى الى الله المدعو بمهر على شاه عفى عنه ربه بقلم خود از گولڑہ

۴۴۔ معاہدہ کے خلاف مدعی کے دعویٰ کرنے کے متعلق حکم

استفتاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع محمدی ﷺ اس بارہ میں کہ ایک شخص کی چوری ہوئی وہ ایک مخدوم صاحب، جو کہ بڑے متقی و پرہیزگار ہیں، کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھ کو تمام گاؤں کے لوگوں سے قسم لے دیویں۔ انہوں نے تمام شہر کو بلا کر مسجد میں قرآن شریف سامنے رکھ کر قسم لی اب اس قسم کے بعد اگر وہ شخص گاؤں مذکور کے لوگوں پر شبہ کرے تو آیا مدعی مذکور کو اجازت ہے یا کہ نہیں؟ باوجودیکہ بموجب قول شامی فی الجلد الرابع ص ۶۵۱ قوله حلفه الحاکم ولا یبطل حقه بيمينه ولا یبطل مع هبیه لکنه لیس له ان یخاصم ما لم یقم البینه علی وفق دعواه فان وجدها اقامها وقضی له بها نیز یہ بھی معاہدہ ہوا کہ اگر قسم کے بعد اگرچہ کسی شخص پر صریحاً معلوم ہوا تو میں کوئی دعویٰ مال نہیں کروں گا۔ آیا یہ معاہدہ بھی کوئی حقیقت رکھتا ہے یا کہ نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو کس کے حق میں۔ بینوا تو جروا

الجواب وهو المملھم الصواب

مدعی کو اجازت ہے کہ مدعی کی دعویٰ کی شرعاً اجازت ہے کما فی البدائع والبحر الرائق والدر المختار اور معاہدہ مذکورہ دعویٰ کرنے سے مانع نہیں کما فی الدر المختار او قال اذا حلفت فانت برئ من المال ثم برهن علی الحق قبل، هکذا فی البدائع والبحر الرائق والدر المختار ۲ (اس نے کہا جب تو حلف اٹھائے تو مال سے بری ہوگا پھر حق پر برہان (دلیل) قائم کی تو قبول کی جائے گی)

العبد مہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

۴۵۔ کانگرس میں شمولیت كے متعلق حضرت كا ارشاد

سوال :- کیا مسلمان كو کانگرس میں شامل ہونا چاہیے یا نہ؟

جواب حضرت قبلہ عالم

مکرمی شاہ صاحب وفق اللہ تعالیٰ الجانبین لما یحب ویرضی

تسلیم استدعاء دعاء، میری رائے میں یہ شمولیت اسلام كے برخلاف اور ناجائز ہے (بوجہ علالت طبع

جو مدت مدید سے لاحق ہے) زیادہ عرض نہیں کر سکتا

العبد :- دعا گوئی و دعا جوئی از گولڑہ بقلم خود۔

۴۶۔ تحریک خلافت اور بیعت امامت كے متعلق

مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی كا خط اور اُس كا جواب

(حضرت كا تعلق دارالعلوم فرنگی محل سے اپنے زمانہ طالب علمی سے تھا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے آپ كے دیرینہ مراسم

تھے۔ مولانا جمعیت العلمائے ہند سے بھی منسلک تھے جو مسلمانان ہند کی ایک سیاسی جماعت تھی ان دنوں تحریک خلافت كا چرچا

تھا۔ مولانا نے حضرت کی خدمت میں اسی تحریک كے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اُس وقت كے حالات كے تحت بیعت

امامت كے شرعی جواز كے متعلق استفسار تھا۔ مولانا كا خط من و عن درج کیا جاتا ہے تاكه حضرت كا جواب سمجھنے میں آسانی ہو اس

خط كے مضمون سے پتہ چلتا ہے كه مولانا كے اپنے خیال میں ایسی بیعت خلاف سنت تھی مگر ان کی جماعت کی رائے مختلف تھی)

دفتر جمعیت العلماء و کٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ۔ ۲۶ شوال ۱۳۳۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مکرمی دام مجده السلام علیکم۔ چند امور متعلق امامت استرشاداً التماس كئے جاتے ہیں امید ہے كه ان

كے جواب سے سرفراز کیا جاؤں گا۔ مقصد صرف اصلاح ہے نہ فساد، نہ کسی منصب کی طلب، نہ کسی شخصیت سے

عناد ہے اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہیے۔ میں اس جگہ اُن خطرات و شبہات کو بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالتِ مجبوری کے پیش آنے والے ہیں نہ ان افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قسم کے سرزد ہوئے نہ اُن تجربات کو ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں غدر کے وقت حاصل ہوئے اور جن پر نظر کر کے یہ تحریک دبی رہی اور علماء نے اس کے اجراء پر جرأت نہیں کی میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

سوال اول:۔ مسلمانانِ ہند میں جس قدر مذہبی، سیاسی انتشار ہے اس کے دفع کرنے کے لئے کیا جمعیت علمائے ہند کافی نہیں ہے اور اس کی اصلاح پر اور استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ عقائد و عبادات میں کسی مرکز کا قائم ہو جانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟

سوال دوم:۔ بیعتِ امامت جب کبھی کسی غیر مقلد (وہ شخص جو شرعی طریقوں کے بغیر مدعی امامت ہونے کی ہے اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر نا کامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونہ ہندوستان میں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے بلا ضرورت اقدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

سوال سوم:۔ مجھے جہاں تک علم ہے استیلاءِ کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلافِ سنت ہے۔ بلکہ دار الحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جناب کو ثبوت ملا ہو تو اس سے ضرور ایماء فرمائیے میں بیعتِ ہجرت اور جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفاء کر لوں گا اس واسطے کہ مقصد ان بیوع کا مشترک ہے اگر اس قسم کی بیعت ثابت ہوگئی تو بلا توقف میں قبول کر لوں گا۔ ورنہ خطرات و شبہات کے ہوتے ہوئے اور تجرباتِ اکابر پر جو رائے مبنی ہے اس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے۔ باوجود اس کے جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں ہے۔ فقط

فقیر محمد قیام الدین عبدالباری، فرنگی محل لکھنؤ

(حضرت نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مولانا عبدالباری صاحب کی علمی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا۔ اس کا مختصر مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہندوستان میں اس وقت انگریز کی حکومت تھی اس لیے خلافت یا امامت اسلامیہ کا وہاں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا اندر ایں حالات بیعتِ امامت یا بیعتِ خلافت بھی غیر متصور تھی اور اگر مولانا اپنی جماعت کے اصرار پر ایسا کر بھی لیں گے تو ثبوتِ شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اقدام غیر شرعی اور غیر دانشمندانہ ہوگا)

الجواب وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده اما بعد

جناب كے سوالات ثلاثہ مرسلہ بذریعہ ڈاك موصول ہوئے تعمیلاً للارشاد ما حضر پیش خدمت ہے ورنہ بوجه عدم بضاعت علمیہ وكم فرصتی میں اس قابل نہیں كہ جوابات كے لیے مجھے مخاطب بنایا جائے۔ جناب نے فرمایا ہے كہ میں تین سوال كرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ كن سمجھتا ہوں۔ میں جناب كے سوالات ثلاثہ كا صرف ایک ہی جواب فیصلہ كن سمجھتا ہوں وهو هذا:-

امامت یا خلافت چونكہ عبارت ہے ریاست و تسلط عام سے تصدی (معرض ہونا) میں اقامت دین كے لئے جس كے تحت میں كئی انواع مندرج ہیں مثلاً احياء علوم دینیہ و اقامت اركان اسلام و قیام بالجہاد وما يتعلق به چنانچہ ترتیب جیوش (لشكر) و فرض للمقاتلہ یعنی فنی (وہ مال جو حكومت اسلامیہ كو بلا مقابلہ كفار سے ملے) میں سے ان كو دینا اور قیام بالقضاء اور اقامت حدود و رفع مظالم و امر بالمعروف و نہی عن المنكر نیلۃ عن النبی ﷺ۔ تو صورت استیلاء كفار یا دار حرب جب امامت ہی متصور نہیں تو بیعت امامت كا کیا معنی؟ اور طریق چہارگانہ انعقاد امامت كا کیا ذكر۔ ریاست عامہ كے مفہوم میں تعلیم علماء مسلمین جو علوم دینیہ كی اشاعت فرماتے رہے اور قضاء قضاء امصار و تعمیلات امراء جیوش بعہد خلافت و امامت داخل نہ تھیں تو آج كل بحالت استیلاء كفار جمعیت علماء كی كاروائی یا نام كی مدافعت كے لئے تسلط اور ریاست كے مفہوم میں داخل ہونے كا کیا استحقاق ہے۔ خلاصہ یہ كہ موجودہ زمانہ میں علماء كی كاروائی نہ خلافت ہے نہ امامت تا كہ منجملہ طرق اربعہ انعقاد بیعت كو بھی فی الجملہ ضروری سمجھا جائے اور نہ كوئی شخص در صورت استیلاء بیعت لینے كا مستحق ہے اور نہ اس كے لئے جائز۔ کیونكہ در صورت عدم مكافات بہ تصریح فقہاء كرام امام كے لئے قتل و مقاتلہ مباح نہیں۔ مذہبی سیاسی انتشار كی مدافعت میں جمعیت العلماء كی غیر مبصرانہ و كور و كزانہ تحریكات نے بغیر اس كے كہ محرك و محرك الی كابل كو مضحكہ محل تمسخر كفار بنایا ہو كیا فائدہ بخشا؟

معروض ہذا میں تدبر فرمانے كے بعد جناب خود ہی اپنے ارشاد مندرجہ سوال سوم (میں بیعت ہجرت و جہاد كے ثبوت پر اکتفا كروں گا) شرطیہ صادقہ بصدق الربط الايجابي ٹھہرائیں گے نہ یہ كہ اس كو بصدق الطرفین او احدہما صادق ما بین تجربیات اكابر۔ بقول حافظ:

بشنو كہ پند پیراں ہچت زیاں نہ دارد

مبنی علیہ للآراء ہونے کے مستحق ہیں اور یہی دانشمندی ہے ہذا ما عندی والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاً و آخراً والصلوة والسلام منہ باطناً علیہ وظاہراً و آلہ وصحبہ طراً۔
العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود

۴۷۔ مسلمانان ہند کے حکومتِ برطانیہ سے تعلق کی تحقیق اور آزادی حاصل کرنے کا شرعی طریقہ

(بجواب خط حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ سجادہ نشین سیال شریف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مکرمی و معظمی جناب سجادہ نشین صاحب دامت عنایتکم
تسلیمات۔ تعمیلاً للارشاد بجواب سوالات ثلاثہ گذارش ہے:-

سوالِ اوّل:- جناب کے خیال میں شریعتِ اسلامی کے رو سے مسلمانان ہند کو کیا کرنا چاہیے اگر حمایتِ اسلام ان پر فرض ہے تو بے دست و پا مسلمان جو مادی قوت نہیں رکھتے، بے دست و پا حمایت کا کیا طریقہ اختیار کریں؟

جوابِ اوّل:- بلحاظ مصائب دائرہ نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ کل اہل اسلام کو حاکم سے محکوم تک منشاء مصائب کا ازالہ کرنا چاہیے یعنی تہ دل سے خضوع و خشوع ربنا ظلمنا انفسنا الآیہ۔ جناب باری عز اسمہ عرض کریں اور اپنے نام شروع افعال سے تائب ہوں قال تعالیٰ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم الآیہ ۲۳ از ماست کہ برماست ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس ۳ تا کہ یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم ۴ کی تعمیل میں حسب وعدہ صادقہ کان حقاً علینا نصر المؤمنین ۵ کی کامیابی ہو۔ آیہ استخلاف میں قید و عملوا الصالحات واجب

۱۔ القرآن، الاعراف، آیت ۲۳ ۲۔ القرآن، الرعد، آیت ۱۱ ۳۔ القرآن، الروم، آیت ۴۱ ۴۔ القرآن، التحريم، آیت ۹ ۵۔ القرآن، الروم، آیت ۴۷

الحفاظ و مدار حکم لیستخلفنہم فی الارض ہے اور ظاہر ہے کہ ارشاد جہاد کریمہ سیف کا تعلق سلاطین اسلام و اصحاب جمعیت سے ہے۔ خدا کرے کہ سلطنتِ مظلومہ اسلامیہ ظالموں کے پنجہ سے (خذلہم اللہ تعالیٰ) نجات پا کر بعد حصول جمعیت و استطاعت جس کی مدار قلت و کثرت نہیں بلکہ تقویٰ و قوت ایمانیہ ہے تعمیل آیہ کریمہ مذکورہ بالا کا اعزاز حاصل کرے بغیر اس کے امام کو بھی قتال مباح نہیں، مسلمانان ہند کی ہستی تو بیچ ہے مصرحہ و مسلمہ فقہاء کرام ہے ہذا اذا غلب ظنہ انہ یکافیہم و الا فلا یباح قتالہم (یہ اس وقت ہے جب اس کو گمان غالب ہو کہ وہ ان کا مقابلہ کر سکے گا ورنہ ان سے جنگ مباح نہیں)

سوال دوم:- حکومتِ برطانیہ کے ساتھ نصرت و حمایت کے تعلقات رکھنا، جن پر حکومت کو قوت و شوکت حاصل ہے حرام ہیں یا نہیں؟

جواب دوم:- ایسے تعلقات جن میں اعانتِ کفر و معصیت ہو مسلم سے بھی حرام ہیں فضلاً عن الکافر بغیر ان کے دنیوی معاملات جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو۔ بغیر مرتد کے کسی کافر سے مطلقاً تصریح فقہاء حرام نہیں البتہ بلحاظِ مظالم دائرہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کلی بندش ہو سکے تو کسی قدر انتقامی مد میں شمار کی جاسکتی ہے و ما ہذا علی اللہ بعسیر (یہ بات اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے) مگر اصلی طریق ازالہ منکراتِ دائرہ کا وہی ہے جو آیہ کریمہ بالا میں ہے۔

سوال سوم:- دنیوی لحاظ سے جو معمولی ہستیاں تھیں لیکن ان کے دل درِ اسلامی سے معمور تھے انہوں نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دی ہے عوام کو مطلع کرنے کے لئے تحریر سے تقریر سے وہ فریضہ تبلیغ انجام دینے میں سرگرم نظر آتی ہیں لیکن جو ہستیاں اسلام کے علمبردار اور مخلوق کی نظر میں باوقار اور مؤثر تھیں وہ ساکت ہیں گویا ان میں جس ہی نہیں؟

جواب سوم:- جناب خیال فرما سکتے ہیں کہ جب معمولی ہستیوں کا یہ حال ہے تو علمبردار ہستیاں ازالہ مظالم واردہ میں ساکت و بے حس کیسے ہو سکتی ہیں فرق اتنا ہے کہ بوجہ اختلافِ آراء دربارہ مدلولات آیات بینات و مشروعیت و نامشروعیت خصوصیات و کیفیاتِ جلسات در صورتِ شمولیت بوجہ تفرقہ اصلی مدعوت فوت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حسب طرزِ مشائخ کرام حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ و حضرت خواجہ اللہ بخشؒ و سیدنا حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالویؒ و توفیقہ تبلیغ میں دریغ نہیں۔ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیق استقامت برصراطِ مستقیم عنایت فرمادے۔ زیادہ زیادہ۔

نیازمند از گولڑہ

۴۸۔ علم فقر کا ماخذ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء طریقت و مفتیانِ راہِ حقیقت و معرفت اس مسئلہ میں کہ

۱۔ علم فقر و تصوف قرآن کریم و حدیث کے اندر ہے یا اس سے علاوہ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ علم سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے؟

۲۔ پیر کے لیے سجدہ جائز ہے یا نہیں، ولیوں نبیوں کی قبروں کے لیے سجدہ کا کیا حکم ہے۔ بوسہ قبروں یا پیر کے پاؤں کا علیحدہ بات ہے بحث طلب نہیں؟

۳۔ پیر کو نذرانہ میں نقد یا کوئی اور چیز پیش کرنا یہ للہ میں داخل ہے یا نہ اور پیر و مرید دونوں کو اس نذر کے متعلق کیا تصور کرنا چاہیے۔ اللہ واسطے کا یا کسی دیگر طور پر۔ پیر کا نذرانہ اختیاری ہے یا لازمی، اگر لازمی ہے تو کیا پیر جب چاہے طلب اور وصول کر سکتا ہے یا مرید کے اختیار میں ہے کہ جب چاہے ادا کرے؟

۴۔ خدا اور رسول میں کسی قسم کا فرق ہے یا نہیں؟

۵۔ مرید کو یہ تلقین کرنا کہ بوقت ارتکاب گناہان کبائر تم یہ تصور کر لیا کرو کہ خدا کر رہا ہے۔ کیا ایسا تصور کرنے سے مرید کے ذمہ گناہ عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۶۔ نماز کو قواعد پر پڑیا یہ کہ نماز ۴ آنے کی مزدوری ہے اور دیگر اوراد و اشغال ہزار روپیہ کے مزدور کی نسبت رکھتے ہیں، کیا علماء طریقت ایسا عقیدہ مبنی بر صحت قرار دے سکتے ہیں؟ پیر کے لیے علم قرآن و حدیث ضروری ہے یا نہیں اور بے علم پیر کا مرید کرنا کیسا ہے؟ نیز میرا سوال اس کے جواب کے ہمراہ ہونا چاہیے۔

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم . الحمد للہ لو لیہ والصلوة علی نبیہ وآلہ وصحبہ .

۱۔ علم فقر و تصوف قرآن کریم و حدیث سے باہر نہیں ہے مگر حسب ارشاد نبوی ﷺ قرآن کے لیے ظہور اور بطون دونوں ہیں اور بطون کے سات مراتب بیان فرمائے ہیں۔ بیان ظہور کو تفسیر کہا جاتا ہے جس کا منکر خارج از اسلام اور ملحد ہے اور بطون کا منکر صرف محبوب یا اندھا یا پوری سمجھ سے عاری کہلانے کا مستحق ہوگا۔ بلحاظ بطون قرآن کہا جاسکتا ہے کہ بعض سرائر و مخفیات اس علم کے سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں مگر یہ ہرگز ہرگز ممکن نہیں اور نہ کسی محقق صوفی کا مسلم امر ہے کہ معاذ اللہ ظہور اور بطون قرآن میں تخالف اور تضاد ہو اور اگر کسی نے تخالف و تضاد سمجھا ہے تو اُس کی سمجھ اور شہود کی غلطی ہوگی۔

۲۔ پیر کے لیے سجدہ جائز نہیں، ایسا ہی نبی اور ولی کی قبر کے لیے بھی۔ پیر اور ولی و نبی صوفیہ و ہود یہ کرام کے نزدیک بھی مراتب خلقیہ سے ہیں نہ حقیہ سے اور ان حضرات کا مسلمہ اور مشہور مقولہ یہ ہے کہ حفظ مراتب نکی زندگی۔ بحضور پیر پیش کردہ اشیاء کا حکم حسب نیت ہوگا۔ اگر قصد صرف اظہار عقیدت اور طیب خاطر پیر منظور ہے تو اُس کو ہدیہ اور پیش کش کہا جاتا ہے اور اگر نیت صدقہ کی ہے تو اُسے صدقہ کہا جائے گا اور شرائط مصرف صدقہ ملحوظ ہوں گے۔ بہر کیف نذر یا نذرانہ کہنا شرعاً ممنوع ہے۔ نذر بغیر حق سبحانہ و تعالیٰ مخلوق کے لیے جائز نہیں۔ مال کا پیش کرنا بحضور پیر مستحسنتات سے بقصد مذکورہ بالا ہوگا نہ واجبات سے اور عند الضرورت۔

۳۔ خدائے عز و جل خالق ہے اور معبود اور جامع مراتب حقیہ۔ اور رسول ﷺ مخلوق اور عبد اور منجملہ مراتب خلقیہ۔ گر حفظ مراتب نکی زندگی۔

۴۔ مُرید کو یہ تلقین کہ بوقت ارتکاب جرائم یہ تصور کر لیا کرو کہ خدا کرتا ہے ہدایات قرآنیہ مثلاً (ربنا ظلمنا انفسنا) و نیز (ما اصابک من مصیبة فمن نفسک) وغیرہ وغیرہ کے علاوہ مسئلہ مسلمہ مذکورہ بالا ”گر حفظ مراتب نکی زندگی“ کے بھی برخلاف ہے۔

۵۔ نماز کو پریڈ یا چار آنے کی مزدوری اور باقی اشغال و اوراد کو ہزار روپیہ کی مزدوری کہنا سراسر غلط اور جہالت ہے۔ حدیث قدسی کی رو سے فرائض جیسا کوئی عمل موجب رضائے الہی نہیں۔

مضامین مسطورہ تفصیل طلب ہیں مگر بوجہ کم فرصتی زیادہ لکھنے سے معذور ہوں یہی میرا عقیدہ اور
فہم والعلم عند اللہ .

حررہ

الملتجی الی اللہ عبدہ المذنب مہر علی شاہ جعل آخرتہ خیر امن
اولہ وصحبہ اولیائہ قرت بها عیناہ ابتغاء لمرضاہ بقلم خود



مسائلِ طلاق

۴۹۔ پنجابی لفظ ”چھوڑنا“ اور عربی لفظ ”طلاق“

کے مترادف کے متعلق حضرت کا محاکمہ

استفتاء

اگر کوئی شخص اپنی عورت سے مذاکرہ طلاق میں یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا چھوڑا چھوڑا (تین مرتبہ) آیا طلاق واقع ہوگی یا نہ؟ بینوا بحوالہ الکتاب و بسند رسول اللہ المستطاب۔

جواب:- طلاق عربی لفظ ہے۔ ہماری پنجابی میں اس کا استعمال اسی لفظ مذکور سے ہوتا ہے چنانچہ ہمارے عرف میں لفظ مذکور مرادف طلاق سمجھا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں طلاق کے معنی دفع القید الثابت بالنکاح کے آتے ہیں چنانچہ متن کنز الدقائق وغیرہ میں مذکور ہے۔ ہماری زبان میں لفظ مذکور بعینہ اسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر کسی بچہ سے دریافت کیا جائے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے کہہ دے تو اس کے کیا معنی ہوں گے تو بچہ ضرور کہے گا کہ اس سے رشتہ نکاح توڑنا مقصود ہے۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ طلاق اور لفظ مذکور مرادف ہیں۔ پس طلاق کا مرادف ہونا جب ثابت ہو گیا تو اس سے طلاق صریح واقع ہوگی چنانچہ کتب فقہ شریف میں اس کو صریح لکھا ہے اذا قال الرجل لامرأته ”بہشتم ترا“ فاعلم ان هذا اللفظ استعمله اهل خراسان و اهل عراق في الطلاق و انه صريح عند ابی یوسف حتی کان الواقع بها رجعیاً بدون النية وفي الخلاصة اخذه الفقيه ابو الليث وفي التفرید و علیہ الفتویٰ تم (جب آدمی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے میں نے چھوڑا) (بہشتم ترا) پس جان لے کہ اس لفظ کو اہل خراسان، اہل عراق طلاق میں استعمال کرتے ہیں اور بیشک وہ ابو یوسف کے نزدیک صریح ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ بغیر نیت کے رجعی واقع ہوگی۔ خلاصہ میں ہے کہ ابوليث فقیہ نے اس کو اخذ کیا اور تفرید میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے) پس عبارت مذکورہ سے طلاق ہونا لفظ مذکور کا ثابت ہو گیا اور نیز صریح ہونا بھی۔ اب چونکہ تین مرتبہ کہا گیا ہے۔ اس لئے بغیر تحلیل ثانیاً نکاح جائز نہیں۔ ہذا ہو حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احقر عباد اللہ الصمد مفتی عطاء محمد رتوی

الجواب صحیح عبدہ محمد کئی غشی عنہ، ہذا هو الحق فقیر غلام احمد مفتی ممکساری

اقول:- یہاں کئی مغالطے ہیں۔ طلاق عربی اور چھوڑی پنجابی کے ایک دوسرے کے مقام پر استعمال ہونے سے مترادف ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مترادف نام ہے مترادفین کے متساوین ہونے اور اس اطلاق میں سے یہ تناسب مفہوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسا اطلاق عام و خاص میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ مجیب صاحب نے بچہ سے دریافت کرتے وقت خود بھی اضافت کے بغیر چارہ نہیں سمجھا۔ بخلاف لفظ طلاق کے کہ اس کا مفہوم متعارف حاصل کرنے کے لئے کوئی اضافت موقوف علیہ نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ”زید نے طلاق دے دی ہے“ تو بلا شک یہی سمجھا جاوے گا۔ کہ اس نے اپنی منکوحہ سے قید نکاح ہٹالی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر کہا جائے ”زید نے چھوڑ دی“۔ تو یہ مطلب ہرگز متشخص فی الذہن نہیں ہوتا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرف کا دعویٰ کرنا بسبب مغالطہ کے ہو گیا ہے۔ عرف میں لفظ طلاق کا متعلق سوائے منکوحہ کے اور کوئی شے نہیں ہو سکتی مگر لفظ چھوڑنا جانور، مکان، بات وغیرہ سے متعلق ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے عرف میں ان دو لفظوں کے درمیان مساوات و مترادف نہیں بلکہ عموم و خصوص اور عام کو کسی خاص مورد سے مختص کرنا مجاز اور محتاج قرینہ ہے لہذا اس کا کنایہ ہونا بھی صحیح ہو گا نہ صریح ہونا۔ فقط

(ناقل)

۷۸۶

باسمہ سبحانہ

مسمی زید نے حالت غضب میں اپنی منکوحہ مسما ت ہندہ کو کہا کہ میں نے ہندہ چھوڑی چھوڑی چھوڑی یعنی تین بار کہا یا تین بار سے زیادہ کہا۔ آیا اس صورت میں ہندہ مذکورہ پر ایک طلاق واقع ہوگی یا ایک سے زائد۔ اگر ایک طلاق واقع ہوگی تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہ؟

الجواب

صورت مذکورہ میں ہندہ مذکورہ پر ایک طلاق واقع ہوگی اور فقط تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور مصداق حتی تنکح زوجا کا نہیں ہے فقہاء مجتہدین نے کہا ہے صریحہ ما لم يستعمل الا فیہ ولو بالفارسیۃ (صریح وہ ہے جو صرف اسی میں استعمال کیا جائے اگرچہ فارسی میں ہو) قوله ولو بالفارسیۃ

فما لا يستعمل فيها الا في الطلاق فهو صريح يقع بلانية وما يستعمل فيها استعمال الطلاق وغيره فحكمه حكم كنيات العربية في جميع الاحكام (اس کا قول ولو بالفارسیہ پس وہ جو صرف طلاق ہی میں استعمال کیا جائے تو وہ صریح ہے بغیر نیت واقع ہوگی اور وہ الفاظ جو طلاق اور اس کے غیر میں استعمال ہوں تو ان کا حکم عربی کنايات کا ہے تمام احکام میں) کنایتہ عند الفقہاء مالہم یوضع لہ ای الطلاق واحتملہ وغیرہ ۲ (اس کا کنایہ فقہاء کے نزدیک وہ ہے جو طلاق کیلئے وضع نہ ہوا ہو، اس کا اور اس کے غیر کا احتمال رکھے) عبارات مذکورہ سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ لفظ صریح ہونے یا کنائی ہونے کی بنا عرف واستعمال پر ہے یعنی اگر لفظ بلحاظ عرف واستعمال کے فقط رفع عقد نکاح ہے تو وہ لفظ من قبل الصریحات ہے اور بحیثیت عرف واستعمال محتمل رفع عقد نکاح و نیز محتمل غیر رفع عقد نکاح ہے تو وہ لفظ من باب الکنايات ہے۔

دوم یہ کہ اعتبار عرف واستعمال اور اعتبار احتمال اس صورت میں ہے۔ جب لفظ کولا بشرط شیء اور من حیث ہو ہو ملحوظ کیا جائے نہ بشرط شیء کیونکہ اگر عرف واستعمال اور احتمال کا اعتبار بشرط شیء کے مرتبہ میں لیا جاوے تو بہت الفاظ کنايات مثل بائن "و سرحتک وترکتک وفارقتک تعریف کنایہ سے خارج ہو کر تعریف صریح میں داخل ہو جاویں گے تو تعریف کنایہ کی جامعیت منقوض اور تعریف صریح کی مانعیت مجروح ہو جاوے گی۔ مثلاً اگر ایک شخص نے حالت مذاکرہ طلاق و غضب میں اپنی منکوحہ کو فارقتک یا سرحتک کہا جو بالاتفاق الفاظ کنايات سے ہیں تو ہر دو لفظ بشرط شیء یعنی مذاکرہ طلاق و غضب فقط محتمل طلاق ہوں گے۔

سوم یہ کہ احتمال وعدم احتمال میں اعتبار اس لغت کا ہے جس لغت میں متکلم طلاق دے رہا ہے۔ کیونکہ ایک لفظ ایسا ہوتا ہے کہ وہ بلحاظ عرف اس کی لغت کے محتمل طلاق اور محتمل غیر طلاق کا ہوتا ہے اور الفاظ کنايات سے ہے اور اسی لفظ کا ترجمہ دوسری لغت میں بلحاظ عرف دوسری لغت کے فقط محتمل طلاق ہوتا ہے اور الفاظ صریحہ سے مثلاً سرحتک بحیثیت عرف عربی الفاظ کنايات سے ہے اور اسی کا ترجمہ "رہا کر دم" بحیثیت عرف فارسی الفاظ صریحہ سے ہے کما نص علیہ فی رد المحتار علی الدر المختار اذا تمہد هذا

فاقول لفظ ”چھوڑی“ پنجابی ہے اس میں اعتبار عرف پنجابی ہوگا اور اس لفظ ”چھوڑی“ کے لئے لغت پنجابی میں کثرت کے ساتھ بغیر طلاق موارد استعمال موجود ہیں کما لا یخفی علی من له ادنیٰ مناسبتہ“ باللغة البنجابیة اور جس وقت اس لفظ کو منکوحہ کی طرف منسوب کیا جائے اور کہا جائے ”ہندہ چھوڑی“ تو ملحوظیت نسبت مذکورہ نیز لفظ لا بشرطی کے مرتبہ میں محتمل طلاق اور محتمل غیر طلاق کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندہ چھوڑی یعنی مطلقہ کردی یا اس منزل میں کسی حاجت کے لئے چھوڑی کما فی الالفاظ العربیة المترادفة لهذا اللفظ قوله سرحتک السراح بفتح السین وهو الارسال ای ارسلتک لاننی طلقتك او لحاجة وکذا فارتک لاننی طلقتك اوفی هذا المنزل (قوله، سرحتک، السراح کا معنی ارسال ہے یعنی ارسلتک کہ میں نے تجھے طلاق دی یا کسی حاجت کے لئے چھوڑا اسی طرح فارتک اس وجہ سے کہ تجھے طلاق دی یا اس منزل میں) اور جب لفظ چھوڑی میں بعد ملحوظیت نسبت الی المنکوحہ لا بشرطی کے مرتبہ میں احتمال طلاق اور احتمال غیر طلاق عرف پنجابی میں پایا گیا تو ثابت ہوا کہ لفظ مذکور کنایات سے ہے اور چونکہ یہ لفظ ”چھوڑی“ اعتدی اور استبرائی رحمک اور انت واحدة کا مترادف اور ہم معنی نہیں اس لئے اس لفظ چھوڑی کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوگی وتقع رجعية بقوله اعتدی واستبرائی رحمک وانت واحدة ويقع بباقيها ای باقی الفاظ کنایات المذكورة خلا اختاری البائن ۲ (اس کے قول اعتدی، استبرائی رحمک اور انت واحدة ایک طلاق رجعی واقع ہوگی باقی مذکورہ الفاظ کنایات سوا اختاری کے، بائن واقع ہوگی) خلاصہ یہ ہے کہ جیسا لفظ چھوڑی کے الفاظ کے مترادف یعنی سرحتک و فارتک وترکتک میں بلحاظ احتمال طلاق اور احتمال غیر طلاق پایا جاتا ہے اور یہ الفاظ کنایات ہیں اور ان کے ساتھ بائن واقع ہوتی ہے۔ وفي البرازية قال لآخر ان كنت تضربني لاجل فلانة التي تزوجتها فاني تركتها ونوى الطلاق تقع واحدة بائنة ۳ (بزاز یہ میں ہے کہ کسی دوسرے سے کہا اگر تو مجھے فلانہ کی وجہ سے مارتا تھا جس سے میں نے شادی کی تھی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا اور نیت طلاق کی کی ہے تو ایک بائن واقع ہوگی) ویسا ہی لفظ ”چھوڑی“ میں بحیثیت عرف پنجابی احتمال طلاق اور احتمال غیر طلاق پایا جاتا ہے لہذا یہ لفظ کنایات سے ہوگا اور اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور عند الفقہاء المجتہدین یہ امر بھی مسلم اور متفق

۱ رد المحتار ص ۵۰۲، ج ۱، باب الکنايات مطبوع مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ ۲ در مختار باب الکنايات ج ۲، ص ۵۰۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۳ رد المحتار، ص ۵۰۲، ج ۲، باب الکنايات ايضا

علیہ ہے کہ طلاق بائن کے ساتھ طلاق بائن لاحق نہیں ہوتی۔ الصریح يلحق الصریح والبائن والبائن يلحق الصریح لا البائن۔ (طلاق صریح، صریح اور بائن کو لاحق ہوتی ہے اور بائن صریح کو لاحق ہوتی ہے بائن کو نہیں) پس ظاہر اور ثابت و مدلل ہوا کہ صورت بالا مذکورہ میں ہندہ مذکورہ پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اور فقط تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور ہندہ مذکورہ مصداق فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ۲ کی نہیں ہے ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: مفتی غلام مرتضیٰ از میانی عفی عنہ

اس مسئلہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا ارشاد

(حضرت قبلہ عالم نے اپنے اس مختصر محاکمہ میں مفتی غلام مرتضیٰ کی تحقیق کو درست قرار دیتے ہوئے فیصلہ فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ پنجاب میں ”چھوڑی“ کا لفظ اگر تین بار کہا جائے تو حلالہ نہیں بلکہ تجدید نکاح کافی ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده اما بعد فيقول العبد الملتجى والمشتكى الى الله المدعو بمهر على شاه (قدس سره) ان الفاضل المجيب مصيب والله دره حيث افاد و اجاد بتحقيقات انيقة وتدقيقات لطيفة منها ان الصراحة والكناية مبنيتان على العرف والاستعمال منها ان العرف والاستعمال انما يعتبران نظراً الى ذات اللفظ مجرداً عن القرائن كما يدل عليه قولهم في الكنايات ”لاتطلق بها الا بنية او دلالة الحال“ ۱ وايضاً قولهم فيها ”ففي حالة الرضى تتوقف الاقسام الثلاثة تائيراً على نية وفي الغضب الاولان وفي مذاكرة الطلاق الاول فقط“ ۲ وانتقاض التعريفين جمعاً ومنعاً كما ذكره الفاضل المجيب . منها ان الترادف ليس بحافظ لوصف الصراحة والكناية في المترادفين بعد اختلاف اللسانين اقول بل الازمان والمواطن الاترى الى ماصرحو ابان سرحتك كناية في العربية وفي عرف الفرس غلب استعماله في الصريح والى ما قالوا بوقوع الرجعى في الفارسية بقوله (بہستم يله كردم، پائے كشاده كردم،

۱ در مختار باب الكنايات، ص ۲۲۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ القرآن، البقرہ، آیت ۲۳۰

۳ در مختار کتاب الطلاق باب الكنايات، ج ۱، ص ۲۲۳، ۲۲۵، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

تراچنگ بازداشت) مع انه قال فی الخلاصة هذا كله تفسير قوله طلقك عرفاً حتى يكون رجعياً ويقع بدون النية كما ان الواقع رجعي بقوله فی التركي توادم ماضی متکلم اے یدہ کردم۔
 ون بوشن (توبہ کار ہے) بوشن اول (بیکار ہو جا) مع ان معناه العربی انت خلیة وهو کنایة۔ فظهر
 هذا ان قول القائل (پس اس سے ثابت ہوا کہ طلاق اور لفظ مذکور مرادف ہیں) وایضاً (پس عبارت
 مذکورہ سے طلاق ہونا لفظ مذکور کا ثابت ہو گیا اور صریح ہونا بھی) انما منشأ قلة التدبر والتحقيق ان
 الصریح هو الظاهر المتبادر فی رفع قيد النكاح مجرداً عن القرائن والتبادر هو دليل الحقيقة
 العرفية وعليه تدور رحى الصراحة والكنایة فمهما اطلق الرجل فی حق عرسه لفظاً يتبادر
 منه ارادة الطلاق من غير احتیاج الى القرينة ای حالة الغضب او مذاكرة الطلاق يكون
 صريحاً والا فلا ففي الصریح ليس شرط زائد بعد حفظ الاضافة من الزوج الى الزوجة
 بخلاف الكناية ولما كان العرف مدار المقام ففي ای موطن يطلق لفظ ”چھوڑی“ من الزوج
 الى عرسه ويتبادر منه ان فهم معنى رفع قيد النكاح مجرداً عن قرينة الغضب او المذاكرة
 يكون صريحاً عند اهله وای موضع يكون فيه بخلافه يكون بائناً عند اهله مما لا يحتمل
 السب والرد ففي حالت الرضى يتوقف على النية وفي الغضب والمذاكرة لا فيقع بلا نية۔
 هذا ما عندي والعلم عند الله والزائد لم يتفتح لی بعد فليكن الاستفتاء المرسل
 الى آخر استفتاء فانی عديم الفراغة وقليل البضاعة والحمد لله اولاً وآخراً والصلوة
 والسلام منه باطناً عليه ظاهراً۔

العبد الملتجى والمشتكى الى الله المدعو بمهر علی شاه

بقلم خود از گولڑہ ۷۔ رمضان ۱۳۳۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

بندہ ملجی مشتکی الی اللہ مہر علی شاہ کہتا ہے کہ فاضل جلیل مصیب ہیں اور انہوں نے تدقیقات لطیفہ اور

تحقیقات انیقہ کا جید افادہ دیا۔ ان میں سے یہ ہے کہ صراحت و کنایہ عرف و استعمال پر مبنی ہیں اور عرف و
 استعمال، قرائن سے خالی ذات لفظ کی طرف نظر کرتے ہوئے معتبر ہوتے ہیں، جیسا کہ فقہاء کا قول باب

کنایات میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ (لا تطلق بها الا بنیۃ او دلالة الحال) ان کنایات کے ساتھ نیت یا دلالت حال کے بغیر طلاق ہوتی ہی نہیں۔ نیز ان کا قول، حالت رضا میں تینوں اقسام از روئے تاثیر نیت پر موقوف ہیں اور غضب میں پہلی دو اور مذاکرہ طلاق میں فقط اول نیت پر موقوف ہے۔ دونوں تعریفوں کا انتقاض جمعاً و منعاً ہے جیسا کہ فاضل مجیب نے ذکر کیا ہے۔ انہی میں سے یہ ہے کہ ترادف دوزبانوں کے اختلاف کے بعد مترادفین میں وصف صراحت و کنایہ کے لیے حافظ نہیں۔

میں کہتا ہوں زمانوں اور جگہوں کے اختلاف کے بعد بھی۔ تو نے نہیں دیکھا جو فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سرحت عربی میں کنایہ ہے اور فارس کے عرف میں اس کی غالب استعمال صریح میں ہے۔ یہ بھی فقہاء نے کہا ہے کہ فارسی میں اگر یہ کہے ہشتم۔ یلہ کردم۔ پائے کشادہ کردم۔ ترا چنگ بازداشتم تو طلاق رجعی واقع ہوگی خلاصہ میں کہا کہ یہ سارے جملے عرف میں طلاق کی تفسیر ہیں حتیٰ کہ (ان کے ساتھ) طلاق رجعی ہوگی اور بغیر نیت کے واقع ہوگی۔ جیسا کہ ترکی میں قودم ماضی متکلم بمعنی یلہ کردم اور سن بوشن (تو بیکار ہے) بوشن اول (بیکار ہو جا) سے رجعی واقع ہوتی ہے۔ باوجود اس کے کہ عربی میں اس کا معنی ہے انت خلیۃ اور وہ کنایہ ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ قائل کا قول ”پس اس سے ثابت ہوا کہ طلاق اور لفظ مذکور مرادف ہیں۔ اور نیز اس عبارت مذکورہ سے طلاق ہونا لفظ مذکور کا ثابت ہو گیا اور صریح ہونا بھی“ سوائے اس کے نہیں کہ اس کا منشا قلت تدبر ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ صریح، قید نکاح کے اٹھانے میں ظاہر متبادر اور قرائن سے خالی ہو۔ متبادر (سبقت کرنا) حقیقت عرفیہ کی دلیل ہے اور اس پر صراحت و کنایہ کا دار و مدار ہے۔ پس جب آدمی اپنی بیوی کے حق میں ایسا لفظ بولے جو بغیر کسی قرینہ یعنی حالت غضب یا مذاکرہ طلاق کی طرف احتیاج کے اس سے ارادہ طلاق متبادر ہو تو وہ صریح ہوگا ورنہ نہیں۔ صریح میں زوج سے زوجہ کی طرف اضافت کے حفظ کے بعد کوئی شرط زائد نہیں جب عرف مدار مقام ہے تو جس مقام میں بھی زوج لفظ ”چھوڑی“ اپنی بیوی کی طرف بولے گا اور اس سے قید نکاح کے اٹھ جانے کا معنی سمجھا جائے اور قرینہ غضب یا مذاکرہ سے خالی ہو تو اس کے اہل کے نزدیک صریح ہوگا اور جس مقام میں عرف اس کے مخالف ہو، گالی اور رد کا احتمال نہ رکھے تو بائن ہوگی تو حالت رضا میں نیت پر موقوف ہے۔ اور غضب اور مذاکرہ کی حالت میں نہیں پس بلا نیت واقع ہوگی۔

۵۰۔ بیوی کو حالت غضب میں ”نکل جا“ کہنے سے

طلاق لازم آتی ہے یا نہیں؟

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالت غضب اپنی زوجہ کو کہا کہ نکل جا اور تین خط واحد بعد واحد کھینچے اور نیت طلاق کا حال غضبانی حالت کی وجہ سے یاد نہیں رہا۔ پس اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوگی تو کتنی اور کونسی طلاق؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

صورت مسئلہ میں بشرط ارادۃ طلاق بلفظ ”نکل جا“ ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اس واسطے کہ لفظ نکل جا ہم معنی اخر جی منجملہ الفاظ طلاق کنایہ سے ہے اور اخر جی و اذہبی وغیرہ الفاظ طلاق کنایہ کے تلفظ سے طلاق کا وقوع بشرط قصد و ارادۃ طلاق ہوا کرتا ہے۔ پس لفظ نکل جا جو مترادف المعنی اخر جی ہے۔ اس سے بھی بشرط ارادۃ ایقاع طلاق ایک طلاق بائن کا وقوع ہوگا۔ کمالا تخی۔

باقی رہا کشیدگی خطوط یا اشارہ بالا صابغ یا رمی حصوات سو یہ بلحاظ عادة الناس فائدہ علمی بعد الطلاق کے مفید ہوں گے۔ جس وقت کہ مقترن بالعدد المبہم ہوں اور بوقت عدم اقتران بعدد مبہم یہ امور خارج عن الاعتبار ہوں گے۔ ایسے وقت میں صرف متلفظ پر حکم ہوگا۔ اس واسطے کہ اگر بوقت فقدان تشبیہ و عدم وجود مبہم محض اشارہ وغیرہ میں وقوع طلاق کا حکم دیا جائے۔ تو بلا تحقق لفظ طلاق، طلاق کا وقوع تسلیم کرنا پڑے گا۔ حالانکہ بلا تحقق لفظ طلاق و یا دال بر تحقق لفظ طلاق کا لکتابتہ المستبہتہ طلاق نہیں واقع ہوتی ہے۔ پس دال بر عدد طلاق کا تحقق بلا تلفظ عدد مبہم کیسے متصور ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے ومن قال لامرأته انت طالق هكذا يشير بالابهام والسبابة والوسطى فهي ثلاث لان الاشارة بالاصابع تفيد العلم بالعدد في مجرى العادة اذا اقترنت بالعدد المبهم قال عليه السلام الشهر هكذا والحديث. ولو لم يقل هكذا تقع واحدة لانه لم تقترن بالعدد المبهم فبقى الاعتبار لقوله

انت طالق (جس شخص نے اپنی بیوی کو کہا تجھے اس طرح طلاق ہے انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا تو وہ تین ہی ہوں گی کیونکہ انگلیوں کے ساتھ اشارہ بطور عادت، عدد کے علم کا فائدہ دیتا ہے جب عدد مبہم کے ساتھ متصل ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا مہینہ اس طرح اور اس طرح ہے ”الحديث“ اگر ہکذا نہ کہے تو ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ وہ عدد مبہم کے ساتھ متصل نہیں پس اس کے قول انت طالق کا اعتبار باقی رہے گا) اور البحر الرائق میں ہے وقيد بقوله هكذا لانه لو قال انت طالق و اشار باصابعه ولم يقل هكذا فهي واحدة لفقد التشبيه. وكذا لو قالت لزوجها طلقني ف اشار اليها بثلاث اصابع و اراد به ثلاث تطليقات لا يقع مالم يقل هكذا لانه لو وقع وقع بالضمير والطلاق لا يقع بالضمير ۲) اور اس کے قول کو ہکذا کے ساتھ مقید کیا کیونکہ اگر اس نے کہا تجھے طلاق ہے اور انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور ہکذا نہیں کہا تو وہ ایک طلاق ہوگی تشبیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا مجھے طلاق دے دے اس نے تین انگلیوں کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کے ساتھ تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو واقع نہ ہوگی جب تک ہکذا نہ کہے اس لیے کہ اگر واقع ہو تو ضمیر کے ساتھ واقع ہوگی اور طلاق ضمیر کے ساتھ واقع نہیں ہوتی) اور منحة الخالق میں ہے قوله ولم يقل هكذا قال الرملي وان نوى به الثلاث كما في التاتارخانية عن الخانية وبه يعلم جواب ما يقع من الاتراك من رمي ثلاث حصوات قائلا انت هكذا ولا ينطق بلفظ الطلاق وهو عدم الوقوع. قوله لفقد التشبيه لانه كما لا يتحقق الطلاق بدون اللفظ لا يتحقق عدده بدون ۳) قوله ”ولم يقل هكذا“ رملي نے کہا اور ارادہ اس کے ساتھ تین کا کیا جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں خانیہ سے منقول ہے اسی سے ترکوں کے اس عمل کا جواب معلوم ہو گیا جو وہ یہ کہتے ہوئے کہ تو اس طرح ہے تین کنکریاں پھینکتے ہیں اور زبان سے طلاق کا لفظ نہیں بولتے اور وہ (طلاق کا) نہ واقع ہونا ہے۔ اس کا کہنا لفقد التشبيه اس لیے کہ جس طرح طلاق بغیر لفظ کے واقع نہیں ہوتی اس کا عدد بھی بغیر اس کے ثابت نہ ہوگا)

الحاصل صورت مسئلہ میں بشرط ارادۃ طلاق ایک طلاق بائن واقع ہوگی جس کا ثمرہ یہ ہے کہ بدوں حلالہ وہ عورت اپنے خاوند کے نکاح میں آسکتی ہے اور بلا ارادۃ طلاق اس لفظ ”نکل جا“ کے تلفظ میں طلاق نہیں

۱۔ ہدایہ، ج ۲، کتاب الطلاق فصل فی تشبیہ الطلاق، ص ۳۴۱ مطبوعہ مجیدی کتب خانہ کانپور

۲۔

بحر الرائق، ج ۳، ص ۲۸۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

۳۔ منحة الخالق کتاب الطلاق فصل فی اضافۃ الطلاق، ج ۹، ص ۳۰۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

واقع ہوگی۔ اور کشیدگی خطوط صورتِ مسئلہ میں لغو ہو جائے گی۔ اس واسطے کہ ان خطوط کی کشیدگی بلا مذکورئی
عد مہم وقوع میں آئی ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہے واللہ اعلم و علمہ اتم

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ از گولڑہ بقلم خود۔

۵۱۔ بیوی کو ماں، بہن کہنے کے متعلق حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زوج و زوجہ میں باہمی تکرار ہوئی اثناء
تکرار میں خوشدامن زوج یعنی والدہ زوجہ نے کہا کہ میں اپنی لڑکی کو تیرے ساتھ آباد نہ ہونے دوں گی۔ زوج
نے بحالت غیظ و غضب چند مرتبہ کہا کہ اگر میں اپنی زوجہ کو بساؤں و آباد کروں تو یہ میری ماں بہن ہے۔ پس
التماس ہے کہ آیا یہ عورت اس شخص کے نکاح میں باقی ہے یا نہ رہی۔ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

یہ عورت شخصِ مسئلہ کے نکاح سے نکل گئی یعنی اس پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اس واسطے کہ ماں
بہن کہنا الفاظ کنایہ طلاق سے ہے جس کا وقوع بارادۃ طلاق یا بوقت مذاکرۃ طلاق امکان میں آتا ہے اور وہ پایا
گیا یعنی زوج نے بوقت مذاکرۃ انقطاع تعلق کہ یہی مفہوم طلاق ہے اپنی زوجہ کو کہا کہ اگر میں اس کو بساؤں و
آباد کروں تو یہ میری ماں بہن ہے۔ پس جس وقت اس نے اُس کو آباد کیا تو شرط پائی جاوے گی اور جب شرط
پائی گئی تو اُس کی جزا جو فیما نحن فیہ میں طلاق ہے مرتب ہو جائے گی جیسا کہ ان دخلت الدار فانت
طالق میں ترتب جزا باوجود شرط ہوا کرتا ہے اور تکرار الفاظ ماں بہن جو چند مرتبہ وقوع میں آیا ہے اس کا کوئی ثمرہ
نہیں۔ صرف پہلی مرتبہ ماں بہن کہنے سے ایک طلاق بائن واقع ہو گئی۔ اب اس پر دوسری طلاق بائن کا الحاق
نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ الصریح یلحق البائن والبائن یلحق الصریح لا البائن۔
فقہ کا مسئلہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ عورت مطلقہ بیک طلاق بائن ہے۔ اب اگر زوج اول آباد کرنا چاہے تو اس پر دو

امر لازم آئیں گے۔ اول یہ کہ اُس سے نکاح ثانی کرے۔ دوسرے کفارہ یمین ادا کرے۔ یعنی دس مساکین کو دو وقتہ کھانا کھلائے لقولہ تعالیٰ فکفارتہ اطعام عشرة مساکین الآية اور جن لوگوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور نکاح ثانی کرنا بیان کیا ہے، ان کو سہو ہو گیا ہے۔ اول بدیں وجہ کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، کفارہ ظہار ہے اور صورتِ مسئلہ صورتِ ظہار نہیں کیونکہ ظہار تشبیہ عضوِ زوجہ باعضاءِ محارم کا نام ہے نہ تشبیہ کل زوجہ بکل محارم کا۔ دوسرے ظہار میں نکاح باقی رہتا ہے، پھر نکاح ثانی کیسا؟ واللہ اعلم وعلمہ اتم

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ از گولڑہ بقلم خود

۵۲۔ بیوی کو ماں، بہن کہنے کے بعد تین طلاق دینے کا شرعی حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو بحالتِ غضب و غصہ ایک مرتبہ کہا کہ تو میری ماں بہن ہے جا چلی جا اور پھر اس کے بعد اسی وقت کہا کہ تو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔ اب گزارش یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے واسطے بدون حلالہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض عالموں نے صرف تجدیدِ نکاح کا فتویٰ دیا۔ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

واضح ہو کہ جواب صورتِ مسئلہ تفصیل طلب ہے بلا تفصیل تحلیل و عدم تحلیل کا حکم لگانا عوام کو شبہ میں ڈالنا ہے۔ لہذا بقدرِ ضرورت مقام تفصیل کی جاتی ہے۔ جس سے ہر ایک کا حکم بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ جاننا چاہیے کہ اس مقام میں دو صورتیں ہیں۔ اول الحاق بائن بصریح۔ دوم ثلثہ مغلطہ۔ پس اگر لفظ اول۔ تو میری ماں بہن ہے جا چلی جا۔ سے طلاق مراد لی ہے۔ تو یہ ایک طلاق بائن واقع ہوگی بحکم ولو قال ابعدي عني ونوی الطلاق يقع کذا فی فتاویٰ قاضی خان^۲ (اور اگر کہہ دے مجھ سے دور ہو جا اور طلاق کی نیت کی تو واقع ہو جائیگی) اور اس کے بعد کے الفاظ ”تو ایک طلاق“ وغیرہ سے طلاق صریح ایقاع ہو جائے گا

۱ القرآن، المائدہ، آیت ۸۹۔ ۲ فتاویٰ قاضی خان ص ۲۱ کتاب الطلاق فصل فی الکلیات مطبوعہ نولکشور انڈیا

بحکم الطلاق الصریح يلحق الطلاق الصریح والبائن بان قال لها انت بائن او خالعها علی مال ثم قال لها انت طالق وقعت عندنا کذا فی عالمگیری ۱ (طلاق صریح، طلاق صریح اور بائن کو لاحق ہوتی ہے۔ بایں طور کہ بیوی کو کہے کہ تو بائن ہے یا اس سے خلع مال کے بدلے کرے پھر اس کو کہے انت طالق (تجھے طلاق ہے) تو ہمارے نزدیک واقع ہو جائے گی) اور اس کے الحاق کے بعد حرمت مغلطہ ثابت ہو جائے گی۔ اور بر تقدیر ثبوت حرمت غلطہ صرف تجدید نکاح کافی نہیں ہے تحلیل ضروری ہے اور اگر پہلے لفظ سے مراد کچھ نہیں لیا تو وہ لغو ہو جائے گا اور بعد کے الفاظ سے طلاق ثلثہ واقع ہو جائے گی اس واسطے کہ طلاق کنائی بدوں نیت کے نہیں واقع ہوتی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے واما الضرب الثانی وهو الکنايات لا يقع بها الطلاق الا بالنية او بدلالة الحال ۲ (دوسری قسم وہ کنایات ہیں ان کے ساتھ طلاق صرف نیت کے ساتھ ہی واقع ہوگی یا دلالت الحال کے ساتھ) اور جب یہ نہ واقع ہوا تو طلقات صریحہ بلا نیت حسب تکرار طلاق واقع ہو جائے گی جیسا کہ ظہیریہ میں ہے متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغير حرف الواو تعدد الطلاق. وان عني بالثاني الاول لم يصدق في القضاء ۳ (جب لفظ طلاق کا حرف واو یا بغير حرف واو تکرار کرے تو طلاق متعدد ہوگی اور اگر دوسرے لفظ سے پہلا مراد لے تو قضا میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی) اور سراج و ہاج میں ہے واذا قال لامرأته انت طلاق و طلاق و طلاق ولم يعلقه بالشرط ان كانت مدخولة طلقت ثلاثا ۴ (اور جب اپنی بیوی کو کہے ”انت طلاق و طلاق و طلاق“ اور اس کو کسی شرط کے ساتھ معلق بھی نہیں کیا۔ اگر عورت مدخولہ ہے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی) پس بشرط وقوع طلاق ثلثہ تحلیل خود ضروری ہے۔ بحکم آیت کریمہ فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره ۵

غرضیکہ صورت مسئلہ میں طلاق مغلطہ واقع ہوگی جس میں تحلیل کی ضرورت ہے صرف تجدید نکاح کافی نہیں ہے اور جن حضرات نے تجدید نکاح پر اکتفاء کیا ہے ان کو سہو ہو گیا ہے ہکذا فی الكتاب واللہ اعلم بالصواب

(دستخط حضور قبلہ عالم)

۱ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، باب الکنايات ۲ ہدایہ، ج ۲، کتاب الطلاق، ص ۳۲۵ مطبوعہ مجیدی کتب خانہ کانپور
۳ فتاویٰ عالمگیری، بحوالہ ظہیریہ، ج ۲، ص ۵۰ ۴ فتاویٰ عالمگیری، بحوالہ سراج و ہاج، ج ۲، ص ۵۰ ۵ القرآن، البقرہ، آیت ۲۳۰

۵۳۔ بیک وقت تین طلاق دینے کے متعلق تحقیق

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلاق ثلاثہ کا وقوع بکلمہ واحد یا بکلمات مختلفہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ و اجماع صحابہ واقعہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

طلاق ثلاثہ خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعدد ہو، دونوں صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے غایت مافی الباب سنت کا خلاف لازم آتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوتا ہے چنانچہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں۔ بطور اختصار بقدر ضرورت اس مقام میں نقل کئے جاتے ہیں روی السدار قطنی فی سنہ من حدیث معلى بن منصور عن عبد الله بن عمر انه طلق امرأة تطليقة وهي حائض ثم اراد ان يتبعها تطليقتين اخريين عند القرائن فبلغ ذالك رسول الله ﷺ فقال يا ابن عمر ما هكذا امرك الله قد اخطأت السنة والسنة ان يستقبل الطهر فيطلق لكل قرء فامرني فراجعتها فقال اذا هي طهرت فطلق عن ذالك او امسك فقلت يا رسول الله ارأيت لو طلقتهائلاثان كان يحل لي ان اراجعها فقال لا كانت تبين منك فكانت معصية اوفي موطا مالک بلغه ان رجلا قال لابن عباس اني طلقت لامرأتی مائة تطليقة فما ذاتدری فقال ابن عباس طلقت منك ثلاثا وسبع وتسعون اتخذت بها آیات الله هزوا ۲ واسند عبدالرزاق عن علقمة قال جاء رجل الى ابن مسعود فقال اني طلقت امرأتی تسعا وتسعين فقال له ابن مسعود ثلاث تنجیها وسائرهن عدوان ۳

وفي سنن ابی داؤد وموطا مالک عن محمد بن ایاس البکیر قال طلق رجل امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها ثم بدا له ان ينكحها فجاء يستفتی فذهبت معه فسأل ابن عباس و ابا هريرة عن ذالك فقالا لا ندري ان تنكحها حتى تنكح زوجا غیرك قال

موطا امام مالک کتاب الطلاق، ص ۵۱۰، مکتبہ نور محمد کراچی

۱ سنن دارقطنی ج ۲، حصہ چہارم ص ۳۱ کتاب الطلاق ۲ مکتبہ عالم الکتب بیروت ۳

مصنف عبدالرزاق کتاب الطلاق باب المطلق ثلاثا، ج ۳، مکتبہ الاسلامی بیروت

فانما طلاقى اياها واحدة فقال ابن عباس انك ارسلت بين يديك ما كان لك من فضل! وروى وكيع عن الاعمش عن حبيب بن ثابت قال جاء رجل الى على بن طالب فقال انى طلقت امراتى الفا قال بانت منك بثلث واقسم سائرهن بين نسائك . واسند عبد الرزاق عن عبادة بن الصامت ان اباہ طلق امرأة له الف تطليقة فانطلق عبادة فسأل رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ بانت بثلث فى معصية الله وبقي تسع مائة وسبع وتسعون عدوان وظلم ان شاء عذبه وان شأ غفر له . ۲ وفى الطحاوى حدثنا يونس قال اخبرنا سفيان عن الزهرى عن ابى سلمة عن ابى هريرة وابن عباس انهما قالوا فى الرجل يطلق البكر ثلاثا تحل له حتى تنكح زوجا غيره - اورامام ہمام ابی جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اجماع صحابہ کرامؓ بایں الفاظ نقل فرمایا ہے وفى حدیث ابن عباسؓ ما لو اکتفینا به کانت حجة قاطعة وذلك انه قال فلما كان زمان عمرؓ قال ايها الناس قد كانت لكم فى الطلاق اناة وانه من تعجل اناة الله فى الطلاق الزمناه اياه وفى الحديث الثانى فخاطب عمرؓ بذالك الناس جميعا وفيهم اصحاب رسول الله ﷺ ورضى عنهم الذين قد علموا ما تقدم من ذالك فى زمن رسول الله ﷺ فلم ينكره عليه منكر ولم يدا فعه دافع فكان ذالك كبير الحجة فى نسخ ما تقدم من ذالك لانه لما كان فعل اصحاب رسول الله ﷺ اجماعا فعليا يجب به الحجة كان كذالك ايضا اجماعهم على القول اجماعا يجب به الحجة وكما كان اجماعهم على النقل بريئا من الوهم والزلل كان كذالك اجماعهم على الراى بريئا من الوهم والزلل ۳ (دارقطنى نے اپنی سنن میں معلى بن منصور سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے حدیث روایت کی کہ انہوں نے بیوی کو ایک طلاق دی وہ حائضہ تھی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی کہ وہ دو اور طلاقیں دو حیضوں کے وقت دینا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابن عمرؓ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس طرح کرنے کا حکم نہیں دیا تو نے سنت کے خلاف کیا اور سنت یہ ہے کہ تو طہر کا استقبال کرے پھر ہر حیض پر اسے طلاق دے آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس سے رجوع کر لیا آپ نے فرمایا کہ یہ جب پاک

۱ سنن ابوداؤد، ص ۳۱ باب بقیۃ نسخ المراجع بعد التلیقات مکتبہ رحمانیہ لاہور، موطا امام مالک طلاق الجبر ص ۵۲۰ کتاب الطلاق مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی

۲ مصنف عبد الرزاق، ج ۶، ص ۳۹۳، مکتبہ من منشورات المجلس العلمی بیروت ج ۲، ص ۳۲ باب الرجل يطلق امرأته مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ہو جائے تو اس کو طلاق دے یا روک لے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دوں تو میرے لیے حلال ہوگا آپ نے فرمایا نہیں تجھ سے وہ جدا ہو جائے گی پر یہ معصیت ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی نے ابن عباسؓ سے عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا وہ تجھ سے تین طلاقوں سے مطلقہ ہوگئی اور ستانوے کے ساتھ تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا عبدالرزاق نے علقمہؒ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ایک آدمی ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ستانوے طلاقیں دی ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا تین کے ساتھ تو نے اس کو نجات دی اور باقی حد سے زیادتی ہے۔ سنن ابوداؤد اور موطا امام مالک میں محمد بن ایاس سے، وہ بکیر سے روایت کرتے ہیں اس نے کہا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے تین طلاقیں دے دیں پھر خیال پیدا ہوا کہ دوبارہ اس سے نکاح کر لوں وہ فتویٰ پوچھنے آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا اس نے ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ وہ جب تک کسی اور سے نکاح نہ کر لے تیرا اس سے نکاح جائز نہیں۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کو ایک طلاق دی تھی ابن عباسؓ نے فرمایا تو نے اپنے آگے سے سب کچھ ضائع کر دیا وکیع نے اعمش سے انہوں نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ ایک آدمی علی بن ابی طالب کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تجھ سے تین طلاقوں سے بائن ہوگئی اور باقی کو اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کر۔ عبدالرزاق نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کی کہ اس کے باپ نے اپنی ایک بیوی کو ہزار طلاق دے دی۔ عبادہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھنے گئے تو آپ نے فرمایا وہ تین کے ساتھ بائن ہوگئی اللہ تعالیٰ کی معصیت کے ساتھ باقی نو ستانوے حد سے تجاوز ہے اور ظلم، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو اس کو بخش دے۔ طحاوی میں ہے ہمیں حدیث سنائی یونس نے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی سفیان نے زہری سے انہوں نے ابوسلمیٰ سے انہوں نے ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے کہ انہوں نے فرمایا جو آدمی کنواری غیر مدخولہ کو تین طلاقیں دے اس کے لیے حلال نہیں جب تک وہ اس کے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں وہ ہے جس پر اکتفاء ہم کریں تو حجت قاطعہ ہوگی اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا انہوں نے فرمایا اے لوگو! تمہارے لیے طلاق میں نرمی تھی۔ جو طلاق میں اللہ تعالیٰ کی نرمی میں جلدی کرے گا ہم وہ اس پر لازم کر دیں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ خطبہ سب

لوگوں کے سامنے دیا جن میں اصحاب رسول ﷺ ورضی اللہ عنہم بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پہلے یہ جان چکے تھے کسی نے اس کا انکار کیا اور نہ ہی کسی نے اس کی مدافعت کی۔ تو یہ پہلے گزرے آثار کے منسوخ ہونے کی بہت بڑی حجت ہیں۔ کیونکہ جب صحابہ رسول ﷺ کا فعل اجماع فعلی ہے تو اس کے ساتھ حجت واجب ہوتی ہے۔ اس طرح جب ان کا اجماع قولی اجماع ہو تو حجت واجب ہے جب ان کا اجماع روایت کے نقل کرنے میں وہم اور زلل و لغزش سے بری ہے تو اس طرح ان کا اجماع رائے پر بھی وہم اور لغزش سے بری ہوگا)

احادیث و آثار منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ تین طلاق کا وقوع خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعددہ اجماعی امر ہے۔ کیونکہ نقل اجماعی میں نقل عن العموم کو اعتبار نہیں بلکہ نقل عن المجتہدین کو۔ اور اصحاب کرام میں سے اہل فقاہت و اجتہاد خلفاء اربعہ و عبادلہ وزید بن ثابت و معاذ بن جبل و انس و ابی ہریرہ وغیرہم ہیں جن سے حکم بوقوع الثلث در صورت لفظ واحد و متعدد منقول ہے۔ باقی عوام کا رجوع عند الواقعہ انہی فقہاء کی طرف ہوتا ہے اور انہی سے دریافت کرنے پر تعمیل کرتے ہیں۔ اجماعی ہونے کی وجہ سے محقق ابن ہمام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر حاکم نے در صورت ثلث بلفظ واحد ایک طلاق کا حکم دیا تو بوجہ مخالفت اجماع نافذ نہ ہوگا۔ رہا جواب طلب یہ امر کہ عمر کا حکم بوقوع الثلث اور سب اصحاب کا سکوت و عدم انکار باوجود علم ان سب کے کہ انہا کانت واحدة فی زمن رسول اللہ ﷺ و ابی بکر کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ لان النسخ لا يتصور بعد وفاة النبی ﷺ و انقطاع الوحی تو جواب یہ ہے کہ انعقاد یمین و ارادہ معنی بنا بر عرف ہوا کرتا ہے۔ قول الرجل انت طالق انت طالق یعنی اگر قصد اس کے ہر ایک جملہ سے ایقاع ہے تو تین طلاق واقع ہوں گی اور اگر قصد اس کے جملہ ثانیہ و ثالثہ سے صرف تاکید ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور پہلے زمانہ میں قائل کو ارادہ معنی اول ہی میں سچا مانا جاتا تھا جب عمر نے اپنے وقت میں قرآن سے ارادہ معنی ثانی کو محقق سمجھا یعنی موجودہ زمانہ کے لوگوں کا عرف معنی ثانی کو ثابت کر رہا ہے تو حکم بوقوع الثلث فرمایا پس قول الرجل انت طالق ثلثاً چونکہ اختصار ہے انت طالق انت طالق انت طالق کا لہذا اس میں پہلے زمانہ کے لوگ ارادہ معنی اول میں سچے مانے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے ماروی عن ابن عباس کان علی عہد رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس استعجلوا فی امر کانت لهم اناة فلو استعجلوا امضیناه علیہم (ابن عباس سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے عہد میں اور فاروق اعظمؓ کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا لوگ اس کام میں جلدی کرتے ہیں جس میں ان کو سہولت حاصل تھی پس اگر وہ جلدی کریں گے تو ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں گے (لہذا ابن عباسؓ باوجود قول بروایت ہذہ کے قائل بالثلاث بلفظ واحد کو فرماتے ہیں لا ادری تنکحها حتی تنکح زوجا غیرک کما نقل قبیل ہذا) الحاصل در صورت ارادہ ایقاع الثلاث ہر زمانہ میں تین طلاق واقع ہوئیں۔ مگر پہلے زمانہ میں قائل ثلاثاً کو ارادہ معنی اول میں سچا مانا جاتا تھا بخلاف پچھلے زمانہ کے کہ نظر بہ تغیر عرف و لحاظ قرآن معنی ثانی متعین ہو گیا۔ فتح القدیر اور بغوی اور ازالۃ الخفا مقصد دوم ملاحظہ ہو۔

آج کل کے اہل ظواہر در صورت انت طالق ثلاثاً ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ و صدیق اکبرؓ کی معاذ اللہ شرع اور ٹھہری اور عمر وغیرہ اصحاب کرامؓ کی اور، ہرگز ایسا نہیں وہی ایک شریعت اور صراط مستقیم ہے الا تغیر عرف کی رو سے احکام متغیر ہو سکتے ہیں بایں معنی کہ اگر ایک حکم شرعی کا مناط و موجب بدلاتو دوسرا حکم شرعی وہاں پر عائد ہو گا نہ یہ کہ خلاف ما قال اللہ و قال الرسول ﷺ اور شرع جدید نازل ہو جائے گی ہذا ماتیسر لی الآن بعد ملاحظۃ فتح القدیر۔ والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی من ارسلہ الی الناس کافۃ وآلہ و عترتہ وصحبہ العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

۵۴۔ طلاق صریح کے ساتھ معلق کا لحوق

استفتاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ط
مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں عورت کو تین طلاق دیں اور پھر جب میں اس عورت سے

۱۔ مسلم شریف کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۷۷۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

نکاح کروں تو اس پر تین طلاق ہیں قال رجل لامرأته انت علی ثلاثا وکلمانکحتک فانت طالق علی ثلاثا (ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر تین (طلاق) ہے اور جب بھی میں تجھ سے نکاح کروں تو مجھ پر تین طلاق) آیا اس عورت کو حلالہ کے بعد وہی شخص لے سکتا ہے یا نہیں درمختار کی عبارت ہے الصریح يلحق الصریح والبائن. والبائن يلحق الصریح لا البائن الا اذا كان معلقا بشرط قبل المنجز البائن کمالو ابانها ولا ثم اضاف البائن او علقه لم یصح کتنجیزہ ۲ (صریح، صریح اور بائن کو لاحق ہوتی ہے اور بائن صریح کو لاحق ہوتی ہے بائن کو نہیں مگر جب شرط کے ساتھ معلق ہے منجز، بائن سے پہلے جیسا کہ پہلے اس کو بائنہ کرے پھر بائن کی اضافت کرے یا اس کو معلق کرے تو صحیح نہیں مثل اس کی تجیز کے) ایک مولوی نے مثلاً حکم دیا ہے کہ تعلیق کلمانکحتک بعد بینوننتہ ہی بہ لغو ہے اور دوسرے مولوی نے کہا ہے کہ اسی جلد شامی میں ہے المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان کنایہ ۳ (مراد اس بائن سے جو لاحق نہیں ہوتی وہ ہے جو کنایہ ہے) یہ تعلیق بلفظ صریح ہے یہ لغو نہیں ہو سکتی ہے، لوگ آپ کے فیصلہ کے منتظر ہیں لہذا اس کا جواب مرحمت فرمائیں

مولوی جان محمد ازواں پھر اس ضلع میانوالی

الجواب هو الصواب

واضح ہو کہ گفتگوئے الحاق طلاق وعدم الحاق طلاق کی ضرورت تو اس وقت ہوتی ہے کہ تعلیق طلاق بملک قدیم ہو اور اضافت طلاق الی غیر سبب الملک ہو اور محل بھی صالح ہو یعنی اس کی تعداد طلاق پوری ہو چکی ہوں اور صورت مسئلہ میں تو تعلیق طلاق بملک جدید ہے اور اضافت طلاق الی الملک ہے اور صلاحیت محل کی اس میں اسی قدر کافی ہے۔ کیونکہ صحت تعلیق بحالت ملک کقولہ لمنکوحتہ ان ذہبت فانت طالق اور بحالت اضافت ملک کقولہ لا جنیبة ان نکحتک فانت طالق دونوں صورتوں میں ہو جاتی ہے۔ پس فیما نحن فیہ میں انت طالق ثلاثا کلام تجیزی علیحدہ ہے اور کلمانکحتک فانت طالق ثلاثا جدا گانہ اور ان دونوں کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ مانع نہیں ہے اول تو ظاہر ہے، دوسرا بایں وجہ کہ جیسے تجیز الثلث بعد تعلیق الثلث بوقت اضافت طلاق الی سبب الملک مبطل تعلیق نہیں ہے اسی طرح تعلیق الثلث بعد تنجیز الثلث

۱۔ قاضی خان کتاب الطلاق، ج ۱، مطبع نولکشور لکھنؤ انڈیا۔ ۲۔ درمختار باب التعلیق، ص ۲۳۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۳۔ حاشیہ کنز لما سکین کتاب الطلاق باب التعلیق، ج ۲، ص ۱۵۱، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

کے صحت کا بھی کوئی امر صورتِ مسئلہ میں مانع نہیں ہے کیونکہ یہ مطلقہ کم از اجنبیہ تو نہیں ہے جب اجنبیہ کی صورت تعلیق کی صحت بوقتِ اضافت طلاق الی سبب الملک ہو جاتی ہے تو مطلقہ معتدہ کا طلاق ثلاثہ اگر معلق بہ سبب الملک ہو تو اس کی صحت میں کون امر مانع ہے چنانچہ درمختار میں ہے ویبطل تنجیز الثلاث تعلیقہ الثلاث ومادونہا الا المضافة الی الملک ۱ (اور تین کی تجیز تین کی تعلیق یا اس سے کم کو باطل کر دیتی ہے مگر وہ جو ملک کی طرف مضاف ہو، اس کو باطل نہیں کرتی) اور فتح المعین حاشیہ شرح کنز ملا مسکین میں مرقوم ہے قوله بان طلقها واحدة او ثنتين قيد بذالك لماسياتی من ان تنجیز الثلاث مبطل لليمين حيث قال المصنف ویبطل تنجیز الثلاث تعلیقہ الا اذا كان مضافة الی سبب الملک فحينئذ لا یبطل بالثلاث حموی عن المفتاح ۲ (قوله بایں طور کہ اس کو ایک یا دو طلاق دے اس کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ عنقریب آئے گی کہ تین کی تجیز یمین کو باطل کرنے والی ہے۔ مصنف نے کہا کہ تین کی تجیز اس کی تعلیق کو باطل کرنے والی ہے مگر جب سبب ملک کی طرف مضاف ہو تو اس وقت تین کے ساتھ باطل نہ ہوگی)

پس خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ یہ تعلیق صحیح ہے۔ جس وقت وہ شخص اس کے ساتھ نکاح کرے گا وہ عورت مطلقہ بطلاق ثلاثہ ہو جائے گی واللہ اعلم

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۵۵۔ حلف طلاق میں محلف علیہ کے امکان کے معنی

کے بارے میں حضرت قبلہ عالم کا محاکمہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں عالمانِ دین و فاضلانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنی عورت کو کہا کہ فلاں چیز کو جلد اس وقت ظاہر کر۔ عورت نے کہا کہ میں نہیں ظاہر کرتی ہوں۔ ہر چند آنکھ زید نے اظہار کرنے پر اصرار کیا اور عورت نے انکار عدم اظہار پر اور زید کو کامل یقین ہو گیا کہ چیز عورت کے قبضہ میں موجود ہے جس

۱۔ درمختار باب التعلیق، ج ۱، ص ۲۳۱، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ۲۔ فتح المعین حاشیہ کنز ملا مسکین باب التعلیق، ص ۲۰۲، ۲۰۳، مطبوعہ مصر

کو وہ ظاہر کر سکتی ہے مگر ظاہر نہیں کرتی۔ اس لئے اس نے بحالت غضب شدید ہو کر زجراً بمنشاء حلف لاعلی سبیل طلاق یہ کہہ دیا کہ اگر تو اس وقت وہ چیز حاضر نہ کرے تو میرے پر تو تین شرط سے طلاق ہے۔ جب زید یہ الفاظ بول چکا تو عورت نے کہا۔ اب کیا کروں وہ چیز میرے قبضہ سے باہر ہے اب اس چیز کا ظاہر کرنا میرے امکان سے باہر ہے اور درحقیقت ظاہر کرنا اس وقت اس چیز کا غیر ممکن تھا اور زید اس وقت ایسی غضب کی حالت میں تھا کہ وہ یہ الفاظ بول چکا تو بعد اس کے اہل مجلس سے اپنے الفاظ کی تحقیق کرنے لگا کہ میں نے کیا کہا ہے اور کس طور سے یعنی اس وقت وہ اپنے الفاظ کی تمیز بھی نہیں کر سکتا تھا اور ”اسی وقت“ کے لفظ کے ساتھ تعین یوم یا وقت مثلاً عصر وغیرہ کی قید بھی نہیں لگائی آیا اس طور سے طلاق ثلاثہ واقع ہوگی یا نہ؟ بینوا تو جروا الفاظ مسائل کے بعینہ یہ ہیں۔

المستفتی ایک سائل

الجواب

صورتِ مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ فعل محلوف علیہ پر قدرت نہیں اس واسطے امکان بر شرط ہے واسطے انعقاد یمین کے لان شرط صحة التعليق امکان البرفلو کان غیر ممکن لم یصح التعليق. ایضاً فی البحر صفحہ ۲۰ فالحاصل انہ متی عجز عن المحلوف علیہ والیمین موقتة بطلت عند ابی حنیفہ و محمد و ایضاً فیہ صفحہ ۲۱ والحاصل ان امکان البر شرط لانعقاد الیمین مطلقاً مطلقاً کانت او مقیدۃ کذا فی میزان الشعرانی وھکذا فی کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب۔

العبد حررہ:- محمد خلیل الرحمن مسوالی عفی عنہ

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ

میرے ناقص فہم سے جہاں تک غور کیا جاتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں طلاق ثلاثہ واقع ہوگی کوئی شک نہیں کہ امکان بر کا انعقاد یمین کی شرط ہے چنانچہ کل معتبرات فقہ (۱) کنز الدقائق (۲) شرح وقایہ (۳) ہدایہ (۴) درمختار (۵) شامی وغیرہ کتب اصول فقہ میں تصریح ہو چکی ہے مگر یہاں پر بر ممکن ہے کیونکہ امکان بر سے مراد امکان عقلی ہے اگرچہ عادتہ محال ہو۔

شامی جلد ثالث باب ایمان صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے قوله امکان تصور البر. قال فی

المنح كل ما وقع في هذه المسائل من لفظ تصور فمعناه ممكن وليس معناه متعقل اه
 فالصواب ح لفظ تصور كما في بعض النسخ قلت لكن عبر به في البحر وعليه فالمراد
 بتصوره كونه ذا صورة اي كونه موجودا فالمراد امكان وجوده في المستقبل اي امكانه
 عقلا وان استحال عادة احتراز عن مالا يمكن لا عقلا ولا عادة كما في المثال الآتي فهذا
 لا تنعقد فيه اليمين ولا تبقى بخلاف ما امكن وجوده عقلا وعادة او عقلا فقط مع
 استحاله عادة كما في مسألة صعود السماء وقلب الحجر ذهبا فانها تنعقد كما سيأتي
 انتهت عبارة الشامي۔ اس کلام سے جو منقول ہوئی معلوم ہوا کہ طلاق واقع ہو کیونکہ کسی مکان بعید سے یا
 قبضہ سے باہر شدہ شے کو فوراً حاضر کرنا عقل سے ہرگز بعید نہیں کیف وقد شهد بذلك نظم القرآن في
 قصة بلقيس وسليمان علي نبينا وعليه السلام قال عفريت من الجن انا اتيك الآيته وقال
 الذي عنده علم من الكتاب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك۔ پس جب قرآن شریف
 سے ثابت ہو چکا کہ کسی چیز کا جو قبضہ سے باہر ہو حاضر کرنا ممکن بلکہ واقع ہو چکا ہے۔ پس امکان فی الجملہ مانحن
 فیہ کا ثابت ہو گیا۔ اور یہ قدر انعقاد یمین اور لزوم حث کو کافی ہے۔ ہاں اگر وقوع محلو ف علیہ کا شخص معین سے
 ضروری ہوتا تب کوئی وجہ بن جاتی مگر کسی کتاب سے امکان برکایہ مطلب نہیں سمجھا جاتا۔ معلوم ہوا کہ عدم
 امکان برکایہ عذر تو عدم وقوع طلاق کو اس مسئلہ میں کفایت نہیں کرتا ہاں اگر کوئی دوسری وجہ ہو تو واللہ اعلم وعلمہ احکم
 عزیز الرحمن نزیل پہلوڑہ بمہر خود

سائل کی عبارت کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہ ہوگی
 بلا اریاب شرط انعقاد میں امکان عقلی ہے لیکن یہاں پر غیر ممکن ہے عقلاً۔ کیونکہ امکان عقلی کا معنی محض تجویز عقلی
 نہیں والا فلا فرق بین مسئلہ الکوز والصعود بلکہ امکان موجود ہے عند العقل علی ما قال الحصري فی
 التحرير شرح الجامع الكبير ان هذه يمين غير معقودة فلا يجب الحنث كاليمين
 الغموس لانه ليس ههنا معقود عليه موجود او لا متوهم الوجود وعدم المعقود عليه يمنع
 انعقاد العقد وهذه الان اليمين انما تنعقد لتحقق البر فاذا لم يمكن متصور اي
 موجود لا تنعقد ولو هلك المحلوف عليه والوقت باق والحالف قائم بطلت اليمين عندهما

اس کلام حصیری سے جو منقول ہوئی معلوم ہوا کہ امکان بمعنی وجود عند العقل ہے اور شامی کی عبارت بھی اس کے مفید ہے۔ سائل کا یہ مطلب نہیں کہ مکان بعید سے محلوں علیہ کا حاضر کرنا غیر ممکن ہے۔ کما یشر بہ عبارتہ فانحسف ما قال لتأییدہ فی قصۃ بلقیس بلکہ محلوں علیہ غیر متصور ہے یعنی غیر موجود ہے البحر الرائق صفحہ ۲۰، ۲۱ جلد ثالث فی القنیۃ ان لم تردی ثوبی الساعة فانت طالق فاخذہ ہوا واللصوص او ہلک قبل الدفع الیہ لا یحنت۔ وھکذا ان لم یجئی بفلان فانت طالق فجاء فلان من جانب آخر بنفسہ فی الخانیۃ رجل دفع الی امرأۃ درھما فقال ما فعلت بالدرھم فقالت اشتریت بہ اللحم فقال الزوج ان لم تردی علی ذالک الدرھم فانت طالق و قد ضاع الدرھم من ید القصاب قالوا مالہ یعلم انه اذیب او سقط فی البحر لا یحنت اذا عرفت هذا فاعرف ان الطلاق فی الصورة المسئولۃ عنہا لا یقع واللہ اعلم۔

خادم العلماء محمد خلیل الرحمن مسوالی عفی عنہ

اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ط

حضرت مولوی صاحب! آپ نے جو ثانیاً میری تردید میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کا مبنی علیہ آپ کا امکان بر کا اختراعی معنی ہے حالانکہ آپ نے فن معقول پڑھا پڑھایا ہے۔ کیا آپ نے تجویز عقلی اور وجود عند العقل میں کچھ فرق معلوم کیا ہے، ہرگز نہیں۔ پس آپ نے تجویز عقلی سے انکار کر کے وجود عند العقل کو تسلیم کیا۔ باوجودیکہ دونوں ایک چیز ہیں یہ آپ کی کلام میں صریح تناقض ہے۔ علاوہ تناقض کے امکان بر کا یہ معنی فقہاء کرام کے برخلاف ہے۔ شامی کی عبارت مسطورہ ہوش سے ملاحظہ فرمائیے حیث قال او عقلا مع استحالة عادة پس تجویز عقلی یہی چیز ہے یا کچھ اور۔ اور وجود عند العقل اس کے سوا کیا چیز ہے اور عبارت تلوت جو ذکر ہوگی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مراد امکان بر سے قدرت فی الجملہ ہے جس کو قدرت متوہم سے تعبیر فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ فقہاء کرام کی مراد امکان بر سے تجویز عقلی ہے، جس کے آپ منکر ہیں۔ جب امکان کے معنی خلاف فقہاء کرام آپ نے قرار دیئے تو فروع اس کی جو آپ نے حصیری کی کلام یا البحر الرائق کی نقل فرمائی۔ کب ما نحن فیہ کے مطابق ہوں گے بلکہ فروع منقولہ مسئلۃ الکوز کے قبیلہ کے تھے جن کو آپ نے نظیر مسئلۃ الصعود پر چسپاں فرمایا حضرت سوچ فرمائیے محلوں علیہ ما نحن فیہ میں احضار شے کا مطلوب ہے۔ جو عورت کا فعل ہے۔ کیا یہ احضار ممکن ہے فی الجملہ جیسے قصہ بلقیس میں یا غیر ممکن ہے۔

اب غور کیجئے کہ الفاظ قرآن پاک بقول وزعم آپ کے مخسف ہو گئے یا میری تائید میں شمس باز نہ ہو گئے۔ سائل کی مراد جو آپ نے قرار دی ہے کہ محلو ف علیہ موجود نہیں۔ یہ سائل کے کس لفظ کے معنی ہیں میرا اور آپ کا نزاع اس کی کلام پر ہو رہا ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ سائل کا یہ مطلب نہیں کہ حاضر کرنا شے کا مکان بعید سے غیر ممکن ہے سچ ہے مگر آپ نے غلطی فرما کر میری طرف یہ تعین مراد نسبت فرمائی۔ جناب میں نے بلیقہ کا قصہ ایک شے غیر مقبوض کے حاضر کرنے کی جو بر تحریر کی ہے جسے آپ نے تعین مراد پر حمل فرمایا ہے میری کلام سابق کی آخری سطور ملاحظہ فرمائیے۔

آپ نے فرمایا ہے والافلا فرق بین مسئلۃ الکوز و مسئلۃ الصعود۔ جناب عدم فرق امکان بر کے اختراعی معنی بنانے سے پیدا ہو گیا ہے۔ اگر فقہاء کرام کی مراد جو امکان بر سے تجویز عقلی ہے آپ مان لیویں۔ تو فرق بین المسکتین اظہر من الشمس ہے فی التوضیح ففی کل موضع یمکن البر تنعقد الیمین ویجب الکفارة ففی مسئلۃ من السماء البر ممکن فی حق البشر بما کان للنبی ﷺ وان حلف لا شربن الماء الذی فی هذا الکوز ولا ماء فیہ لا یجب الکفارة لان الاصل وهو البر غیر ممکن فی التلویح فان قیل هذا ظاہر فیما لم یکن فی الکوز ماء واما اذاریق فان البر ممکن باعادة الماء فی الکوز فینبغی ان تبقى الیمین منعقدة ای ان قال قلنا ابتداء الیمین فی الکوز انقضت علی الممكن فی الظاہر وعند الاراقۃ لا یبقی ذالک لممكن ممکنا فلا یبقی الیمین اما فی مسئلۃ قتل المیت وقلب الحجر فالیمین قد انعقدت علی القدرة فی الجملة لا علی الامکان فی الظاہر هذه خلاصة ما فی التلویح اور عبارت تلویح اور زیلعی اور مستخلص وغیرہ کی تمامہ مطالعہ کرنے سے اس مقام میں معلوم ہوتا ہے لو حلف لا شربن الماء الذی یخلقه اللہ تعالیٰ فی الکوز ولا ماء فیہ یحنت لوجود امکان الخلق بعد الحلف کما فی قتل المیت بعینہ۔

پس فرق بین المسکتین ظاہر ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امکان بر سے تجویز عقلی مراد ہے۔ جس کے آپ منکر ہیں عفاک اللہ ما صنعتہ فان قیل ظہر من عبارة التلویح ان الحلف اذا کان علی الامکان فی الظاہر ولم یکن المحلوف علیہ لا تنعقد الیمین ولا یحنت الحالف پس چاہیے بناء علیہ ما نحن فیہ میں سائل حانت نہ ہو۔ کیونکہ سوال میں وہ لکھتا ہے (اور زید کو کامل یقین ہو گیا کہ چیز عورت

کے قبضہ میں ہے جس کو وہ ظاہر کر سکتی ہے مگر ظاہر نہیں کرتی (سائل کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ زید نے محلوف علیہ ممکن فی الظاہر پر حلف کی ہے۔ جب وہ موجود نہیں تو حانث نہ ہوا قلت نعم یعنی قاعدہ تلوتح کا درست ہے۔ مگر ماخن فیہ میں حالف کے نزدیک متیقن یا ممکن فی الظاہر ایک امر عام اور کلی ہے یعنی اظہار اور محلوف علیہ امر جزئی ہے اور خاص ہے یعنی احضار پس ممکن فی الظاہر یہاں محلوف علیہ نہیں اور محلوف علیہ ممکن فی الظاہر نہیں بلکہ ممکن بامکان فی الجملہ ہے۔ اسی واسطے باعث عجز حالی کے حانث ہوگا۔

سوال

عوام کلی اور جزئی اور عام خاص میں فرق نہیں جانتے پس یہ جواب صحیح نہ ہوگا۔

جواب

عوام امکان فی الجملہ اور امکان فی الظاہر اور عدم امکان کو کب جانتے ہیں۔ پس اگر عوام کا علم شرط ہے تو ان کے کلام کا حکم ایسے امور پر فقہاء کرام نے کیوں بنا فرمایا ہے تغد معی فقال ان تغدیت الیوم وان تغدیت فعبده حر فالحکم فی الاول المقید بالیوم والثانی المطلق مغائره علی ما فی کتب الاصول والحال ان العوام لایفہمون المطلق والمقید ایضاً ممکن مجیئہ مطلقاً عند الحالف فقال ان لم تجئنی ما شیاً فعدی حر وقد عجز الجائی عن المشی یحنت۔ لامکان المشی فی الجملة۔ فالحاصل انه لا عبرة بفہم الحالف وعدمہ الاصطلاحات۔ وانما یحکم علی الفاظہ بحسب الاصطلاح

سوال

قسم کی بناء عرف پر ہوتی ہے عرف میں اظہار اور احضار کا ایک معنی ہے۔

جواب

ہر گز نہیں بلکہ عرف میں صرف خبر کر دینے کو حقیقت اظہار کہتے ہیں۔ اگرچہ اس چیز کو حضور میں نہ لائے اور احضار کے معنی حضور میں لانا ہے۔ الاول کلی و عام والثانی جزئی و خاص والالفاظ انما یحکم بمعانیہا الحقیقة ما لم یکن الحقیقة متعذرة او مہجورة فی العرف والاحضار

مما يستعمل حقيقة في العرف شائعا ذائعا فالحكم يدور على معناه الحقيقي تم الجواب.
والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب

راجی الغفران عزیز الرحمن عفی عنہ قاضی و نزیل ریاست پہولڑہ از مقام پہولڑہ

اس مسئلہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا ارشاد

هوالمهم بالصدق والصواب

بسم الله الرحمن الرحيم

صورتِ مسئلہ میں یمین منعقد ہوگئی ہے۔ اس واسطے کہ انعقادِ یمین کے لئے صرف امکان تصور شرط البر عقلاً کافی ہے گو عادتہ محال ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ امثلہ صعود سماء و قلب الحجر ذہباً وغیرہ سے بخوبی ظاہر ہے۔ چنانچہ منہ الخالق میں مرقوم ہے ثم المراد بامكان البر امكانه عقلا وان استحال عادة ولذا اجمعوا على انعقادها في ليصعدن السماء او يقلبن الحجر ذهابا فانه ممكن عقلا (پھر امکان بر سے مراد اس کا عقلاً ممکن ہونا ہے اگرچہ عادتاً محال ہو اسی واسطے فقہاء نے ”البتہ وہ ضرور آسمان پر چڑھے گا یا وہ ضرور پتھر کو سونا بنائے گا“ کے انعقاد پر اتفاق کیا ہے کیونکہ وہ عقلاً ممکن ہے) اور جب یمین منعقد ہو گئی تو بصورتِ عجز عن مباشرت شرط البر صورتِ مسئلہ میں واقعی طلاقِ ثلثہ واقع ہو جائے گی۔ اس واسطے کہ صورتِ فیما نحن فیہ میں شرط الحنث عدمی ہے وہو عدم احضار الشی اور یہ قاعدہ مسلمہ فقہاء کرام ہے کہ جب شرط الحنث عدمی ہو اور مباشرت شرط البر سے عجز پایا جائے تو حث ثابت ہو جائے گا چنانچہ شامی میں ہے والاصل ان شرط الحنث ان كان عدميا وعجز عن مباشرة شرط البر فالمختار الحنث وايضاً قوله ومفاده اى لان شرط الحنث فيه عدمى وهو عدم الاداء والمحل وهو الحالف باق واذا كان يحنث في حلفه ليمسن السماء اليوم مع كون شرط البر مستحيلا عادة فحنثه هنا بالاولى لان شرط البر ممكن بان يغصب مالا او يجد من يقرضه او يرث قريبا له ونحو ذلك فان ذلك ليس بابعدم من مس السماء (اور اصل یہ ہے کہ شرط حث اگر عدمی ہو اور شرط کی مباشرت سے عاجز ہو تو مختار حاث ہونا ہے، نیز اس کا قول (ومفاده) یعنی کیونکہ حث کی شرط اس میں

۱ منہ الخالق بر حاشیہ بحر الرائق، ص ۱۹، ج ۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۲ رد المحتار، ج ۴، فصل فی مشیۃ کتاب الطلاق، ص ۲۴۱-۲۴۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

عدی ہے اور وہ عدم ادا اور محل ہے تو وہ حالف باقی ہے اور وہ جب اپنے حلف ”آج وہ ضرور آسمان کو ہاتھ لگائے گا“ باوجود برکی شرط کے عادتاً محال ہونے کے حانت ہوتا ہے تو یہاں اس کا حانت ہونا اولیٰ ہے کیونکہ شرط بر ممکن ہے بایں طور کہ مال کو غصب کرے یا اس شخص کو پائے جو اس کو قرضہ دے یا اپنے قریبی کا وارث ہو اور اسکی مثل، بیشک یہ آسمان کو ہاتھ لگانے سے بعید نہیں) اور یہ یمین مقید بوقت ہے اور جب مقید بوقت ہو اور وقت گزر جائے اور مباشرت شرط البر سے عجز ثابت ہو جائے تو حالف حانت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شامی میں مرقوم ہے حاصلہ انہ اذا كانت اليمين مقيدة بالوقت يحنث بمضيه الا اذا اعجزت عن ردہ بان ضاع او اذیب انتھی^۱ (خلاصہ یہ ہے کہ جب قسم وقت کے ساتھ مقید ہو تو اس کے گزرنے کے ساتھ حانت ہو جائے گا مگر جب اس کے رد کرنے سے عاجز ہو جائے بایں طور کہ ضائع ہو جائے یا پگھلا دی گئی ہو) وعبارۃ البحر فالحاصل انہ متی عجز عن المحلوف علیہ واليمين موقته بطلت مقيدة بان لم یکن شرط الحنث عدمھا^۲ (خلاصہ یہ ہے کہ وہ جب محلوف علیہ سے عاجز ہو جائے اور یمین (قسم) موقت ہو تو مقیدہ باطل ہو جائیگی بایں طور کہ حث کی شرط اس کا عدم نہ ہو) واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

هذا مافی علمى القاصرو العلم عند الله الملتجى الى الله

العبد المدعو بمهر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۵۶۔ طلاق کے سلسلہ میں حالف کے حانت ہونے کا بیان

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے لڑائی کی اور بحالت جنگ وجدال قسم کھائی کہ اگر میں تیری زوجہ کے ہاتھ کا پکا ہوا طعام کھاؤں تو میری زوجہ پر تین طلاق ہیں بعدہ اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا بعد ازاں حالف نے اپنے بھائی کی زوجہ معتدہ کے ہاتھ کا پکا ہوا طعام عدت کی حالت میں کھایا آیا اس صورت میں یہ شخص حانت ہوا یا نہیں اور اس کی عورت مطلقہ بطلاق ثلثہ ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا

۱۔ رد المحتار، ج ۴، کتاب الربوا، ص ۲۰۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ ۲۔ البحر الرائق کتاب الطلاق باب التعلیق، ج ۴، ص ۳۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

الجواب

صورتِ مسئلہ میں حالف حانث ہو گیا اس واسطے کہ حث کا لزوم ایمان شکنی کی وجہ سے لازم آتا ہے اور یمین شکنی کا وجود تو بوجہ ارتکاب فعل مخلوف علیہ یعنی بہ سبب تحقق شرط وقوع میں آ گیا ہے چنانچہ حالف نے زوجہ معتدہ برادر کے ہاتھ کا پکا ہوا طعام کھایا ہے اور یہی ارتکاب باعث حث ہے گو عدم ملک کی صورت میں ترتب جزا کا لزوم ہوگا مگر حالف حانث تو بہر خود ہو جائے گا چنانچہ شرح وقایہ میں ہے وتنحل بعد الشرط مطلقاً ای سواء وجد الشرط فی الملک او فی غیر الملک فان وجد فی الملک تنحل الی جزاء ای یبطل الیمین ویترتب علیہ الجزاء وان وجد لا فی الملک تنحل لا الی جزاء ای یبطل الیمین ولا یترتب علیہ الجزاء لانعدام المحلیۃ^۱ (اور شرط کے بعد مطلقاً حل ہو جائے گا برابر ہے کہ شرط ملک میں ہو یا غیر ملک میں حل ہو جائے گا طرف جزا کے یعنی یمین باطل ہو جائے گی اور جزا مرتب ہو جائے گی اور اگر غیر ملک میں پایا گیا تو یمین باطل ہو جائے گی اور جزا بھی مرتب نہیں ہوگی کیونکہ محل معدوم ہو گیا) باقی رہا بیان ترتب جزاء و کیفیت زوجہ معتدہ برادر سو وہ بھی اظہر من الشمس ہے خواہ حالت تعلیقی لحاظ کی جائے جیسا کہ عبارت شامی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے و الاظهر اعتبار حالة التعليق لاحالة وجود الشرط وهی فی حالة التعليق کانت امرأة فلا یضر بینونتها بعده وهذا هو الموافق لما اطلقه اصحاب المتون منها ولما صرحوا به ایضاً فی کنایات من ان البائن لا یلحق البائن الا اذا کان البائن معلقاً قبل ایجاد المنجز البائن کقوله ان دخلت الدار فانت بائن ثم ابانها ثم دخلت بانت باخری و ذالک باعتبار حالة التعليق فانها کانت امرأة له من کل وجه ولو اعتبر حالة وجود الشرط لزم ان لا یقع المعلق فقد ظهر ان المرجح اعتبار حالة التعليق^۲ (زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ حالت تعلیق کا اعتبار کیا جاوے نہ کہ حالت وجود شرط کا اور تعلیق کی حالت میں وہ عورت تھی لہذا بعد میں اس کا بائن ہو جانا ضرر نہیں دیتا یہی بات موافق ہے جس کا اطلاق اصحاب متون نے کیا ہے اور انہوں نے کنایات میں صراحت کی ہے کہ بائن، بائن کو لاحق نہیں ہوتا مگر جبکہ بائن معلق مثلاً یوں کہے کہ اگر تو مکان میں داخل ہوئی تو تجھے بائنہ طلاق پھر اس کو بائنہ طلاق دے دی اس کے بعد وہ مکان میں داخل ہوئی تو اسے دوسری بائنہ پڑ جائے گی اور یہ باعتبار حالت تعلیق کے ہے پس وہ اس کی بیوی تھی ہر وجہ سے اور اگر اعتبار کیا جائے

۱۔ شرح وقایہ، ج ۲، باب الحلف بالطلاق، ص ۱۰۱، ۱۰۰ مطبوعہ مکتبہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ۲۔ شامی، ص ۵۴۴، ج ۲۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

حالت وجود شرط کا تو لازم آئے گا کہ معلق واقع نہ ہو پس ظاہر ہو گیا کہ ترجیح حالت تعلیق کو ہے (چنانچہ بحر الرائق و فتح القدر وغیرہ کی عبارت کا مفاد ہے وہی ہذہ و حینئذ فالیمین منعقدہ علی ہجر المضاف حال قیام الاضافة وقت الفعل ما کان موجوداً وقت الیمین و دامت الاضافة ای وقت الفعل او انقطعت ثم وجدت بان باع و طلق ثم اشتری ولم یکن وقت الیمین فاشتری عبده فکلمه حنث و کذا لو لم تکن له زوجته فاستحدثت زوجته) (اور اس وقت یمین منعقدہ ہے مضاف کو چھوڑ دینے پر اس حال میں کہ اضافت کے قیام کے وقت فعل موجود نہ تھا اور اضافت دائمی رہی فعل کے وقت تک یا منقطع ہو گئی۔ پھر موجود ہوئی بایں طور کہ اس نے بیچا اور طلاق دی پھر خریدا اور وہ یمین کے وقت نہ تھا اس نے پھر غلام کو خریدا اور اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا اسی طرح اگر اس کی بیوی نہیں تھی تو پھر اس نے نئی بیوی حاصل کی)

پس بعد ملاحظہ عبارت مذکورہ بالا معلوم کرنا چاہیے کہ کیفیت حالت تعلیق تو ظاہر ہے کہ تعلیق کے وقت برادر حالف زندہ تھا اور اس کی زوجہ اس کے ملک میں تھی باقی رہی حالت وجود شرط پس اس میں شرط متحقق ہونے سے حنث کا لزوم اس واسطے ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے ملک کا اطلاق عام کیا ہے جو ملک حقیقی و حکمی دونوں کو شامل ہے۔ بناءً علیہ صورت مسئلہ میں بقاء عدت کی وجہ سے ملک حکمی موجود ہے اور تعلیق کی صحت ملک حقیقی و حکمی دونوں میں متصور ہے چنانچہ البحر الرائق میں موجود ہے اطلق الملك فافادانه يشمل الحقیقی كالملك حال بقاء النکاح والحکمی بقاء العدة والتعلیق یصح فیہما وقد مناعند شرح قوله آخر الکنايات والصریح یلحق الصریح لان تعلیق طلاق المعتدة فیہما صحیح فی جمیع الصور الا اذا كانت معتدة عن بائن وعلق بائنہا کما فی البدائع اعتبار اللتعلیق بالتنجیز ۲ (اس نے ملک کا اطلاق کیا اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ملک حقیقی ہو مثلاً وہ ملک جو بقاء نکاح کے وقت ہو اور حکمی ہو جیسا کہ بقاء عدت کے وقت دونوں میں تعلیق صحیح ہے اور صریح لاحق ہوتا ہے صریح کو کیونکہ عدت والی عورت کی طلاق کو معلق کرنا دونوں میں صحیح ہے تمام صورتوں میں مگر اس صورت میں جبکہ وہ بائنہ کی عدت میں ہو اور اس کی بائنہ معلق ہو جس طرح کہ بدائع میں ہے کہ تعلیق کا اعتبار تنجیز کے وقت ہوگا)

خلاصہ یہ ہے کہ عدت کی حالت میں بھی شرط متحقق ہونے سے جزاء کا ترتب ہو جاتا ہے جیسا کہ عبارت مذکورہ بالا سے بخوبی روشن و ہویدا ہو گیا ہے اور عبارت ہدایہ یعنی ومن حلف لا یکلم عبد فلان

ولم ینو عبد ابعینہ او امرأة فلان او صدیق فلان فباع فلان عبده او بانت منه امرأة او عادی صدیقہ فکلمہم لم یحثا (جس نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہیں کرے گا اور کسی معین غلام کی نیت نہیں کی یا فلاں عورت سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کے دوست سے بات نہیں کرے گا پھر فلاں نے اپنا غلام بیچ دیا یا فلاں نے اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دے دی یا اس نے اپنے دوست کو دشمن بنالیا پھر اس نے ان سے بات کی تو قسم میں حاث نہیں ہوگا) کا مطلب یہ ہے کہ عدم تعین وعدم اشارہ کی صورت میں اگر من کل الوجوہ ملک زائل ہو جائے تو ارتکاب فعل مخلوف علیہ سے حالف حاث نہ ہوگا مگر صورت مسئلہ میں تمامہ ملک زائل نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ بقائے عدت کی وجہ سے ملک حکمی باقی ہے جو ترتب حکم کے واسطے ملک حقیقی کا حکم رکھتی ہے پس یہ عبارات ہدایہ و امثال آں مسئلہ مذکورہ بالا کے علاوہ جداگانہ صورت کے واسطے موضوع ہوئی ہیں نہ یہ کہ اس صورت میں حکم عدم حث کے واسطے وضع کی گئی تھیں۔

حاصل یہ ہے کہ عدت کی حالت کو فقہاء کرام نے خارج عن الملک نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ تعلیق کے بارہ میں عین ملک کا حکم دے کر منکوحہ و معتدہ دونوں کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے چنانچہ درمختار میں ہے شرط الملک حقیقۃ کقولہ لقنہ ان فعلت کذا فانت حر۔ او حکما ولو حکمیا کقولہ لمنکوحتہ او معتدہ ان ذہبت فانت طالق و کذا فی الشامی او حکما ای اذ کان الملک حکما کملک النکاح فانہ ملک انتفاع بالبضع لا ملک رقبۃ ثم ان هذا الحکمى ان کان النکاح قائما فهو حکمی حقیقۃ وان کان بعد الطلاق وہی فی العدة فهو حکمی حکما والی هذا اشار بقولہ ولو حکمیا ۲ (ملک کی شرط حقیقتاً ہو مثلاً اپنے غلام سے کہے اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو آزاد ہے یا حکماً ہو مثلاً اپنی منکوحہ یا عدت والی بیوی سے کہے اگر تو گئی تو تجھے طلاق ہے اسی طرح شامی میں ہے حکماً کے معنی یہ ہیں کہ ملک حکمی ہو مثلاً ملک نکاح کیونکہ اس میں عورت کے جنسی تعلق سے نفع اٹھایا جاتا ہے اس کی گردن کا مالک نہیں ہوتا۔ اگر نکاح قائم ہو تو یہ حقیقتاً حکمی ہے اور اگر طلاق کے بعد ہو اور عورت عدت میں ہو تو وہ عورت حکماً حکمی ہے اور اسی طرف اشارہ کیا اپنے قول ولو حکمیا کے ساتھ) الحاصل ان عبارات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ عدت کی حالت، تعلیق کے بارے میں عین ملک کا حکم رکھتی ہے و نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ حالف بوجہ ارتکاب فعل مخلوف علیہ حاث ہو گیا ہے پس اگر کوئی عورت اس کے نکاح میں ہے تو وہ مطلقہ بطلاق مثلاً ہو گئی هذا حکم الكتاب واللہ اعلم بالصواب

العبد الملتجى الى الله المدعو بمهر علی شاه عفی عنه ربه بقلم خود از گولڑہ

۵۷۔ عورت کے سامنے اُس کی طرف نسبت

کیے بغیر طلاق کے اعلان کا حکم

استفتاء

بخدمت فیض درجت، چشمہ تفضلات، عالم بے مثل و فاضل بے بدل، حاوی فروع و اصول،
داناے معقول و منقول، عارف باللہ جناب حضرت پیر صاحب متوطن گولڑہ شریف

ازینصوب بندہ گناہگار عاصی فدویت اگین غیاث الدین سے بعد آداب تسلیمات شہانہ بجالا کر
عرض رساں ہوں۔ مضمون عریضہ یہ ہے کہ عرصہ سے طلبگار اور آرزو مند آنجناب کے دیدار کا مشتاق ہوں
خداوند کریم جناب کا دیدار حصول کراوے اور آنجناب کا چہرہ مبارک چشم نابینا سے دیکھوں کہ بینائی حاصل
ہوے۔ بعد ازاں گزارش بخضر ہے کہ ایک مسئلہ شریف حل کر کے مرقوم فرمانویں جس کی تفصیل یہ ہے کہ میں
اپنی منکوحہ کو بدکلامی اور بدزبانی سے ہر چند روکتا رہا مگر وہ باز نہ آئی۔ ایک روز بحالت غصہ و غیظ میں نے اپنے
دل میں یہ تصور کیا کہ اس کو بدبہ دوں اور مارنے سے شاید کسی عضو کو نقصان پہنچے جوش میں آ کر اس کو کہا کہ ایک
طلاق دو طلاق تین طلاق چار طلاق پانچ طلاق غرض دس تک تعداد ہوئی اور کہا جب تک تو باز نہ آئے گی تم کو
نہ سنبھالوں گا یہ کہہ کر اس سے علیحدہ ہو گیا عرصہ پانچ ماہ گذشتہ ہو گیا ہے اسی حالت میں ہوں اور کوئی اشارہ
وغیرہ اس کی طرف نہیں کیا اور نہ اور کچھ اُس کو کہا۔ اس واسطے حضور انور کو تکلیف دیتا ہوں کہ اب وہ عورت عاجز
اور لاچار ہو کر مجھ کو تسلی دیتی ہے اور توبہ و استغفار کرتی ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نالائق نہ کروں گی۔ پس اس
کے بارہ میں کیا ارشاد ہے مفصل حالات بواپسی بسبیل ڈاک جواب سے سرفراز فرماویں کہ کس طرح کیا جاوے
اور کوئی سزا اگر مجھ پر شرعی ہو تو تحریر فرمائی جاوے کہ آخرت کو بھلائی ہو، اس کے عوض پکڑا نہ جاؤں۔ از روئے
ایمان یہ حقیقت ہے جس طرح فرماویں اسی طرح کیا جاوے گا عین مہربانی اور نوازش ہوگی اور گنہگار کے حق
میں دُعا فرماویں کہ خداوند کریم کفر اور گمراہی سے دور کرے اور خداوند کریم دین محمد مصطفیٰ ﷺ پر قائم رکھے اور
سب مومنوں کو نجات دے، جہنم سے پناہ دے اور قابل بہشت بناوے باللہ التوفیق فقط

عاصی گنہگار غیاث الدین سکنہ موضع سٹہری ڈاک خانہ سٹہری تحصیل و ضلع جہلم بقلم خود

الجواب هو الصواب

صورتِ مسئلہ میں طلاقِ مثلثہ واقع ہوگئی گو طلاق دہندہ نے بظاہر اضافت و اشارہ الی المرأة ترک کیا ہے کیونکہ یہ فاعل کا فعل اختیاری ہے نہ اضطراری۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب فاعل سے باختیار فعل سرزد ہو تو ضرور وہ شخص اس فعل کا مرید یعنی ارادہ کنندہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ فعل اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس فیما نحن فیہ میں جب بیوی والے شخص نے اپنی منکوحہ کے روبرو ایک طلاق دو طلاق دس طلاق تک کیا۔ تو بدبدہ سیاست ہی کے لحاظ سے کیوں نہ ہوں تو ضرور محل طلاق اس کے ارادہ میں بھی منکوحہ ہوگی جو اس کے سامنے موجود ہے اور جب ارادہ طلاق منکوحہ موجودہ کے متعلق ہو گیا تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اضافت صریحی متروک ہوگئی ہو جیسا عبارت فقہاء کرام سے ظاہر ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے لَوْ قَالَ طَالِقٌ فَقِيلَ مَنْ عَنِتْ فَقَالَ امْرَأَتِي طَلَّقْتَ امْرَأَتَهُ عَلَيَّ أَنَّهُ فِي الْقَنِيَةِ قَالَ رَجُلٌ دَعَتْهُ جَمَاعَةٌ إِلَى شَرْبِ الْخَمْرِ فَقَالَ إِنِّي حَلَفْتُ بِالطَّلَاقِ إِنِّي لَا أَشْرِبُ وَكَانَ كَاذِبًا فِيهِ ثُمَّ شَرِبَ طَلَّقْتَ وَقَالَ صَاحِبُ التَّحْفَةِ لَا تَطْلُقْ دِيَانَةً. وَمَا فِي التَّحْفَةِ لَا يَخَالَفُ مَا قَبْلَهُ لَأَنَّ الْمُرَادَ طَلَّقْتَ قَضَاءً فَقَطْ لِمَا مَرَّ مِنْ أَنَّهُ لَوْ أَخْبَرَ بِالطَّلَاقِ كَاذِبًا لَا يَقَعُ دِيَانَةً بَخِلَافِ الْهَازِلِ فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى وَقُوعِهِ وَإِنْ لَمْ يَضْفِهِ إِلَى الْمَرْأَةِ صَرِيحًا وَابْتِزَاجًا قَرِيبًا مِنْ الْأَلْفَاظِ الْمُسْتَعْمَلَةِ الطَّلَاقِ يُلْزَمُنِي وَالْحَرَامُ يُلْزَمُنِي وَعَلَى الْحَرَامِ فَيَقَعُ بِلَانِيَةِ لِلْعَرَفِ فَأَوْقَعُوا بِهِ الطَّلَاقَ مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَيْهَا صَرِيحًا فَهَذَا مُوَيَّدٌ لِمَا فِي الْقَنِيَةِ وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يَصْدُقُ فِي أَنَّهُ لَمْ يَرُدَّ امْرَأَتَهُ لِلْعَرَفِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ) اگر کسی نے کہا ”طلاق والی ہے“ پوچھا گیا کہ تو کس کو مراد لیتا ہے؟ اس نے کہا اپنی بیوی تو اسکی بیوی مطلقہ ہو جائے گی۔ اس بناء پر کہ قنیہ میں فرمایا ایک شخص ہے جس کو اس کی جماعت نے شراب پینے کی دعوت دی اس نے کہا کہ میں قسم اٹھا چکا ہوں طلاق کی یہ کہ میں شراب نہیں پیوں گا اور اس میں جھوٹا تھا پھر اس نے شراب پی لی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور صاحب تحفہ نے فرمایا کہ دیانۃ طلاق واقع نہیں ہوگی اور وہ جو تحفہ میں ہے وہ اس کے ماقبل کے مخالف نہیں کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قضاء طلاق واقع ہوگئی۔ فقط بوجہ اس کے جو گذری یعنی یہ کہ اگر کسی نے طلاق کی جھوٹی خبر دی تو دیانۃ واقع نہیں ہوتی بخلاف ہازل (مزاحاً طلاق دینے والا) کے کہ یہ وقوع طلاق پر دلالت کرتا ہے اگرچہ طلاق کی اضافت زوجہ کی طرف صراحت نہ بھی کی ہو اور عنقریب اس کا

بیان بھی ہوگا کہ وہ الفاظ جو استعمال کیے جاتے ہیں کہ الطلاق یلزمی (طلاق دینا مجھ پر لازم ہے) و علی الطلاق و علی الحرام تو ان (الفاظ مستعملہ) سے بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے عرف کی وجہ سے کیونکہ لوگ ان الفاظ کے ساتھ طلاق دیا کرتے ہیں اس کے باوجود کہ ان میں طلاق کی اضافت صریح بیوی کی طرف نہیں ہوتی پس یہ مؤید ہے اس کا جو قنیہ میں ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اس بات میں سچا نہیں سمجھا جائیگا کہ اس نے اپنی زوجہ کو مراد نہیں لیا تھا عرف کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے)

الحاصل ان عبارات مذکورہ بالا سے میری رائے ناقص میں طلاق مثلث صورت مسئلہ میں واقع ہوگئی

بدون حلالہ پہلے خاوند کے نکاح میں وہ عورت نہیں آسکتی ہے واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ از گولڑہ

۵۸۔ طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہ کرنے کا حکم

سوال

بیان فیروز ولد نہتھو قوم زمیندار ذات جنجوعہ ساکن کہنہ گنگال

میں ایمان سے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ بروز سوموار ۲۴۔ رمضان شام کے وقت لڑائی جھگڑے کے باعث تنگ آ کر غصہ سے میں نے اپنی بیوی نور حیات کو جو میرے نزدیک چار پائی پر بیٹھی ہوئی تھی کہا ”ایک طلاق، دوسری طلاق، تیسری طلاق۔ جاتو یہاں سے چلی جا“ اب جو شرع کا حکم ہے میں اس پر عمل کروں گا۔

فیروز ولد نہتھو بقلم کرم اللہ

فیروز نے چونکہ طلاق کو اپنی منکوحہ کی طرف منسوب نہیں کیا لہذا بحسب تصریحات مندرجہ ذیل طلاق واقع نہ ہوگی۔

۱۔ رجل قال لامرأته فی الغضب ارتوزن من سہ طلاق وحذف الیاء لا تطلق امرأته لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔ قاضی خان (ایک آدمی نے اپنی بیوی سے غصہ میں کہا تین طلاق اور یا کو حذف کر دیا تو اس عورت کو طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے طلاق کو اس کی طرف اضافت نہیں کیا)

۲۔ رجل قال لامرأته لا تخرجی من الدار بغیر اذنی حلف بالطلاق فخرجت بغیر اذنه لا تطلق لانه لم يذكر انه حلف بطلاقها لعله حلف بطلاق غيرها فكان القول قوله۔ قاضی خان، بحر، بزازیہ ۱ (ایک مرد نے بیوی سے کہا گھر سے نہ نکلنا بغیر میری اجازت کے میں نے طلاق کی حلف اٹھا رکھی ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر نکل گئی تو طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے یہ نہیں کہا کہ میں نے اسی بیوی کی طلاق کی حلف اٹھائی ہے ہو سکتا ہے کسی اور بیوی کی طلاق کی حلف اٹھائی ہو۔ لہذا اس شوہر کا قول معتبر ہوگا)

۳۔ قید بخطابها لانه لو قال ان خرجت يقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الاضافة اليها ۲ (قید لگائی ہے خطاب کی کیونکہ اگر اس نے کہا اگر تو نکلی طلاق ہو جائے گی یا نہ نکلنا میری اجازت کے بغیر میں طلاق کی حلف اٹھا چکا ہوں پس وہ نکلی تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے اس کی طرف اضافت نہیں کی) ان عبارات میں باوجود قرآن (غضب سیاق سابق) بوجہ ترک نسبت و اضافت عدم وقوع طلاق کی تصریح کر دی گئی ہے۔

الجواب وهو المملهم للصواب

وقوع طلاق کے لئے تصریح اضافت یعنی اپنی منکوحہ کی جانب نسبت کی تصریح کرنی ضروری نہیں بلکہ بحسب المعنی اضافت کا ہونا کافی ہے۔ قاضی خان خود لکھتا ہے رجل قال لامرأة لا تخرجی من الدار بغیر اذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت بغیر اذنه لا تطلق لانه لم يذكر انه حلف بطلاقها لعله حلف بطلاق غيرها فكان القول قوله ۳ (ایک مرد نے بیوی سے کہا گھر سے نہ نکلنا میری اجازت کے بغیر میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے پس وہ نکل گئی اسکی اجازت کے بغیر تو طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اسی بیوی کی طلاق کی حلف اٹھائی ہے ہو سکتا ہے اس نے کسی اور بیوی کی طلاق کی حلف اٹھائی ہو۔ لہذا شوہر کا قول معتبر ہوگا) محل استشہاد صرف جملہ اخیرہ (فكان القول قوله) ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ اگر وہ قائل قول ہذا سے اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی یہ بات اور ہے کہ وہ اسی قول سے طلاق منکوحہ غیر کا ارادہ بھی کرے تو کر سکتا ہے اور بموجب فالقول قولہ کے سچا بھی مانا جاسکتا ہے۔

۱۔ قاضی خان کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۲۱۵-۲۱۶، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲۔ درمختار کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۲۱۸، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۳۔ قاضی خان کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۲۱۵-۲۱۶، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا

دوسرے مقام پر کتاب الطلاق کے صدر میں قاضی خان لکھتا ہے رجل قال لامرأة طالق ولم یسم وله امرأة معروفة طلقت امرأته استحساناً فان قال لی امرأة اخرى وایاها عنیت لا یقبل قوله الا ان یقیم البینة^۱ (ایک مرد نے کہا میری بیوی طلاق والی ہے اس نے بیوی کا نام نہیں لیا لیکن اسکی بیوی مشہور و معروف ہے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی بطور استحسان کے اور اگر یہ کہے کہ میری دوسری بیوی ہے میں اس سے مراد رکھتا ہوں تو اسکی بات نہیں مانی جائے گی مگر یہ کہ گواہ قائم کرے) اپنی عورت کو طالق کہتا ہے نہ یہ کہ انت طالق یا هذه طالق یا امرأتی طالق یہاں پر مقولہ قال یعنی متلفظ صرف طالق ہے، اور اضافت ندارد باوجود اس کے طلاق بلفظ طالق استحساناً ہوگئی۔ استحساناً اس لئے کہ بظاہر بوجہ ترک اضافت چاہئے تھا کہ طلاق واقع نہ ہو مگر بعد ملاحظہ دلیل خفی بحسب عرف وقرینہ حال وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور طلاق کو خبر مبتدا محذوف ماننا پڑا۔ ان دونوں روایات مرویہ قاضی خان ہی سے ثابت ہوا کہ وقوع طلاق کے لئے تصریح اضافت کی ضرورت نہیں بلکہ بحسب المعنی اضافت کا وجود عند الفقہاء ضروری سمجھا گیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامہ^۲ ہاں در صورت عرف بغیر نیت کرنے کے بھی وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا چنانچہ در مختار میں ہے ومن اللفاظ المستعملة الطلاق یلزم منی والحرام یلزم منی وعلى الطلاق وعلى الحرام فیقع بلانیة للعرف^۳ (الفاظ مستعملہ میں سے یہ ہے کہ طلاق مجھے لازم ہے، حرام مجھے لازم ہے، میرے اوپر طلاق ہے اور میرے اوپر حرام ہے پس طلاق واقع ہو جائے گی بغیر نیت کے عرف عام کی وجہ سے) علامہ شامی اس پر لکھتے ہیں فاقعوا به الطلاق مع انه لیس فیہ اضافة الطلاق صریحا فهذا مؤید لما فی القنیة وظاهره انه لا یصدق فی انه لم یرد امرأته للعرف واللہ اعلم^۴ (پس طلاق واقع ہو جائے گی باوجود طلاق کی اضافت نہ ہونے کے صراحۃً اس سے قنیہ کی عبارت کی تائید ہوتی ہے کہ اسے اس بات میں سچا نہیں مانا جائے گا کہ اس نے اپنی بیوی کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ اس کا یہ کہنا عرف کے خلاف ہے) اور جس صورت میں کہ لفظ مبہم و محتمل المعنیین ہو اور عرف کے احتمال کے لئے مؤید نہ ٹھہرے تو ایسے لفظ سے نیت کرنے کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی اور ماخن فیہ میں فیروز کا بیان طلاق منکوحہ غیر کے ارادہ کرنے سے خالی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے

۱ قاضی خان کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۲۰۷، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲ شامی کتاب الطلاق، ج ۳، ص ۲۳۳، دار الفکر بیروت

۳ در مختار کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۲۱۹، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴ شامی کتاب الطلاق، ج ۳، ص ۲۷۳، دار الفکر بیروت

کما قال الشامی فی مثل هذا لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها اور فیروز والے واقعہ مستفتی عنہا کو پہلی صورت عرفیہ سے بھی قرار دینا بعید معلوم نہیں دیتا۔ الحاصل بہر کیف صورت مسئلہ مسطورہ بالا تین طلاق واقع ہو گئیں جیسا کہ جناب قاری صاحب نے لکھا ہے۔ تشریح ہذا کے بعد نقاد منصف مزاج پر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہوگا کہ قاضی خان کی روایت مندرجہ ذیل عدم وقوع طلاق کے لئے بوجہ ترک اضافت صراحۃ مفید نہیں ہو سکتی ہے روایت یہ ہے رجل قال لامرأة فی الغضب ارجو ان لا یزوجک طلاق وحذف الیاء الخ ۲ ایسا ہی صاحب درمختار کا بہ تبع صاحب بحر یہ لکھنا کہ لم یقع لتركه الاضافة الیهما ٹھیک نہ ہوا۔ طرفہ یہ ہے کہ علامہ شامی اضافت صریحہ کے غیر ضروری ہونے پر صاحب بحر ہی کا قول شاہد لاتے ہیں۔ حیث قال ولا یلزم كون الاضافة صریحة فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته (نہیں لازم آتا کہ اضافت صراحۃ ہو جیسا کہ البحر الرائق میں ہے اگر کہے طلاق والی تو اس پوچھا جائے کہ تیری کیا مراد ہے وہ کہے عورت تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی) اور نیز بحر میں ہے لو قال امرأة طلاق جس پر علامہ شامی لکھتے ہیں ویفہم منه انه لو لم یقل ذالک تطلق امرأته ۳ ایسا ہی صاحب قنیہ، صاحب محیط کی جانب روایت ذیل کو منسوب کرتے ہیں رجل دعتہ جماعة الی شرب الخمر فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذباً فیہ ثم شرب طلقت امرأته وقال وقال صاحب التحفة لا تطلق دیانة (ایک آدمی کو جماعت نے شراب پینے کی دعوت دی اس نے کہا میں نے طلاق کی قسم اٹھائی ہے میں شراب نہیں پیوں گا وہ اس بات میں جھوٹا ہو پھر شراب پی لے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی صاحب تحفہ کہتے ہیں دیانۃ طلاق نہیں ہوگی) صاحب قنیہ اور صاحب تحفہ ہر دو از روئے قضا طلاق واقع ہونے پر متفق الرائے ٹھہرے۔ علامہ شامی کی تصریح کے مطابق صاحب مختار اور صاحب بحر جس کا وہ تابع ہے دونوں کو اضافت مصرحہ کے شرط ٹھہرانے میں دھوکہ ہوا ہے اور صاحب بحر کے قول ہذا کا ماخذ صاحب بزاز یہ کا قول ذیل ہے قال لہا لا تخرجی من الدار الخ ۴ بزاز یہ کے قول ہذا کا ہرگز یہ مفاد نہیں ہے کہ اضافت بحسب اللفظ والصراحة کے ترک سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ عبارت ہذا کا جملہ اخیرہ فکان القول قولہ ملاحظہ ہو، جس کو پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہ وہی تقریر ہے جو بروقت تشریف آوری مخلصی فی اللہ چودھری شاہ داد صاحب

۱۔ ۳ شامی کتاب الطلاق، ج ۳، ص ۲۷۳، دار الفکر بیروت ۲۔ قاضی خان کتاب الطلاق، ج ۱، ص ۲۱۵، مطبوعہ نولکشر لکھنؤ انڈیا

۳۔ ۴ شامی کتاب الطلاق، ج ۳، ص ۲۷۳، دار الفکر بیروت

ساکن راولپنڈی و مخلصی قادر بخش و فریقین مخلصی فی اللہ قاضی فضل الہی صاحب و مخلصی فی اللہ مولوی حبیب اللہ صاحب بموجودگی حضرات مذکورہ وغیرہم کی گئی تھی جواب کسی قدر مشرح فریقین میں سے قاضی صاحب کے اطمینان کے لئے معرض تحریر میں لائی گئی۔

گفتیم والسلام علی تابع الہدی

والصلوة والسلام علی سیدنا محمد المصطفیٰ وآلہ المجتبیٰ واصحابہ البررة
اہل التقی وللہ الحمد فی الآخرة والاولیٰ.

کتبہ العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ المدعو بمہر علی شاہ

۵۹۔ مدعیہ طلاق کے بیان پر نکاح ثانی کا حکم

استفتاء

کوئی عورت آکر قاضی کے پاس یا کسی دیگر آدمی کے پاس بیان کرتی ہے کہ میرے زوج نے مجھے طلاق دی ہے اور میری عدت گزر گئی ہے اور زوج اس کا اس وقت موجود نہیں اور نہ کوئی اس کی طلاق کی شہادت دیتا ہے اور نہ اس کے پاس سند طلاق نامہ ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں دوسری جگہ نکاح کر لوں۔ کیا اس عورت کے مجرد بیان پر زوج اول کی طلاق کا حکم جاری ہو سکتا ہے اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہ؟ نیز اس کی بابت ایک قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے مجرد بیان پر حکم طلاق جاری ہو سکتا ہے اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں و کذا الوقالت طلقنی زوجی وانقضت عدتی فلا باس ان یتزوجھا (اور ایسے ہی حکم ہے اگر کوئی عورت کہے کہ مجھے میرے شوہر نے طلاق دے دی اور میری عدت بھی گزر چکی ہے تو اس کے ساتھ نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں)

ایک قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مجرد قول پر حکم طلاق نافذ نہیں ہو سکتا۔ طلاق بابت شہادت اور رو برو زوج کا ہونا ضروری ہے وہ اپنی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قضاء علی الغائب جائز نہیں، زوج اول کی دریافت ضروری ہے اور شہادت بھی ضروری ہے۔ جناب عالی! دونوں فریق اپنے اپنے مدعا کی بابت کتابوں

کی عبارت تحریر کرتے ہیں اس میں جو باریک امر ہے امید ہے اس کو جناب حل فرما دیں گے۔

آپ کا تابعدار صوبیدار میجر شیر باز خان موضع رتالہ تحصیل گوجر خان ڈاکخانہ قاضیاں

الجواب ہوا الصواب

ہاں بعض صورت میں جواز ہے وہ یہ کہ اگر کوئی عورت ثقہ یعنی کبار سے اجتناب کرنے والی اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والی کسی شخص سے بیان کرے کہ میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور میری عدت بھی گزر گئی ہے اور اس شخص کو اس کی بات پر پورا یقین بھی ہو جائے تو اس عورت کے ساتھ اس شخص کو نکاح کر لینا دینا درست ہوگا یعنی خدا کے نزدیک یہ شخص ماخوذ نہ ہوگا کما فی الشامی و تقدم قبیل الایلاء ما یفید ان هذا فی الدیانة وفي الطحاوی قوله اخبرها ثقة هذا الفرع واللذان بعده انما یظهر فی الدیانة لان القاضی لا یعمل بخبر الفرد ولا بالخط ولا بخبرها بالطلاق (جیسا کہ شامی میں ہے اور ایلاء سے کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے جس کا مفاد ہے کہ یہ حکم دینا ہے اور طحاوی میں ہے کہ ماتن کا ”اخبارھا ثقہ“ کہنا یہ فرع ہے اور جو اس کے بعد ہے وہ صرف اور صرف دینا میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ قاضی فرد واحد کی خبر پر عمل کرتا ہے نہ (اسکے) خط پر اور نہ عورت کی (جانب سے) طلاق کی خبر پر) اور اس صورت میں قضاء علی الغائب کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور یہی مطلب و کذا لوقالت امرأة لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا باس ان ینکحها (اور اسی طرح ہے اگر کسی عورت نے کہا کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دی اور میری عدت بھی گزر چکی ہے تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں) کا ہے۔ لیکن ثقہ ہونا اس کا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے ماقبل کی عبارت جس پر اس کا عطف ہے اس میں قید ثقہ ہونے کی لگی ہوئی ہے تو اس میں بھی ضروری ہوگی کیونکہ حکم دونوں کا ایک ہی ہے اور وہ عبارت یہ ہے وفيه عن الجوهره اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه كتاب على يد ثقة بالطلاق ان اکبر رأیها انه حق فلا بأس ان تعتد وتزوج ۲ (اور اس میں جوہرہ سے منقول ہے کہ ایک ثقہ) کبار سے اجتناب کرنے اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والے (آدمی نے کسی عورت کو یہ خبر دی کہ اس کا زوج جو غائب تھا فوت ہو گیا یا اس نے اس کو تین طلاقیں دیدی ہیں یا عورت کے پاس ثقہ آدمی کے ہاتھوں طلاق نامہ اس کے شوہر کی طرف سے پہنچا تو اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ وہ حق، سچ ہے تو کوئی گناہ نہیں

کہ وہ عورت عدت گزارے اور نکاح کرے) اور اگر کوئی قاضی شرعی جو اس ملک میں نہیں ہے بوجہ ثقاہت یا بہ سبب علم خارجی اس صورت میں حکم لگائے تو بھی درست ہے چنانچہ شامی میں ہے و ظاهر الاطلاق جوازہ فی القضاء حتی لو علم لها القاضي يتركها فتصحیح عدم الجواز ہنہا مشکل الا ان یحمل علی القضاء وان کان خلاف الظاهر فتأمل (۱) اور ظاہر اطلاق اس کا جواز ہے قضاء میں حتی کہ اگر قاضی اس کو اس کے ترک کے ساتھ جانتا ہو تو عدم جواز کی تصحیح اس مقام پر مشکل ہوگی ہاں مگر یہ کہ قضاء پر محمول کیا جائے اگرچہ ظاہر کے خلاف ہوگا پس خوب غور فکر کر) اور غیر ثقہ ہونے کی صورت میں کسی کے نزدیک بھی اس کا قول قابل اعتبار نہ ہوگا اور آج کل بوجہ فساد احوال الناس مردم علی العموم و ناقصات العقل یعنی عورتیں بالخصوص صفت ثقاہت کے ساتھ بہت ہی کم موصوف ہوتے ہیں لہذا بلا تفتیش تام کسی عورت کے قول پر اعتبار کرنا خصوصاً ایسی صورت میں قضاء و دیانۃ دونوں کے برخلاف ہے ہذا ما ظہر لی واللہ اعلم بالخفی والجلی العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ از گولڑہ بقلم خود

۶۰۔ طلاقِ صبی (نابالغ خاوند)

نحمدہ و نستعینہ

سوال

اگر زوجہ زوج نابالغ بکمالات شہوت موصوفہ است منتظرہ بر بلوغت آں نیست علاوہ ازیں کہ اس بسیار خو است دریں منوال۔ تفریق قاضی جائز است یا نہ؟ بینوا تو جروا (اگر نابالغ کی بیوی جس میں مکمل طور پر نفسانی خواہش موجود ہے وہ اس نابالغ کے بلوغ تک انتظار نہیں کر سکتی کیا ایسی صورت میں قاضی نکاح کی تمنیخ کر سکتا ہے یا نہ)

الجواب بالصواب

بریں وقت وقوع الطلاق و ایقاع حکمی از تفریق قاضی اظہر من الشمس است اذ الطلاق من القاضي وهو علیہما لامنہما فلیسا باہل للایقاع بل الوقوع ۲ قال شمس الائمة السرخی

۱۔ شامی جلد دوم باب الرجعة ص ۵۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ ۲۔ شرح الدر المختار کتاب النکاح ج ۱ ص ۲۷۵، مکتبہ محمد علی بیچ واولادہ مصر

زعم بعض مشائخنا ان هذا الحكم غير مشروع اصلا في حق الصبي حتى ان امرأته لا تكون محلا للطلاق وهذا وهم عندی فان الطلاق يملك بملك النكاح اذ لا ضرر في اثبات اصل الملك بل الضرر في الايقاع حتى اذا تحققت الحاجة الى صحة ايقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر كان صحيحا۔ (اس وقت طلاق کا واقع ہونا تفریق قاضی سے سورج سے زیادہ روشن ہے کیونکہ کی طلاق ان پر واقع ہوگی وہ دونوں طلاق واقع کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ شمس الائمہ سرخی نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ کا یہ خیال ہے کہ یہ حکم شرعاً جائز نہیں اس کی بیوی محل طلاق نہیں میرے نزدیک یہ وہم ہے کیونکہ ملک نکاح سے وہ طلاق کا مالک ہو سکتا ہے اصل ملک میں ضرر نہیں ہے بلکہ ضرر واقع کرنے میں ہے۔ جب حاجت متحقق ہو تو قاضی طلاق واقع کر سکتا ہے دفع ضرر کے لیے ایسا کرنا صحیح ہے)

الراقم تاج الدین المکتوب حق والحق الحق مالا اتباع محمد نصیر الدین ساکن بھکڑ والی

جواب حضرت قبلہ عالم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط حامداً ومصلیاً

مخلصی فی اللہ ومحبی للہ قاضی تاج الدین صاحب حفظک اللہ تعالیٰ۔ بعد دعا وسلام مسنون الاسلام آنکہ مسئلہ وقوع طلاق صبی بحوالہ شمس الائمہ مرسلہ جناب میری نظر سے گزرا۔ جس پر ثبت تھا کہ یہ حکم بوقوع طلاق صبی، فلاں صاحب (راقم) کا ہے یہ انتساب موجب تامل وترک سہل ہوا۔ بعد التامل در عبارت شمس الائمہ واضح ہوا کہ صبی کی طلاق در صورت مسؤلہ یعنی در صورتیکہ صبی غیر محبوب اور بی بی اس کی مسلمان ہوں واقع نہیں ہوتی اصالتہ نہ نیابتہ۔ قبل ازیں بنا بر حسن ظن ببعض از علماء ہزارہ مجھے یاد آتا ہے کہ علاقہ دھن کے کسی سائل کو بلا تامل بحوالہ قول شمس الائمہ حکم بوقوع طلاق صبی در صورت مسطورہ بالا دیا گیا تھا اب غور کرنے پر معلوم ہوا کہ بعض العلماء کی تحقیق اور میری تقلید دونوں غلط تھیں آدم برمدعی صبی کی اہلیت چونکہ قاصرہ ہے لہذا در صورت ضرر مثل طلاق وعقاق بتصریح فقہاء واصولین اس کا قول باطل ہوگا کما قالوا فی الضرر المحض كالطلاق والوصية یطل اصلا

نیابت اس لیے نہیں کہ نیابت مختص ہے بصورت ارتداد صبی وعدم انتفاع انتظار کا لمحبوب۔ پہلی صورت میں بوجہ ارتداد شارع کو اس کی رعایت منظور نہیں کما صرح حواہ فی کتب الاصول وان کان قبیحا لا یحتمل

رد المحتار علی الدر المختار کتاب النکاح، ج ۲، ص ۳۸۹، مکتبہ احیاء التراث العربی بیروت (المخلص)۔

غیرہ کالکفر لا یجعل عفواً یعنی لو ارتد الصبی تعتبر ردتہ عند ابی حنیفہؒ و محمدؐ فی حق احکام الدنیا والآخرۃ حتی تبین منه امرأۃ ولا یرث من اقاربه المسلمین و عند ابی یوسف و الشافعی لا تصح ردتہ فی احکام الدنیا لانہا ضرر محض و انما حکمنا بصحة ایمانہ لکونہ نفعاً محضاً انتہی بقدر الحاجة (اگر قبیح ہو اور اس میں دوسرا احتمال نہ ہو مثل کفر کے تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا یعنی اگر لڑکا نابالغ مرتد ہو جائے تو اس کی ردت کا اعتبار ہوگا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؐ کے نزدیک دنیاوی احکام میں بھی اور آخرت کے احکام میں بھی یہاں تک کہ اس کی بیوی اس سے بائنے ہو جائے گی اور وہ اپنے مسلمان اہل قرابت کا وارث نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں اس کی ردت صحیح نہیں ہوگی احکام دنیا میں کیونکہ یہ محض ضرر ہے ہم اس کے ایمان کی صحت کا حکم لگاتے ہیں اس لیے کہ وہ محض نفع ہے) چونکہ شارع کو اضرار عورت مسلمہ کا جو تحت الکافر ہو منظور نہیں۔ اس لیے در صورت جنون جو امور معترضہ سماویہ سے ہے مثل صغر کی لکھتے ہیں۔ و اذا اسلمت امرأة المجنون يعرض الاسلام على ابويه فان اسلم احد هما يحكم باسلام المجنون تبعاً (جب پاگل کی بیوی مسلمان ہو جاوے تو اس کے ماں باپ پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر ان میں سے ایک مسلمان ہو جاوے تو طبعاً اس پاگل کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا) یہاں پر برعایت اسلام فوراً تفریق نہ کی جائے گی بلکہ بلوغ تک انتظار کیا جائے گا و ان ایسا یفرق بینہ و بین امراتہ ولا فائدة فی تاخیر العرض لان الجنون لانہایۃ لہ فیلزم الاضرار بامرأة مسلمة تحت کافر و ذالایجوز۔ (اور اگر وہ دونوں اسلام لانے سے انکار کر دیں تو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم لگایا جائے گا اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس پر اسلام پیش کرنے میں دیر کی جائے کیونکہ جنون کی کوئی انتہا نہیں لہذا ایک مسلمان عورت کو ضرر پہنچانا اور کافر کے نکاح میں رکھنا جائز نہیں) اس صورت میں بوجہ کفر صبی واجب الرعايت نہ ہوگا۔ عبارت منقولہ میں جملہ ولا فائدة فی تاخیر العرض سے صاف ظاہر ہے کہ تاخیر و انتظار صورت آفت سماویہ ممکن الزوال والوقوع میں ہے نہ غیر ممکن الوقوع میں مثل محبوب کے۔ شمس الائمہ کے قول ذیل کو علماء اصول اسی مقام پر بعد تبیین تفصیل بالا نقل کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ در صورت مندرجہ استفتاء یعنی صبی غیر محبوب اور بی بی اس کی دونوں مسلمان ہوں تو وہی قاعدہ فی الضرر المحض یطل اصل المحظر ہے گا حاصل آنکہ در صورت کفر صبی وارث و ادش و ابتلاء بلائے سماوی غیر واقع الزوال شارع کو صبی کی رعایت منظور نہیں۔ پس قول شمس الائمہ یہ ہے قال شمس الائمہ ان طلاق الصبی واقع اذا دعت الیہ حاجة (شمس الائمہ نے کہا بچہ کی طلاق واقع

ہو جائے گی جب اس کی طرف حاجت دعوت دے) حاجت بہ تصریح اصولین مذکورہ بالا وہاں ہی ہوگی جہاں شارع کو رعایت اس کی منظور نہیں چنانچہ بعد اس کے فرماتے ہیں الاتری انہ اذا اسلمت امرأته يعرض عليه اسلام فان ابى فرق بينهما وهو طلاق عند ابی حنیفہؒ و محمدؒ (کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب اس کی بیوی مسلمان ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی یہ تفریق امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک طلاق ہے) دیکھئے یہ قول شمس الائمہ کا اس قاعدہ مذکورۃ الصدر اعنی وان كان قبيحاً لا يحتمل غيره كالکفر لا يجعل عفواً پر مبنی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں واذا ارتد وقعت الفرقة بينه وبين امرأته وهو طلاق عند محمد و اذا كان مجبواً فخاصته امرأته و طلبت التفریق كان ذالک طلاقاً عند البعض انتھی بقدر الحاجة (جب وہ مرتد ہو جائے تو اس کے اور اسکی بیوی کے درمیان تفریق واقع ہوگی امام محمدؒ کے نزدیک یہ تفریق طلاق کا حکم رکھتی ہے اگر شوہر محبوب ہو اس کی بیوی جھگڑا کرتی ہے اور تفریق طلب کرتی ہے تو بعض علماء کے نزدیک یہ طلاق ہوگی) اس سے معلوم ہوا کہ صورت مستثناة میں بھی حکم بوقوع طلاق اتفاقی نہیں۔ چنانچہ عند البعض مندرجہ عبارت مذکورہ شمس الائمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو یوسفؒ و شافعیؒ در صورت ارتداد صبی اور جمہور در صورت محبوب قائل بوقوع طلاق صبی نہیں۔ پس اس مقام پر لفظ (کما اذا) و امثالہ بہ نظر اطلاق نفس مفہوم مثل لہ اذا خلی وطبعہ فقہاء کرام کی عبارت میں مندرج ہے فافهم ولا تغتر بما يفهم من ظاهره ولما قلناه نظائر كثيرة الا ترى ان المعقولين مثلوا للکلی المنحصر فی الفرد الواحد الممتنع التعدداً والممكن الغير الواقع بالواجب جل مجده والشمس (بات کو سمجھو اور الفاظ کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ جو کچھ ہم نے کہا اس کی مثالیں بہت ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ منطقیوں نے مثال دی ہے کہ وہ کلی جو فرد واحد میں منحصر ہے اور اس کا تعدد ناممکن ہے اس کی مثال واجب تعالیٰ ہے اور اگر اس فرد واحد کا تعدد ممکن ہے لیکن واقع نہ ہو تو اس کی مثال سورج ہے)

ما نحن فيه میں چونکہ صبی مسلمان ہے اور محبوب نہیں تو پھر صبی مرتد اور محبوب کا حکم اور وہ بھی غیر اتفاقی کیسے جاری ہو سکتا ہے بہ میں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ رہا اندیشہ زنا جو استفسار میں ظاہر کیا گیا ہے غالباً اس غرض سے کہ یہ بھی ایک حاجت ہے جو عنین اور مفقود الخیر کی صورت میں موجود ہے مع ہذا انتظار ضروری سمجھا گیا ہے۔ ہذا مآظہر لی بعد التامل والعلم عند اللہ وما برئ نفسي وما اننا علی الاخذ بالنواجل لما قول بحريص وجدیر ربنا لا تو اخذنا بمانسینا و اخطانا و آخر دعوانا ان الحمد

للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا ابی القاسم وآلہ وصحبہ اجمعین۔ (یہ وہ جواب ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا غور و فکر کے بعد اور علم حقیقی اللہ کے پاس ہے اور میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا اور نہ میں اپنی کہی ہوئی بات کو سختی کے ساتھ قابو کرنے پر حریص ہوں۔ میری دعا ہے اے رب تعالیٰ ہم پر مواخذہ نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں، ہماری آخری دعا یہی ہے کہ تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور صلوة وسلام ہو ہمارے سردار ابوالقاسم محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل اور تمام اصحاب پر)

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ



۶۱۔ یتیم کے نکاح میں وصی کے اختیار کا مسئلہ

حامداً له ومصلياً

مشفق مکرمی پیرسید مہر علی شاہ صاحب السلام علیکم وعلی من اتبع الهدی

بعد اہداء تحائف اسلمہ مسنونہ حسب امید دوستانہ آپ کو ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے تکلیف دی جاتی ہے رجا کہ حتی الامکان جلدی ہی مسرور فرماویں گے کہ زید نے اپنی اولاد صغار کا معاہدہ نکاح اپنے بھائی علی عمر کے ساتھ کیا اور اس معاہدہ کے سرانجام کے لیے عمر موصوف کو وصی بنایا۔ بعد وفات زید عمر موصوف نے حسب الوصیت یتیمان موصی کا اپنی اولاد کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس حالت میں متوفی کے عینی بھائی بکر کو بحیثیت ولی اقرب ہونے کے شرعاً اختیار ہے کہ وصی کے کردہ عقد کو ناجائز کر دے؟ بعض علماء فتویٰ دیتے ہیں کہ بکر کو جو یتیمان کا حقیقی چچا ہے حق عدم الایجاز ہے کیونکہ ولایت قریبہ اسی کے لئے ہے اور معاہدہ نکاح، نکاح نہیں اور وصی کو بحیثیت وصی ہونے کے بموجب کتب ظاہر الروایت و اصول المذاہب و دیگر کتب معتبرہ حق تزویج نہیں ہے چنانچہ کافی والحاکم و ذخیرہ وقاضی خان و جوہرہ و در مختار و شامی وغیرہا سے تحقیقاً ثابت ہے کہ لا ولایۃ فی الانکاح للوصی مطلقاً (وصی کے لیے مطلقاً ولایت نکاح نہیں ہے) اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ بکر کو حکم فسخ نہیں ہے کہ انکاح وصی بحسب الوصیت جائز ہے خصوصاً صورت مسئلہ میں کہ انکاح موافق تعیین موصی ہے۔ اثبات کے لئے قول قاضی خان و بزاز یہ وغیرہا جو کہ مبنی ہے بر روایت ہشام عن الامام ان اوصی الیہ الاب جاز لہ پیش کرتے ہیں اور فتح القدیر کی عبارت میں اپنی مطلب براری چاہتے ہیں کہ اس نے صورت تعیین موصی کو بعد نفی علی الاطلاق مستثنیٰ کیا ہے حیث قال لیس لو وصی الصغیرۃ ولایۃ تزویجھا وان اوصی الیہ الاب بالنکاح الا اذا کان الموصی عین رجلاً فی حیاتہ للتزویج فی زوجھا الوصی بہ کمالو وکل فی حیاتہ بتزویجھا وان لم یعین انتظر بلوغھا لتاذن کذا قیل و لیس بلازم لان السلطان یزوجھا اذا کان الوصی قریباً فیزوج بحکم القرابة لا الوصایۃ والا فالحاکم (جیسا کہ اس نے کہا چھوٹی بچی کے وصی کو نکاح کرنے کی ولایت حاصل نہیں اگرچہ باپ نے اس کو نکاح کرنے کی وصیت کی ہو مگر وہ صورت کہ وصیت کرنے والا ایک مرد کو معین کر دے اپنی زندگی میں

نکاح کے متعلق مسائل

تزوج کے لیے پس وصی اس کا نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ اپنی زندگی میں اسے تزوج کے لیے وکیل بنادے اور اگر کسی مرد کو معین نہ کرے تو لڑکی کے بلوغ کی انتظار کی جائے گی تاکہ وہ اجازت دے اسی طرح کہا گیا ہے اور یہ لازم نہیں ہے کیونکہ بادشاہ اس کا نکاح کر سکتا ہے وصی اگر قریبی ہو تو وہ قرابت کی بنا پر نکاح کر سکتا ہے وصیت کی بنا پر نہیں ورنہ حاکم کرے گا) فریق اول کہتا ہے کہ روایت ہشام و کلام ابن ہمام کی تضعیف و تردید البحر الرائق و فوائد شرح کنز و منحة الخالق وغیرہم نے اچھی طرح کی ہے لہذا لائق حجت و قابل عمل نہیں۔ فریق ثانی کہتا ہے چونکہ قاضی خان و ابن ہمام من اصحاب الترجیح بل من المجتہدین ہیں لہذا صاحب بحر و دیگر مضعفین کو جو کہ من المقلدین العامین ہیں کوئی حق نہیں کہ ان پر اعتراض کریں اور کوئی مجاز نہیں کہ ان کے کلام کی تضعیف و تردید کریں۔ فریق اول جواب دیتا ہے کہ روایت ہشام و استثنائاً ابن ہمام مخالف اصول مذہب و ظاہر الروایت ہیں۔ لہذا وہ ان کی تضعیف کر سکتے ہیں حالانکہ صاحب فتح نے مستثناة پر فتویٰ نہیں دیا اور نہ کوئی لفظ ترجیح بیان فرمایا ہے۔ اگر اس کا فتویٰ ہوتا تو صاحب بحر وغیرہ جو کہ خود اس کو من المر تحسین شمار فرما رہے ہیں مخالفت کیوں کرتے۔ اگر بالفرض استثناء صحیح مان لیا جائے تو بھی صورت مسئلہ میں فریق ثانی کی مطلب براری نہیں کرتا بلکہ مقصد فریق اول کو ظاہر کرتا ہے کہ اس صورت میں اگرچہ تعیین موصی ہے لیکن ولی اقرب بکر بھی موجود ہے اور استثنائاً اس صورت پر محمول ہے کہ وصی خود بھی ولی نہ ہو اور کوئی دوسرا ولی بغیر حاکم موجود ہو جیسا کہ اس کے مقابل صورت میں یعنی بحالت عدم تعیین موصی اس عبارت سے وان لم یعین انتظر بلوغها الخ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر وصی خود ولی قریب ہو تو بحکم ولایت نہ وصایت نکاح کرے ورنہ حاکم کو ولایت اختیار ہے یا علی القول الضعیف بلوغ تک انتظار۔ اور قرابت مبطل وصیت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نہ حاکم کو اختیار ہے نہ بلوغ کی انتظار۔ خلاصہ مفہوم فتح یہ ہے کہ اس صورت میں کہ وصی خود بھی قریب نہ ہو اور نہ کوئی دوسرا قریب موجود ہو۔ پھر اگر موصی نے نکاح بہ شخص معین کی وصیت کی ہو تو وصی کو حق انکاح ہے ورنہ حاکم کو اختیار یا بلوغ کی انتظار۔ پس صورت مذکورہ میں چونکہ ولی اقرب موجود ہے تو مستثناة سے مستثناة ہے اور مطلق میں ملحق۔ امید ہے کہ آپ فریقین کے ادلہ و وجوہات کو مطالعہ فرما کر فیصلہ تحریر کر کے کہ کون فریق حق پر ہے اور عبارت فتح کس کے مفہوم کے موافق اور بمہر خاص خود مزین کر کے جلدی اظہار حق فرما دیں گے کہ مستفتیان و مفتیان کی انتظار رفع ہو۔

مرسلہ خادم الفقراء مخدوم سید محمد صدر الدین سجادہ نشین دربار حضرت پیر از ملتان

الجواب ہوا الصواب

مہربان من جناب سیادت پناہ سید صدر الدین صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آپ کا عنایت نامہ مشتملہ روایات فریقین وصول ہو کر کاشف مافیہا ہوا مہربان من میرے خیال میں حسب مذہب حضرات احناف وصی کو اختیار انکاح یتیمان موصی حاصل نہیں ہے اگرچہ موصی نے وصیت کی ہو کہ میرے بعد میرے یتیم بچوں کی شادی وغیرہ کا اختیار میرے وصی کو ہے کما فی الذخیرۃ لا ولایۃ لہ فی انکاح الصغیرۃ سواء اوصی الیہ الاب بالنکاح اولم یوص الا اذا کان الوصی ولیا فحینئذ یملک الانکاح بحکم الولایۃ و فی الدر المختار و لیس للوصی من حیث ہو وصی ان یزوج الیتیم مطلقا وان اوصی الیہ الاب بذالک علی المذہب نعم لو کان قریبا او حاکما یملکہ بالولایۃ کما لا یخفی ۲ (چھوٹی بچی کا نکاح کرنے میں وصی کو حق ولایت نہیں برابر ہے کہ باپ نے اسے نکاح کرنے کا وصی بنایا ہو یا نہ بنایا ہو ہاں اس صورت میں جبکہ وصی ولی ہو تو حکم ولایت کی بنا پر نکاح کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور درمختار میں ہے کہ وصی اس حیثیت سے وصی ہے یتیم کا مطلقاً نکاح نہیں کر سکتا اگرچہ باپ نے وصیت بھی کی ہو مذہب یہی ہے ہاں اگر قریبی ہو یا حاکم ہو تو ولایت کی بنا پر نکاح کرنے کا مالک ہوگا) اور ہشام کی روایت ضعیف ہے جس کی تضعیف صاحب بحر وغیرہ نے پوری طرح کر دی ہے کما فی البحر وبہ علم ان ما فی التبین من انه لیس لہ ذلک الا ان یفوض الموصی ذلک رواۃ ہشام و ہی ضعیفۃ ۳ اور عبارت فتح القدر اذا کان الموصی عین رجلا فی حیاتہ للتزویج فی زوجہا الوصی کمالو و کل فی حیاتہ بتزویجہا ۴ (جب موصی کسی مرد کا نام معین کر دے اپنی زندگی میں اپنی بچی کے نکاح کے لیے تو وصی نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی اسے نکاح کا وکیل کر دے) چند وجوہ قابل استدلال نہیں ہے۔

اولاً:- یہ قول ظاہر الروایت کیخلاف ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس وقت کوئی روایت ظاہر الروایت کے مخالف ہو اور حقیقی علامات ترجیح سے خالی ہو تو ترجیح ظاہر الروایت کو ہوتی ہے کما فی الشامی و کذا لو کان احدہما ظاہر الروایۃ وبہ صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتوی اذا اختلفت کان

۱۔ البحر الرائق کتاب النکاح فصل فی الاکفاء فی النکاح، ج ۳، ص ۱۲۸، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۔ درمختار کتاب النکاح باب الولی، ج ۲، ص ۱۹۴، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۔ البحر الرائق، باب الاولیاء والا کفاء، ج ۳، ص ۲۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۴۔ فتح القدر کتاب النکاح، باب الاولیاء والا کفاء، ج ۳، ص ۲۷۷، مکتبہ دارالکتب العلمیہ بیروت

الترجیح بظاہر الروایۃ^۱ (جیسا کہ شامی میں ہے کہ اگر ایک روایت ظاہر الروایت ہو اور البحر الرائق میں کتاب الرضاع میں صراحت کی ہے کہ جب فتویٰ میں اختلاف ہو تو ترجیح ظاہر روایت کو ہوگی)

ثانیاً۔ جملہ متون و شروح کے یہ مسئلہ خلاف اور خالی عن وجہ الترجیح ہے اور بوقت اختلاف کذائی متون کو ترجیح ہے کما فی الشامی و ینبغی تقیید التخییر ایضاً بما اذالم یکن احد القولین فی المتون لما قدمناہ عن البیری و لما فی قضاء الفوائت من البحر من انه اذا اختلف التصحیح و الفتوی فالعمل بما وافق المتون اولیٰ. فکیف الحال بدون التصحیح و الفتوی کما فی ہہنا^۲ (شامی میں ہے مناسب ہے کہ تخییر کو مقید کیا جائے اس صورت کے ساتھ کہ دو اقوال میں سے ایک قول متون میں نہ ہو اور بحر الرائق کے باب قضاء الفوائت میں ہے کہ جب تصحیح اور فتویٰ مختلف ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے جو متون کے موافق ہو پس کیا حال ہوگا جب کہ تصحیح اور فتویٰ بھی نہ ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے)

ثالثاً۔ وکالت پر قیاس کرنا مع الفارق ہے اس واسطے کہ وکالت کذائی بعد الموت باطل ہو جاتی ہے کما فی الدر المختار و ینعزل بموت احدہما الخ^۳ فلہذا قال فی البحر و فیہ نظر لانہ ان زوجها من المعین قبل موت الموصی فلیس الکلام فیہ لانہ لیس بوصی وانما هو وکیل وان کان بعد موته فقد بطلت الوکالۃ بموته و انقطعت ولایتہ فانقلت الولاية للحاکم عند عدم قریب^۴ (در مختار میں ہے وکیل معزول ہو جاتا ہے جبکہ ان دونوں میں سے ایک مر جائے اس لیے البحر الرائق میں کہا کہ اس میں اشکال ہے کہ اگر موصی کے مرنے سے پہلے معین آدمی سے اس نے نکاح کیا تو اس میں کلام نہیں کیونکہ وہ وصی نہیں بلکہ وکیل ہے اور اگر موصی کی وفات کے بعد نکاح کیا تو اس کی وکالت موت کے ساتھ باطل ہے اور اس کی ولایت منقطع ہے پس ولایت حاکم کی طرف منتقل ہو جائے گی قریبی وارث موجود نہ ہونے کی وجہ سے) باقی رہا یہ امر کہ صاحب بحر وغیرہ کو حق اعتراض نہیں یہ خیال خام ہے لانہ قد یوجد فی المفضول ما لا یوجد فی الفاضل و کم ترک الاول للآخر فغیر مستبعد ان یدخر لبعض المتاخرین ما عسر علی کثیر من المتقدمین (مفضول میں بعض اوقات ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو فاضل میں نہیں ہوتی متقدمین نے متاخرین کے لیے بہت سی باتیں چھوڑ دی ہیں یہ بات بعید نہیں کہ متاخرین پر ایسی باتیں آسان ہو جائیں جو متقدمین پر مشکل تھیں)

۱۔ ع مقدمہ شامی، ج ۱، ص ۷۷، دار فکر بیروت ۳ در مختار کتاب الوکالۃ باب عزل الوکیل، ج ۲، ص ۱۱۳، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۔ البحر الرائق، باب الاولیاء والا کفاء ج ۳، ص ۲۲۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

رابعاً: صاحب فتح القدر کے اس قول کو قول ملفق لکھا ہے کما فی منحة الخالق فما فی فتح القدر من الوسی لا یملک وان اوصی الیہ بہ موافق لظاهر الروایة وقوله الا اذا کان عین الموصی رجلاً موافق لاطلاق روایتہ ہشام فانہ علی ہذہ الروایة اذا کان یملک ذالک وان لم یعین الموصی احداً ففیما اذا عین ذالک اولی فما فی الفتح ملفق فی القولین وما فی الذخیرۃ هو المذہب (پس وہ جو فتح القدر میں ہے کہ وصی مالک نہیں اگرچہ موصی اس کو وصیت بھی کر گیا ہو یہ بات ظاہر الروایت کے موافق ہے اور اس کا یہ کہنا کہ جب موصی ایک مرد مقرر کر دے یہ روایت ہشام کے موافق ہے یہ قول دو قولوں سے ملفق ہے اور جو کچھ ذخیرہ میں لکھا ہے وہی مذہب ہے) اور حکم بالقول الملفق اجماعاً باطل ہے کذا فی الدر المختار وان الحکم الملفق باطل بالاجماع۔

پس جو حضرات کہ اس قول کو اپنی حجت و دلیل ٹھہراتے ہیں ان کا قول قابل اعتبار و لائق عمل نہیں

هذا ما ظهر لی واللہ تعالیٰ اعلم بالخفی والجلی والسلام خیر ختام۔

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ بقلم خود از گولڑہ۔

۶۲۔ غیر کفو میں سیدہ کے نکاح کا حکم

الاستفتاء

چہ مے فرمائند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی محمد خان ساکن ملہوٹ از قوم ڈھونڈ حسب اجازت و حکم مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ بہ یکے از ہاشمیات سیدات فاطمیات عقد نکاح و ازدواج نمود غیر مسترضی من احد من الولاة القریبۃ او البعیدۃ هل یجوز ہذا النکاح ام لا؟

الجواب ہوا لکھم للصدق والصواب

نکاح مذکور جائز نیست و مفتی بحوازہ نہ تنہا برولاۃ سیدہ ظلم روا داشتہ بلکہ برکافہ اہل اسلام کہ بمقتضائے آیت قل لا اسئلكم علیہ اجرًا لا المودة فی القربیۃ^۲ فقوائے حدیث لا یؤمن احدکم

حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولده والناس اجمعین۔ مؤدّت وحبّ قرابت نبویہ ﷺ را بر خود فرض و از اصول ایمان مے شمارند۔ جو ربے حد و ستم بیعد نموده چہ پر ظاہر است کہ در صحت نکاح سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیر کفو بناء علی المودۃ فالحجۃ المذكورۃ ہزار ہا دل بوجہ ہتک حرمت اہلبیت رنجیدہ و شکستہ خواہند بود متون فقہ مملواند و مشخون از عدم ایں چنین نکاح لعدم کفائۃ العجمی لایکون کفواً للعربیۃ ولو کان عالماً و سلطاناً و هو الاصح "در مختار" و یفتی فی غیر الکفوۃ بعدم جوازہ اصلاً و هو المختار للفتویٰ لفساد الزمان ۲

پس در صورت مسطورہ صحبت صحبت زنا خواہد بود۔ لہذا براہل اسلام لازم کہ سیدہ را از عجمی جدا کنانند و مفتی صاحب را واجب کہ آئندہ با ہم چنین افتاآت کہ مستلزم ہتک و حرمت و شان اہلبیت باشند توجہ نہ نماید و متمسک نباشد۔ بدینکہ سیادت قطعیت نیست فان عدم قطعیت السیادۃ لا یستلزم قطعیت عدم السیادۃ فرائعہا تکفی مصادرة فی موجبات الہتک علی المحب اعاذنا اللہ منہ فکیف حال الوادو قد طلب ﷺ منا المودۃ فی قرابتہ قال العامری ۳

احب لحبہا السودان حتیٰ احب لحبہا سود الکلاب

وقال الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فی هذا المعنی

احب لحبک الحبشان طراً و اعشق لا سمک البدرا المنیرا

قیل کانت الکلاب السود تناوشہ و هو یتحب الیہا عنی المجنون فہذا فعل المحب فی حب من لا تسعده محبتہ عند اللہ و لا تورثہ القربۃ من اللہ فہل هذا الا من صدق المحبۃ و ثبوت الود فی النفس و لو صحت محبتک للہ و لرسولہ ﷺ احببت اہل بیت رسول اللہ ﷺ و رأیت کل ما یصدر منہم فی حقک ممّالاً یوافق طبعک و لا غرضک انہ جمال تنعم بوقوعہ منہم فتعلم عند ذالک ان لک عناية عند اللہ الذی احببتہم من اجلہ (الی ان قال) واللہ ما ذاک الا من نقص ایمانک و من مکرا للہ بک و استدراجہ ایاک من حیث لا تعلم و صورۃ المکران تقول و تعتقد انک فی ذالک تذب عن دین اللہ و شرعہ ۳ و السلام خیر ختام العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ اللہ

حضرت اعلیٰ کی فارسی عبارت (استفتاء سے پہلے) صفحہ ۲۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم حمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ اما بعد
میگوید محبت سادات عظام و علماء کرام ملتجی الی اللہ المدعو بمہر شاہ غنی عنہ کہ امروز
بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ سید محمد شاہ صاحب و سجاول شاہ صاحب ازین
بے ہیج مستفسر مسئلہ ذیل گشتند و تحریرات عدیدہ علماء کرام اندریں بارہ ملاحظہ
کنانیدند فاجبت و علیہ التحکمان و ما ابر نفسی۔

ترجمہ:- بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اُسکے رسول کریمؐ پر
درود بھیجتے ہیں اور آپؐ کی آل اور اصحاب پر بھی۔ اس کے بعد کہتا ہے: سادات
عظام سے محبت رکھنے والا اور علماء کرام سے محبت رکھنے والا اللہ کی بارگاہ میں التجا
کرنے والا جو مہر شاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اللہ اُسے معاف کرے کہ آج
بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ سید محمد شاہ صاحب و سجاول شاہ صاحب اس بے ہیج
کے پاس درج ذیل مسئلے کے بارے میں استفسار کرنے کے لیے آئے اور
علمائے کرام کی متعدد تحریریں اس بارے میں مجھے ملاحظہ کرائیں۔ پس میں نے
جواب لکھا اللہ پر توکل کرتا ہوں اور اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا۔



نکاح سیدہ کے متعلق حضرت اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہ کی قلمی تحریر کا عکس

لقد اوردت لازم کہ سیدہ را از محمی جدا کنانہ و فی حدیثی کہ از یحییٰ افتادات کہ مستلزم
سبب حرمت و شان اہل بیت باشند و جہت کاید - و متمسک بنا شد بدینہ سیادۃ قطعیہ نیست فان عدم قطعیتہ
السیادۃ لا یستلزم قطعیتہ عدم السیادۃ و محتمل تعلق مسادۃ فی مویجات اھل بیت عند المحب اعادۃ ائمہ منہ
تکلیف حال لواد و قد طلب علی اللہ علیہ و سلم من الموائد فی قرآنہ قال الخافری احب لھما السورۃ ان حتی
احب لھما سورۃ القدر - قال شیخ الاکبر قدس سرہ الاظھر فی نہ المعنی احب لھما الحشران طرا و عشق
الکعبۃ العزیز - قیل کانت القدر السورۃ تنادی و تحلم و یوئیل لھما احب لھما المحبتون فہذا اهل المحب
فی حب من لا تقیدہ فیمتہ عند اللہ و لا لورہ - القرائۃ من اللہ فیلزم الا ان صدق المحبتہ ثبوتہ الود فی النفس
فلو حثت محبت لقد و رسولہ خیر البیت رسول اللہ علی اللہ و سلم و رأیت کل بالصدر منہم فی حثت مما لا یوق
طبع لافضحت انہ جمال تنعم لوقیہ منہم فتعلم عند ذلک ان الکعبۃ عند اللہ الذی احبتہم من اجلہ
الی ان قال و اللہ ذکر ان لوقیہ لیل من لیل العید و ستر اجلیہ لیل من لیل من لیل و لیل
و صورۃ المکران تقول و تقول انہ فی ذلک تذکرۃ من اللہ و ذکرہ لہ انتمی - و لیلہم ختام
الکعبۃ الی اللہ و لیلہم ختام

ترجمہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد خان ساکن ملہوٹ نے مولوی عبدالحق ساکن ملہوٹ کے حسب حکم و اجازت ایک سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ سے نکاح کیا ہے اور کسی قریبی اور بعیدی ولی کی رضا مندی اس پر نہیں، کیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب وهو المملک للصدق والصواب

نکاح مذکورہ جائز نہیں اور جواز کا فتویٰ دینے والے نے فقط سیدہ مذکورہ کے ورثاء پر ظلم نہیں کیا بلکہ تمام اہل اسلام پر بھی ظلم کیا ہے کیونکہ حسب ارشاد الہی اور حدیث مذکورہ حضور ﷺ کے اہل قرابت سے محبت رکھنا تمام اہل اسلام اصول ایمان سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نکاح مذکورہ کی صورت میں محبت مذکورہ کی وجہ سے ہزار ہا دل اہلبیت کی ہتک حرمت سے رنجیدہ ہوں گے اور تمام متون فقہ اس قسم کے نکاح کے عدم جواز پر متفق ہیں کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے جیسا کہ درمختار سے نقل ہوا۔ پس صورت مذکورہ میں یہ صحبت زنا ہوگی۔ لہذا اہل اسلام پر لازم ہے کہ سیدہ کو عجمی سے جدا کرائیں اور مفتی پر لازم ہے کہ آئندہ اس قسم کے فتوؤں سے اجتناب کرے جن میں ہتک حرمت اہلبیت کرام ہو۔ اور یہ وجہ پیش نہیں کرنی چاہیے کہ سیدہ کا اولاد رسول ﷺ سے ہونا یقینی نہیں۔ کیونکہ اگر اس امر کا یقین نہیں تو یہ یقین کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ غیر سیدہ ہے۔ سیادت کی بو بھی محبت والے پر ہتک حرمت سے مستوجب سزا ہونے کے لیے کافی ہے خدا کی پناہ۔ چہ جائیکہ مدعی موذت ایسا کرے۔ قیس بنی عامر کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کی محبت میں سیاہ حبشیوں سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ سیاہ کتوں سے بھی۔ لہذا اہل ادب کیلئے تھوڑی سی نسبت بھی کافی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین اکبر اسی بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سیاہ کتے مجنوں کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ مگر وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ کیونکہ اس کی معشوقہ لیلیٰ کے نام کو لیل یعنی رات سے مناسبت تھی جو سیاہ ہوتی ہے حالانکہ یہ محبت خدا کے نزدیک کچھ مفید نہیں۔

پس اہلبیت کرام کی محبت اور موذت جس کا امر ہمیں سرکار مدینہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ہوا اور جو ہمیں خدا کے نزدیک مفید ہے اس کی کم از کم اتنی رعایت تو لازم ہے جتنی ایک مجازی محبت والا کرتا ہے۔ پس اگر تیری محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ سے سچی ہے تو ضرور حضور ﷺ کی اہلبیت کو دوست رکھے گا اور ان سے جو امر تیری طبع کے خلاف واقع ہوگا اسے یہ سمجھتے ہوئے کہ تقدیر الہی ایسے ہی تھی

اہلبیت سے تکلیف پہنچنے میں لذت محسوس کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھے گا جس کی وجہ سے تو نے اہلبیت سے محبت کی۔ پھر حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اہلبیت کی حرمت کا خیال نہ کرنے میں مکرِ الہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیرا خیال ہو کہ میں دینِ الہی کی حفاظت کر رہا ہوں۔

۶۳۔ حرمتِ رضاع کے لیے ثبوتِ شرعی استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء عظام و فقہاء کرام کہ زید اپنے بیٹے بکر کا زینب بنت مریم کے ساتھ نکاح کرانا چاہتا ہے اور لڑکی کی ماں مریم کہتی ہے کہ میں نے اس لڑکے کو بکر کو دودھ پلایا ہے اور لڑکے کی پھوپھی اس کی تصدیق کرتی ہے اور لڑکے اور لڑکی کے باپ اور بھائیوں و باقی عزیز و اقارب طرفین کو کوئی خبر نہیں ہے لیکن لڑکے کی ماں انکار کرتی ہے کہ مریم نے میرے لڑکے کو کبھی دودھ نہیں پلایا۔ اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

ظاہر مذہب و متون فقہ کا مسئلہ تو اسی طرح ہے کہ رضاعت کا ثبوت بلا شہادت شاہدین اور شاہد و شاہد تین کے نہیں ہو سکتا ہے یعنی جب تک دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں رضاعت کی گواہی نہ دیں اس وقت تک رضاعت کا ثبوت نہ ہوگا چنانچہ درمختار میں ہے والرضاع حجتہ حجة المال وہی شہادة عدلین او عدل و عدلتین^۱ (رضاع کی وہی دلیل ہے جو مال کی دلیل ہوتی ہے اور وہ دو عادل مردوں کی یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت ہے) اور کنز میں ہے و یثبت (الرضاع) بما یثبت بہ المال^۲ (رضاع اسی چیز سے ثابت ہوتا ہے جس سے مال ثابت ہوتا ہے) اور تحریر میں ہے وہی شہادة رجلین عدلین اور رجل و امرأتین فلا یثبت بشہادة امرأة واحدة^۳ (اور یہ دو عادل مردوں کی یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی ہے لہذا ایک عورت کی گواہی سے رضاع ثابت نہیں ہوتا) بناءً علیہ دعویٰ مریم بنا بر رضاعت بکر قضاء مسموع نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ نصابِ شہادت کامل نہیں لیکن مقتضائے احتیاط و دیانت اس میں ہے کہ مخبر کی عدالت و غیر عدالت کی طرف خیال کیا جاوے اگر مخبر صادق ہے تو اس کے قول کا اعتبار کیا

۱۔ درمختار ج ۱، کتاب الرضاع ص ۲۱۴ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۔ کنز الدقائق کتاب الرضاع ص ۱۲۰ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی

البحر الرائق ج ۳، کتاب الرضاع ص ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

جائے اور ایسے شک والی جگہ میں نکاح نہ کیا جاوے اور اگر ہو گیا ہے تو بھی احتیاط اس میں ہے کہ ان میں تفریق کرادی جائے۔

چنانچہ شامی میں ہے قوله وهی شهادة عدلين ای من الرجال وافادانه لا یثبت بخبر الواحد امرأة کان او رجلا. قبل العقد او بعده وبه صرح فی الکافی والنہایة تبعاً لما فی رضاع الخانیة لو شهدت به امرأة قبل النکاح فهو فی سعة من تکذیبها لکن فی محرمات الخانیة ان کان قبله والمخبر عدل ثقة لا یجوز النکاح وان بعده وهما کبیران فالاحوط التنزه وبه جزم البزازی معللاً بان الشک فی الاول وقع فی الجواز و فی الثانی فی البطلان والدفع اسهل من الرفع ۲ واللہ اعلم وعلمه اتم (ماتن کے قول شهادة عدلين سے دو مرد مراد ہیں اور یہ فائدہ دیا ہے کہ رضاع خبر واحد سے ثابت نہیں ہوگا خواہ وہ ایک عورت ہو یا مرد۔ عقد سے پہلے ہو یا بعد۔ کافی اور نہایہ میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ فتاویٰ خانہ کے باب رضاع میں مذکور حکم کی تبعیت میں کہ اگر کوئی عورت نکاح سے پہلے رضاعت کی گواہی دے تو یہ اس کے جھٹلانے کی قوت میں ہے۔ لیکن فتاویٰ خانہ کے باب محرمات میں ہے اگر نکاح سے پہلے خبر دینے والا عادل وثقہ ہو تو نکاح جائز نہیں ہوگا اور اگر اس کے بعد ہو اور وہ دونوں بڑے (بالغ) ہوں تو محتاط حکم یہ ہے کہ بچنا چاہیے اسی پر جزم کیا ہے بزازی نے یوں تعلیل کرتے ہوئے کہا کہ اول میں شک جواز میں واقع ہوا ہے۔ اور دوسرے میں بطلان میں اور دفع، رفع سے زیادہ آسان ہوتا ہے)

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ از گولڑہ

۶۴۔ خیار البلوغ میں مسلمان قاضی کی غیر موجودگی

میں فسخ نکاح کی شرعی صورت

السوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب صغیرہ کا اپنے نکاح قبل

۱۔ رد المحتار شامی ج ۱، کتاب الرضاع، ص ۴۲۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

البلوغ کو اپنے خیار البلوغ سے رو برو گواہان بوقت بلوغ فسخ کرنا صحیح فرقت اور مبطل نکاح نہیں ہوتا، جب تک کہ قاضی فسخ عقد نکاح نہ کرے جیسا کہ قاضیخان میں ہے وفی خیار البلوغ لا یقع الفرقة ولا یبطل النکاح ما لم یفسخ القاضی العقد بینہما^۱ (خیار بلوغ میں فرقت واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی نکاح باطل ہوتا ہے جب تک قاضی ان کے درمیان عقد کو فاسد نہ کرے) تو زمانہ حال میں جہاں سلطنت غیر اہل اسلام کی ہے مثل ہندوستان و پنجاب وغیرہ، وہاں قاضی سے فسخ نکاح کرانے کی کیا صورت ہے آیا حکام وقت چاہے مسلمان ہوں یا ہندو قائم مقام قاضی ہو سکتے ہیں اگر نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر کیا صورت ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

واقعی صغیرہ مخیرہ بخیار البلوغ کا انفساخ نکاح مشروط بقضاء قاضی ہے تا وقتیکہ قاضی اس نکاح کو فسخ نہ کرے منفسخ نہیں ہو سکتا ہے اور شرع میں قاضی اس شخص کو کہتے ہیں کہ مع اہلیت قضاء فصل خصومات و قطع نزاعات کے لئے مقرر ہو۔ عام اس سے کہ بتراضی مسلمین ہو یا بہ تولیت حکام وقت ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حاکم وقت مسلم ہی ہو۔ حاکم کافر کی طرف سے اگر کوئی شخص قاضی مقرر کیا جائے تو وہ عند الشرع قاضی شمار کیا جائے گا اور اس کا اجراء احکام مثل قاضی سلطان اسلام متصور ہوگا چنانچہ درمختار میں ہے ویجوز تقلد القضاء من العادل والجار ولو کان کافرا والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد^۲ (قضاء کا تقلد عادل اور ظالم (حکمران) کی طرف سے جائز ہے چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو اسلام اس میں شرط نہیں یعنی سلطان کے لیے جو قاضی کا تقرر کرنا ہے مسلمان ہونا شرط نہیں) واما بلاد علیہا ولایة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراض المسلمین فیجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما منہم^۳ (بہر حال وہ شہر جن پر کفار کی حکمرانی ہے وہاں مسلمانوں کیلئے جائز ہے عیدین اور جمعہ کا قیام اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی کیساتھ قاضی، قاضی بن جائے گا۔ ان پر واجب ہے کہ اپنے میں سے ایک مسلمان والی کو تلاش کریں)

پس فی زمانہ اس حکومت نصاریٰ میں اصحاب ذیل فسخ نکاح و دیگر امور محتاجہ قضاء کے مجاز و قائم مقام قاضی ہو سکتے ہیں۔ اول مشائخ کرام و علماء عظام جو مع اہلیت قضاء و دیانت و تقویٰ بتراضی المسلمین رفع نزاعات و فصل خصومات کے لئے مقرر ہوں اور مخلوق خدا انہیں مقدمات پیش کر کے فیصلہ کراتی ہو۔

۱۔ قاضی خان کتاب النکاح فصل فی الاولیاء، ج ۷، ص ۱۶۴، مکتبہ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲۔ درمختار کتاب القضاء ج ۲، ص ۷۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۳۔ رد المحتار کتاب القضاء ص ۳۴۲، ج ۴، مطبوعہ رشیدیہ کتب خانہ سری روڈ کوئٹہ

دوسرے وہ شخص جو حاکم وقت کی طرف سے بشرائط اہلیت قضاء اجراء احکام شرعیہ کے لئے منصوب ہو۔
جیسے بڑے بڑے شہروں میں حاکم وقت کی طرف سے ایسے شخص مقرر ہیں۔

تیسرے وہ حاکم مسلم بھی جو ولایت کفار کی طرف سے مطلق اجراء احکام کے لئے مقرر ہے۔ مگر اس میں اہلیت قضاء شرعی بھی موجود ہے وہ بھی نکاح مخیرہ بخیار بلوغ کو فسخ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر تعریف قاضی شرعی صادق آتی ہے باقی عام حکام ماتحت ولایت کفار جو مسلمان نہ ہوں یا مسلمان ہوں۔ مگر اہل قضاء نہ ہوں وہ ایسے امورات شرعیہ کے فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں کمالا ینحفی

چوتھے مُحکَم بالفتح، بتراضی الطرفین اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے مگر یہ بھی عام آدمی کا کام نہیں ہے مُحکَم میں بھی صلاحیت قضاء ہونی چاہیے و شرطہ من جهة المحکم صلاحیتہ للقضاء و بشرط الاهلیة المذكورة (اس کی شرط مُحکَم کی جہت سے یہ ہے کہ اہلیت مذکورہ کی شرط کے ساتھ قضاء کیلئے اس کی صلاحیت ہو)
العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۶۵۔ مزنیہ خود کی لڑکی سے نکاح کا بیان

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مزنیہ خود کی دختر کے ساتھ نکاح کیا، پھر اس نے علماء سے معلوم کیا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے۔ پھر اسی عورت کا یعنی دختر مزنیہ کا نکاح دوسرے شخص سے کرنا چاہا۔ اب اس عورت کی عدت یا طلاق ہے یا نہیں؟ اور اس کا نکاح باطل ہے یا فاسد؟ اب اس عورت یعنی لڑکی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ سوائے طلاق یا عدت کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ہوا الصواب

حسب قاعدہ فقہاء احناف ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود نکاح فاسد والدخول فیہ موجب للعدۃ والافلاہ (جس نکاح میں علماء کا اختلاف

ہے مثلاً نکاح بغیر گواہوں کے وہ نکاح فاسد ہے اور اس میں دخول موجب عدت ہے ورنہ نہیں) صورتِ مسئلہ میں نکاح فاسد ہے۔ اس واسطے کہ نکاح زانی ہمراہ بنتِ مزنیہ بھی مختلف فیہ ہے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک بنتِ مزنیہ کے ساتھ نکاح زانی جائز و درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے اور جب حرمتِ مصاہرت کا ثبوت نہ ہوا تو نکاح خود درست ہو جائے گا چنانچہ ہدایہ و دیگر کتب فقہ میں موجود ہے ومن زنا بامرأة حرمت علیہ امہا و بنتہا وقال الشافعی الزنا لا یوجب حرمة المصاهرة لانہا نعمة فلا تنال بالمحظور (جس آدمی نے کسی عورت سے بدکاری کی اس پر اس کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی امام شافعیؒ نے کہا زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک نعمت ہے جو حرام سے حاصل نہیں ہوتی) پس جب نکاح فاسد ہوا تو تفریق قاضی بین الزوجین یا متارکہ و طلاق زوج بالقول ضروری و لازم ہوگا۔ بعد التفریق و المتارکہ وغیرہ دیکھا جائے گا کہ یہ واقعہ بعد الدخول وقوع میں آیا ہے یا قبل الدخول اگر بعد الدخول ہے تو عدت واجب ہوگی اور مہر مثل دلایا جائے گا ورنہ تفریق کے سوا کچھ لازم نہ آئے گا۔ چنانچہ در مختار میں ہے ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لا بغیرہ ولم یزد علی المسمیٰ و لكل واحد من ہما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بها او لا و تجب العدة من وقت التفریق او متاركة الزوج و ایضاً فی باب العدة و فی النکاح الفاسد بعد التفریق او المتاركة ای اظهار العزم من الزوج علی ترک و طیئہا بان یقول بلسانہ ترکک بلا و طنی و نحوہ و منہ الطلاق (نکاح فاسد میں وطی سے مہر مثلی واجب ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں اور مہر مسمیٰ میں پرزیداتی بھی نہیں ان میں سے ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے چاہے دوسرا حاضر نہ ہو دخول کرے یا نہ عدت واجب ہوگی وقتِ تفریق سے یا شوہر کے چھوڑ دینے سے اور باب عدت میں نکاح فاسد میں تفریق کے بعد یا متارکہ کے بعد یعنی شوہر کا پکا ارادہ کہ اس بیوی سے وطی نہیں کرے گا بایں طور کہ زباں سے کہہ دے میں نے تجھے بغیر وطی کے چھوڑ دیا اور طلاق بھی کہہ سکتا ہے) واللہ اعلم و علمہ اتم

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

۶۶۔ نکاح بنت منکوحہ کی حرمت

استفتاء

جناب عالی! میں اصل غرض عرض کرنے سے پہلے اپنی شناسائی کا ضرور خیال کرتا ہوں اور بواپسی حضور کے فتویٰ کا طالب ہوں۔ میں جناب قبلہ دیوان صاحب پاکپتن شریف کا پرانا غلام احمد علی سب انسپکٹر پولیس ہوں جو برابر بارہ تیرہ سال سے عرس گنج شکر پر حضور کی قدم بوسی پاکپتن شریف میں حاصل کیا کرتا ہوں۔ اس جگہ ایک مسئلہ تحقیق طلب ہے برائے مہربانی جواب مشکور فرمائیں خاوندی و عنایت ہوگی۔

مسئلہ آیت شریف و ربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بہن۔ یعنی عورتوں کی وہ بیٹیاں حرام ہیں جو گود میں ہوں یعنی پرورش میں ہوں۔ مگر کیا وہ لڑکی جو گود میں نہ ہو، حرام ہے یا نہ امام بخاری صاحب نے اپنی کتاب صحیح بخاری جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۵ فیض الباری میں درج فرمایا ہے کہ جناب حضرت علیؑ اور جناب عمر فاروقؓ صاحب نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو جائز رکھا ہے کہ اگر لڑکی گود میں نہ ہو تو اس سے نکاح جائز ہے روایت کیا اس کو ابن منذر وغیرہ نے۔ امام صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس میں اجماع حادث نہ ہوتا تو اس کا لینا اولیٰ تھا کیونکہ حرام ہونا مشروط ہے اور حدیث کے اکثر طریقوں اور قرآن میں حجر کی قید لگائی گئی ہے جس کا اعتبار کرنا قوی ہوا۔ مندرجہ بالا رائے امام بخاریؒ کی ہے۔ آپ کا فتویٰ درکار ہے اور اسکی تفصیل بھی درکار ہے کہ بصورتِ جواز اور فتویٰ حضرت علیؑ اور حضرت امیر عمرؓ اور کون مخالفت اس کو زیر کر سکتی ہے اور کیا اس سے زبردست فتویٰ اور ہو سکتا ہے؟ براہ کرم بخشی اپنی رائے سے بواپسی اطلاع فرمادیں کہ آپ اس لڑکی کے نکاح کو جو گود میں نہ ہو جائز فرماتے ہیں یا حرام۔

احمد علی سب انسپکٹر تھانہ دھرم کوٹ ضلع فیروز پور

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم . حامداً و مصلیاً

مخلص فی اللہ احمد علی صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام آنکہ محبت نامہ آپ کا مشتمل بر مسئلہ تحقیق طلب مندرجہ ذیل پہنچا (کیا وہ لڑکی جو گود میں نہ

ہو حرام ہے یا نہیں۔ جناب علی مرتضیٰ اور جناب عمر فاروقؓ نے ایسی لڑکی جو گود میں نہ ہو، کے نکاح کو جائز رکھا ہے۔ روایت کیا اسکو ابن المذہب رو غیر ہانے (اقول والعلم عند اللہ وهو اعلم و علمہ اتم

وہ لڑکی جو گود میں نہ ہو اس سے اس کی والدہ کے شوہر کا نکاح حرام ہے۔ نص میں قید (فی جور کم) کا ذکر بناء بر عادت ہے۔ اس کو حل و حرمت میں وجوداً و عدماً دخل نہیں ہے لہذا (وان لم تکن فی حجب و ر کم)

کا آیت میں ذکر نہیں (کما جاء فان لم تکنوا دخلتم بہن) جناب سیدنا علیؓ کا مقولہ جس کو ابن المذہب رو غیر ہانے روایت کیا ہے وہ من حیث الاسناد والمتن ہر دو وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ منجملہ رواۃ

ابراہیم وقد تکلّم فیہ فقادح ومعدّل وقد تقرّر فی محلّہ ان الجرح مقدّم علی التعدیل (من جملہ راویوں کے ابراہیم ہے اس پر کلام کی گئی ہے کچھ لوگ جرح کرتے ہیں کچھ تعدیل کرتے

ہیں اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جرح کو تعدیل پر فوقیت ہے) و نیز راوی کا عمل علی القول المذکور متفرداً عن اہل الاجماع مذکور نہیں۔ بظاہر معنی اجماع وعدم ذکر تفرد اسی امر کا مؤید ہے کہ راوی کا عمل بالقول المروی نہیں

وہو من جملة امارات الضعف كما فی کوثر النبی وغیرہا من کتب اصول الحدیث۔ واما ضعفه متناً فلان غیر معقولة المعنی ایضاً من اسباب الضعف كما تقرّر فی محلّہ۔ وقید فی

حجور کم لا یورث الجزئیة ولا شبہا كما هو حال قید الدخول ولهذا صار مبني عليه لا حکام الحل والحرمت وجوداً و عدماً فکون الربائب فی الحجور مثل التبنی بل ادون منه

وما یدور علیہ رخی الحل والحرمة فانه قد ورد فلما قضی زید منها وطراً زوجنکھا لکنی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا امنهن وطراً (ضعف کی علامتوں میں

سے یہ بات ہے جیسا کہ کتاب کوثر النبی اور اس کے علاوہ دوسری کتب اصول حدیث میں ہے متن کا ضعف یہ ہے کہ باعتبار معنی کہ معقول نہیں اور معنی کے اعتبار سے معقول نہ ہونا ضعف کا ایک سبب ہے قرآن نے جور کم

کی قید لگائی اس سے جزئی ثابت نہیں ہوتی اور نہ اس کا شبہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ قید دخول سے اس لیے دخول کی قید حل و حرمت کے احکام کا مبنی ہے وجود اور عدم کے اعتبار سے پس سوتیلی بیٹیوں کا گود میں ہونا مثل

تبنی کے ہے یعنی کسی کو منہ بولا بیٹا بنانا بلکہ اس سے بھی کم درجہ کا ہے اس پر حل و حرمت کی چکی نہیں گھومتی قرآن شریف میں وارد ہوا جب زید نے اپنی حاجت پوری کر لی ہم نے بی بی زینب کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا تاکہ

مومنوں پر کوئی حرج نہ ہو۔ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جبکہ وہ انہیں طلاق دے دیں)

میری ناقص رائے میں اہل اجماع کا تفرد و علیحدہ ہونا قول مذکور سے اور متروک العمل سمجھنا اس وجہ سے ہے اعنی الضعف بالوجهین اسناداً والافکیف یتصور ترک العمل بما جاء عن علیؑ وقد ورد (واقضاکم علی) خصوصاً و (اصحابی کا لنجوم باہم اقتدیتم اہتدیتم) عموم مآمع ورود (لن تجتمع امتی علی الضلالة) ۲ (یعنی ضعیف دو طرح سے ہے ایک سند کے اعتبار سے دوسرا متن کے اعتبار سے ورنہ یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ جو قول حضرت علیؑ سے صحیح مروی ہو اس پر عمل نہ کیا جائے حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سب سے بہترین قاضی علیؑ ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے اور حدیث میں ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوة والسلام منہ باطناً علیہ ظاہراً۔

العبد

الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

بقلم خود از گولڑہ



۱۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب باب مناقب الصحابہ، ج ۲، ص ۳۱۴، مکتبہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب باب مناقب الصحابہ، ج ۲، ص ۳۵۵، مکتبہ دارالکتب العلمیہ بیروت

شیعہ حضرات کے چند سوالات کے جوابات

۶۷۔ بارہ ائمہ کے متعلق شیعہ حضرات کے سوالات کے جوابات

(مکتوب ذیل حضور اقدسؐ نے مسٹی فقیر الہی بخش مدرس عربی قریہ دادنونی ضلع ملتان ڈاکخانہ تحصیل شجاع آباد کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا)

تیمناً بذکرہ الاعلیٰ

اسولہ الشیعۃ علی اہل السنۃ والجماعۃ

مورخہ ۷۔ رجب ۱۳۳۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے کرام و فضلاء عظام حفاظ حدیث خیر الانامہ صلی اللہ علیہ وسلم اندریں مسائل مفصلۃ الذیل (کیا فرماتے ہیں علماء کرام فضلاء عظام حفاظ حدیث مفصلۃ الذیل کے بارے میں)

(۱) آیا بودن ائمہ اثنا عشر بعد سید الجن والبشر صلی اللہ علیہ وسلم باصحاح اخبار اخبار ثابت یا غیر ثابت و بر تقدیر اول مراد خلفاء اربعہ مع الامراء یا اشخاص دیگر و بر تقدیرین اسامی دوازده مرادہ مفصلاً از کتب سیر معتبرہ مرقوم فرمایند (حضور سید الجن والبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ اماموں کا ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے یا نہ۔ بر تقدیر اول خلفاء مع الامراء مراد ہیں یا دوسرے اشخاص بر تقدیرین بارہ اماموں کے نام سیرت کی معتبر کتابوں سے تحریر فرمائیں)

(۲) از امام ثانی یعنی حضرت حسنؑ تا حضرت مہدیؑ کلہم ملقب بہ لفظ امامت مشہور فیما بین الجمہور اند آیا اطلاق لفظ مذکور بریں اہل طہور صحیح یا نہ و بر تقدیر اول، چرا ائمہ حقہ ایشان را قرار دادہ نہ شد و بر تقدیر ثانی کدام ائمہ اہل سنت و جماعت اند بسند ات قویہ تحریر فرمایند (امام ثانی یعنی حضرت حسنؑ تا حضرت مہدیؑ تمام جمہور کے درمیان لفظ امامت کے ساتھ ملقب ہیں لفظ مذکور کا اطلاق ان اہل طہور پر صحیح ہے یا نہ بر تقدیر اول ان کو ائمہ حقہ کیوں قرار نہیں دیا گیا اور بر تقدیر ثانی ائمہ اہلسنت و جماعت کون ہیں)

(۳) تقیہ کہ مذہب اہل شیعہ است نزد اہل سنت والجماعت مسلم است یا نہ، و بر تقدیر ثانی چرا رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم در غار ثور تقیہ فرمودہ بودند؟ اجوبہ جمیع اسولہ محققہ معقولہ ومنقولہ عاجلاً عطا شوند کہ بندہ کاتب الحروف در پنجہ اہل تشیع شنیع گرفتار آمدہ جماعت کثیرہ منتظر اجوبہ اند (تقیہ جو اہل شیعہ کا مذہب ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم ہے یا نہ اور بر تقدیر ثانی رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں تقیہ کیوں فرمایا تھا؟ تمام سوالوں کے جواب معقول ومنقول دلائل سے محقق جلدی عطا ہوں بندہ کاتب الحروف اہل تشیع کے پنجہ میں

گرفتار ہے اور جماعت کثیرہ جوابات کی منتظر ہے)

الجواب وهو الملهم للصواب

۱۔ بودن ائمہ اثناء عشر بعد آنحضرت ﷺ باخبار صحاح ثابت۔ چنانچہ در بخاری بروایت جابر بن سمرہ
آمدہ قال سمعت النبی ﷺ يقول يكون اثنا عشر اميراً فقال كلمة لم اسمعها فقال ابی انه
قال كلهم من قريش۔ ودر روایت سفیان بن عیینہ لا يزال امر الناس ماضياً ما وليهم اثناء عشر
رجلاً۔ ودر روایت ابی داؤد ولا يزال هذا الدين قائماً حتى يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم
تجتمع عليه الامة۔ وطبرانی بلفظ لا يضرهم عداوة من عاداهم۔ وحاکم از ابی حنیفہ بلفظ لا يزال
امراتی صالحاً حتى يمضي اثنا عشر خليفة كلهم من القريش۔

ومراد خلفاء اربعة ومن بعدهم هستند لکن لا مطلقاً بلکہ کسانی کہ اسلام در عہد او شاں صورت اعزاز و قیام
پذیرفته چه خلافت عبارت است از ریاست عامہ برائے اقامت دیں از احیاء علوم دینیہ و قیام بالجہاد و قضا و رفع
مظالم بطریق نیابت از نبی ﷺ و مستحق ایں نیابت از امت مرحومہ کسانی هستند کہ جو ہر نفس او شاں قریب بہ
جوہر نفس انبیاء مخلوق شدہ۔ پس جامع باشند صورت خلافت یعنی ریاست عامہ و معنی اورا یعنی قرب بنفوس انبیاء
مثل خلفائے اربعہ۔ فرق ایں قدر کہ در عہد خلفائے ثلاثہ نفاذ تصرف و اجتماع مسلمین علی سبیل الکمال صورت
پذیرفته و در عہد مرتضوی معنی کامل یعنی قرب بنفوس انبیاء بود و صورت ناقص یعنی ریاست عامہ و اجتماع مسلمین
مثل زمانہ خلفائے ثلاثہ نہ بود۔ باز صورت باقی و معنی بروجہ اتم مفقود۔ چنانچہ در زمانہ امیر معاویہ و در حدیث
(هدنة علی دخن) ہمیں معنی دارد۔ باز تذرتجاً تذرتجاً خلافت جابرہ یا دعوت بر ابواب جہنم کما جاء فی
الحدیث پیدا گشت۔ باز انقلاب زمانہ حسب مشیت ایزدی رنگ تشبیہ بخلافت راشدہ بظہور آمد چنانچہ خلافت
عمر ابن عبدالعزیز۔ الحاصل خلافت مجموع امرین را می گویند۔ ریاست عامہ و تشبہ بالانبیاء علیہم السلام و گاہے
مجازاً بر ہر یکے از دو امر نیز اطلاق کردہ شود و مراد از حدیث مذکور یعنی اثناء عشر امیراً او خلیفۃ مطلق خلافت است

۲۔ بر حاشیہ بخاری مذکورہ بالا، ج ۲، ص ۱۰۷۲

۱۔ بخاری شریف، ج ۲، ص ۱۰۷۲ کتاب الاحکام مطبوعہ قدیمی کتب خانہ

۳۔ طبرانی، ج ۴، رقم الحدیث ۳۹۵۰، مکتبہ المعرف ریاض

۴۔ ابوداؤد باب الملاحم، ص ۲۳۸ مکتبہ امدادیہ

۵۔ مستدرک للحاکم رقم الحدیث ۶۵۸۹، کتاب معرفۃ الصحابة ذکر ابی حنیفہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ

در صورت مجموع امرین باشد یاد رنگ یکے از اں ہر دو۔ چنانچہ در حدیث الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ ۱۔ خلافت خاصہ کاملہ مراد است نہ مطلقہ و کسے را از فریقین سنی و شیعہ شکے نیست در حصول معنی خلافت خاصہ یعنی تشبہ بالانبیاء و تقدس مرد و از دہ ائمہ راتا مہدی۔ پس از روئے حصول معنی ممکن است کہ مراد داشته شوند در حدیث مذکور لیکن فقدان ریاست عامہ و خصوص تعبیر بعنوان (کلہم من القریش) نہ بہ (کلہم من بنی ہاشم) مؤید احتمال اول است و آیت کریمہ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم ولیدلنہم من بعد خوفہم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاولئک ہم الفاسقون ۲ افادہ تعین احتمال اول مے بخشد، گو محدود باشد۔ لیکن تمکین و تبدیل تا بعد عثمان کما لا یخفی علی الماہر لیکن بریں تقدیر تعین دواز دہ بقید اسامی بعد خلفائے اربعہ تصریح نیست۔ ضروری ہمیں قدر کہ تا قیام قیامت ایں عدد دواز دہ تمام خواہد شد۔

۲۔ اطلاق لفظ امام بلحاظ بطون خلافت نزد اہل سنت و خصوص معنی مصطلح علیہ عند الشیعہ برائہ اہلبیت صحیح و جائز است۔ عند صاحبہ غیر اوشاں را نیز اگر چہ بلحاظ مقتدائے دین بودن امام گفتہ شود، اما خصوصیات مختصہ بنفوس قدسیہ اوشاں محصور محدود اند و ذوات مقدسہ اوشاں۔

۳۔ تقیہ عند اہل سنت غیر مسلم و در غار تقیہ نبود۔ چہ تقیہ عبارت است از اخفائے چیزے کہ امر کردہ شدہ است بہ تبلیغ آں نہ از مخفی و پوشیدہ شدن شخص بلکہ ایں اختفاء و پوشیدگی در غار برائے ہجرت و اظہار مامر بتبلیغ بود۔ فی الجملہ تقیہ شیعہ بداں ماند کہ شخصے را قاضی و فیصلہ کنندہ گردانیدہ شود و مع ہذا مامور باشد بہ خاموشی و عدم تکلم، و فساد ایں معنی بر ہر ذی بصیرت پیدا و ہویدہ است۔

والسلام۔ الرام داعی مہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

ترجمہ

آنحضرت ﷺ کے بعد بارہ اماموں کا ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں جابر بن سمرہ سے آیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا بارہ امیر ہونگے آپ ﷺ نے

ایک کلمہ کہا جو میں نہ سن سکا تو میرے باپ نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا بے شک وہ سارے قریشی ہونگے سفیان بن عیینہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا جب تک ان کے والی بارہ مرد رہیں گے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا جب تک ان پر بارہ خلیفہ رہینگے سب پر امت کا اتفاق ہوگا۔ طبرانی کے یہ الفاظ ہیں کہ دشمنوں کی عداوت ان کو ضرر نہ دے گی۔ اور حاکم نے ابو جحیفہ سے ان الفاظ سے روایت کی ہمیشہ میری امت صالح اور درست رہے گی حتیٰ کہ بارہ خلیفہ گزریں گے جو سب قریش سے ہونگے اور مراد خلفاء اربعہ اور ان کے بعد والے ہیں لیکن مطلقاً نہیں بلکہ وہ لوگ جن کے عہد میں اسلام کو اعزاز اور قیام کی پذیرائی ہوئی کیونکہ خلافت ریاست عامہ سے عبارت ہے، واسطے اقامت دین کے علوم دینیہ کے احیاء، جہاد کی کوشش کرنا، قضاء اور مظالم کو رفع کرنا نبی کریم ﷺ کی نیابت کے طریقے سے۔ اور امت مرحومہ سے اس نیابت کے وہ لوگ مستحق ہیں جن کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے قریب مخلوق ہوا ہو پس جامع ہونگے صورت خلافت یعنی ریاست عامہ اور اس کا معنی یعنی انبیاء کے نفوس کے ساتھ قرب مثل خلفاء اربعہ کے۔ فرق اس قدر ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے عہد میں تصرف اور اجتماع مسلمانان بر طریق کمال صورت پذیر تھا اور عہد مرتضویٰ میں معنی کامل یعنی قرب بنفوس انبیاء تھا اور صورت ناقص یعنی ریاست عامہ اور اجتماع مسلمانان خلفاء ثلاثہ کے زمانہ کی مثل نہ تھا اسکے بعد صورت باقی اور معنی بر طریق اتم مفقود تھا چنانچہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں۔ اور حدیث ہدیٰ علی دخن (صلح بفساد) بھی یہی معنی رکھتی ہے اور پھر تدریجاً خلافت جابرہ یا دعوت جہنم کے دروازوں پر جیسا کہ حدیث میں ہے، پیدا ہوئی پھر انقلاب زمانہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق رنگ تشبیہ خلافت راشدہ کے ساتھ ظہور میں آیا چنانچہ عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت الحاصل خلافت مجموعہ امرین کو کہتے ہیں۔ ریاست عامہ اور تشبہ بالانبیاء۔ کبھی مجازاً دو میں سے ایک امر پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور حدیث مذکور یعنی اثنا عشر امیراً و خلیفۃ سے مراد مطلق خلافت ہے۔ دونوں امر ”ریاست اور قرب بنفوس انبیاء“ کی صورت میں یا ان میں سے کسی ایک کے رنگ میں چنانچہ حدیث میرے بعد خلافت تیس سال ہے میں خلافت خاصہ کاملہ مراد ہے خلافت مطلقہ نہیں۔ سنی اور شیعہ دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی بارہ آئمہؓ تا مہدیؑ خلافت خاصہ یعنی تشبہ بالانبیاء کے معنی کے حصول میں شک نہیں ہے۔ پس از روئے حصول معنی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں مراد لئے جائیں لیکن ریاست عامہ کا فقدان اور کلہم من قریش کے عنوان سے تعبیر خصوصی نہ کلہم من بنی ہاشم

پہلے احتمال کی تائید کرنے والا ہے اور آیت کریمہ ”اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے ضرور ان کو زمین میں خلافت دے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لیے جمادے گا ان کا وہ دین جو ان کے لیے پسند فرمایا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کریں وہی لوگ خسارے والے ہیں“ احتمال اول کا فائدہ بخشی ہے گو محدود ہو لیکن تمکین اور حصول امن عہد عثمان تک مسلم ہے جیسا کہ ماہر پر مخفی نہیں۔ لیکن اس تقدیر پر بارہ کا تعین ناموں کی قید کے ساتھ چاروں خلفاء کے بعد صراحتاً نہیں اس قدر ضروری ہے کہ قیامت کے قائم ہونے تک یہ بارہ کا عدد پورا ہو جائے گا۔

۲۔ اہل سنت کے نزدیک لفظ امام کا اطلاق بطون خلافت کے لحاظ سے اور شیعہ کے نزدیک خصوصی معنی اصطلاحی کے لحاظ سے ائمہ اہل بیت پر صحیح اور جائز ہے۔ ان کے غیر کو بھی اگرچہ دین کے مقتدا ہونے کے لحاظ سے امام کہا جائے گا۔ بہر حال خصوصیات جو ان کے نفوس قدسیہ کے ساتھ مختص ہیں انہی کی ذوات مقدسہ میں محصور اور محدود ہیں۔

۳۔ اہل سنت کے نزدیک تقیہ مسلم نہیں اور غار میں تقیہ نہیں تھا کیونکہ تقیہ کا معنی ہے کسی ایسی چیز کو چھپانا جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو کسی انسان کے پوشیدہ ہونے کو تقیہ نہیں کہتے بلکہ غار میں حضور ﷺ کا چھپنا ہجرت اور دینی تبلیغ کے اظہار کے پیش نظر تھا۔

فی الجملہ شیعوں کے تقیہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کونج اور فیصلہ کرنے والا بنایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے خاموشی کا حکم دیا جائے اور اس معنی کا فاسد ہونا ہر بصیرت والے پر ظاہر و آشکار ہے۔

۶۸۔ آیت تطہیر کے مصداق اور خلافت خلفاء اربعہؓ

(آنجنابؓ سے آیت تطہیر کے مصداق اور خلافت خلفاء اربعہؓ کے متعلق استفسار کیا گیا، آپؐ ارشاد فرماتے ہیں)

حضرت شیخ اکبرؒ کے کشفی بیان سے بھی مطابق روایات کثیرہ یہی پایا جاتا ہے کہ آیت مبارکہ تطہیر انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البيت ویطہرکم تطہیراً ۱ کا نزول آل کساء یعنی سیدۃ

النساء وحسن وحسين علي عليهما السلام کی شان میں ہے چنانچہ باب ۲۹ فتوحات میں لکھتے ہیں فدخل الشرفاء
اولاد فاطمة كلهم ومن هو من اهل البيت مثل سلمان الفارسي الى يوم القيامة في حكم
هذه الآية من الغفران فهم المطهرون اختصاصاً من الله وعنايته بهم بشرف محمد ﷺ
وعناية الله به ولا يظهر حكم هذا الشرف لاهل البيت الا في الدار الآخرة فانهم يحشرون
مغفوراً لهم وأما في الدنيا فمن اتى منهم حداً اقيم عليه كالتائب اذا بلغ الحاكم امره وقد
زنى او سرق او شرب اقيم عليه الحد مع تحقق المغفرة كما عزو امثاله ولا يجوز ذمه
وينبغي لكل مسلم يومن بالله وبما انزله ان يصدق الله تعالى في قوله (ليذهب عنكم
الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا) فيعتقد في جميع ما يصدر من اهل البيت ان الله
تعالى قد عفا عنهم فيه فلا ينبغي لمسلم ان يلحق المذمة بهم ولا ما يشنا اعراض من قد
شهد الله بتطهيره وذهاب الرجس عنه لا بعمل عملوه ولا بخير قد موه بل بسابق عنايته
من الله بهم ذالك فضل الله يوتيهِ من يشاء والله ذو الفضل العظيم ۱

شرفاء اولاد فاطمہ سارے اور وہ جو اہلبیت میں سے ہیں جیسے سلمان فارسی قیامت تک اس حکم
غفران میں داخل ہوئے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے اختصاص اور ان پر جو اس کی عنایت ہے اس کی وجہ سے مطہر ہیں
بہ سبب حضرت محمد ﷺ کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی ان پر عنایت کے اور اہل بیت کیلئے اس شرف کا حکم دار آخرت
ہی میں ظاہر ہوگا بے شک وہ بخشے ہوئے اٹھائے جائیں گے دنیا میں ان میں سے جو حد کا مرتکب ہوگا اس پر حد
قائم کی جائے گی جیسے توبہ کر نیوالا کہ باوجود تحقق مغفرت کے جب اس کا معاملہ حاکم کے پاس پہنچے تو زنا چوری
یا شراب کی حد اس پر قائم کی جائے گی جیسا کہ ماعز اور اس جیسے لوگ اور اس کی مذمت کرنا جائز نہیں۔ ہر مسلمان جو
اللہ اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے کے لیے مناسب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لیذهب عنکم الرجس اهل
البيت ويطهرکم تطهیرا کی تصدیق کرے اور اہل بیت سے صادر ہوئے تمام کاموں میں اعتقاد رکھے کہ
اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے پس مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ ان کی مذمت کرے جن کی تطہیر اور اس
پلیدی کے دور کرنے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے (یہ) ان کے کسی عمل کرنے یا کسی خیر (بھلائی) کو مقدم کرنے
کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ساتھ اس کی سابق عنایت ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور

اللہ بڑے عظیم فضل والا ہے یعنی سادات فاطمیہ جو قیامت تک ہونے والے ہیں، حکم میں اس آیت کے داخل ہیں۔ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں۔ حشران کا اس حالت میں ہوگا کہ مغفور ہوں گے۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی عنایت ہے، کسی عمل کا نتیجہ نہیں اللہم صل وسلم وبارک دائماً علی سیدنا محمد والہ واصحابہ پھر اسی باب میں لکھتے ہیں فلو كشف الله لك يا ولي عن منازلهم في الآخرة لو ددت ان تكون مولی من موالیہم یعنی اے دوست اگر اللہ تعالیٰ تمہارا حجاب دور فرما کر تجھے اہل بیت کی شان اور رتبہ جو ان کو عند اللہ آخرت میں حاصل ہوگا، معائنہ کرائے تو ضرور تو تہ دل سے ان کی غلامی کو چاہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تطہیر و اذہاب الرجس کی صورت انزال احکام و ہدایات شرعیہ نہیں بلکہ بمعنی عفو و مغفرت ہے۔ اس بیان سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ آیت تطہیر کا مطلب اباحت و آزادی ہے برخلاف تقلید با و امر و نواہی کے بلکہ فضل و عنایت ایزدی کی بشارت ہے جو بحسب افلاکون عبداً شکوراً پابندی احکام کے منافی نہیں۔ الحاصل آیت تطہیر کا مورد خواہ امہات المؤمنین ہوں فقط یا مع آل کسائی یا صرف آل کسائی ایسا ہی تطہیر در رنگ انزال احکام شرعیہ ہو، یا در صورت عفو و مغفرت، بہر کیف خطا کا صدور مطہرین سے ممکن ہے اور اس نعمت عظمیٰ یعنی قرآن کریم کا نزول چنانچہ اس پاک خاندان کے طفیل ہوا ہے ایسا ہی قرآن کا فہم اور سمجھ بھی انہیں کی وساطت سے ہے۔

سیدۃ النساء علیہا علیٰ ابیہا الصلوٰۃ والسلام کی تحریک اور سلسلہ جنبائی نے یہ سمجھا دیا کہ آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین میں خطاب امت مرحومہ کی طرف ہے اور علاوہ خلفاء ثلاثہ کے بھی اہل بیت پاکؑ نے باغ فدک کے غیر مورث ہونے کو اپنی طرز سے ثابت کر دکھایا اللہم صل علی محمد والہ واصحابہ عدد ما فی علمک اور سارے عالم پر واضح ہو گیا۔

میری ناقص رائے میں جناب سیدۃ النساء کی درخواست اور دعویٰ فدک امت مرحومہ کے لئے موجب رحمت ٹھہرا یعنی اس تحریک سے سب نے سمجھ لیا ہے کہ قرآن کریم کی آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین کا مطلب یہ ہے۔ نزول قرآن بھی اسی گھر کے طفیل ہوا پھر اسی گھر کی بدولت سمجھ بھی عطا ہوئی۔ یہ خیال کرنا کہ جناب سیدۃ النساء اس فیصلہ سے ایسی ناراض ہوئیں کہ وفات تک صدیق اکبرؑ سے قطع کلام کر دیا اور سیدنا علیؑ کو وصیت فرمادی کہ مجھے رات کو دفن کرنا اور کسی کو مجھ پر نماز جنازہ

پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے حالانکہ آپؐ کی ناراضگی بموجب حدیث صحیحہ یا فاطمہ ان اللہ یغضب بغضبک ویرضیٰ لرضاک وایضاً قال فاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ! (اے فاطمہ! بے شک اللہ تعالیٰ تیرے غضب کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے اور تیری رضا کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا فاطمہؑ میرے (جگر) کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی، اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی) خدا اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا موجب ہے ٹھیک نہیں۔ آپؐ کا قطع کلام ہر کسی سے باعث فرط غم تھا بوجہ فراق نبویؐ آپؐ کو سخت تکلیف تھی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد چھ مہینہ کا پورا کرنا سخت مشکل ہو گیا تھا۔ فیصلہ شرعی سے ناراضگی اور پھر ایسی کہ نماز جنازہ پڑھنے تک اجازت نہ دی جائے شایان شان اہلبیت پاکؑ نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا وربک لایؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً ۲ (اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو حکم تم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں) یعنی خدا اور رسول کے فیصلہ سے جو ناراض ہو وہ مومن نہیں۔ اگر یہ فیصلہ مطابق حکم خدا اور رسول نہ تھا تو حضرات ذیل علیؑ و امہات المؤمنینؑ و حسنؑ و حسینؑ کیوں ناراض نہ ہوئے اور کیوں بعد مرتضویؑ اسی پر عمل رہا۔ رات کو دفن کرنے کا ارشاد غالباً بلحاظ اہتمام ستر ہوا ہوگا، پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اتہام ظلم و غضب وغیرہ سب کا دفعیہ قرآن کریم نے فرما دیا۔ اسی آیت استخلاف میں جملہ یعدوننی ولا یشرکون بی شیناً ۳ خلفائے اربعہؑ کو سب بہتانات سے بری و پاک کر دیتا ہے۔

ایسا ہی آیت تطہیر انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً ۴ اور نیز آیت مباہلہ فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین ۵ (تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں) آل کساء کو نامناسب الزامات سے پاک اور صاف بتاتی ہے۔ اس مقام پر آیت مباہلہ کو

۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱، ص ۱۰۸ مطبوعہ مطبعۃ الزہراء الموصل ۲۔ القرآن، النساء، آیت ۶۵ ۳۔ القرآن، النور، آیت ۵۵

۴۔ القرآن، الاحزاب، آیت ۳۳ ۵۔ القرآن، آل عمران، آیت ۶۱

بھی کسی قدر بیان کر دینا ضروری اور موجب تقویتِ ایمان معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ لفظ پنچتن پاک کہنے والے کو دائرہ اہلسنت سے خارج سمجھتے ہیں ان کو بھی ہدایت ہو جائے۔ نقل ہے کہ امام حسنؑ اچھی پوشاک پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منورہ سے باہر جا رہے تھے۔ ایک یہودی ذلیل حال نے پوچھا کہ اے حسنؑ! آپ کے نانہا ﷺ نے سچ کہا ہے کہ دنیا مومن کے لئے دوزخ ہے اور کافر کے لئے بہشت، آپ نے فرمایا کہ بے شک سچ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لئے جو انعامات و احسانات وہاں تیار ہوئے ہیں۔ ان کی نسبت میری موجودہ حالت کو ہیچ بلکہ دوزخ سمجھنا چاہیے اور تمہارے لئے جو وہاں عذاب مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے لحاظ سے تمہاری اس حالت کو بہشت کہلانے کا استحقاق ہے۔

تنبیہ ضروری:۔ قال تعالیٰ یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا ہواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیراً وضلوا عن سواء السبیل (اے کتاب والو! اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کیا کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے)

اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی ہے صراطِ مستقیم جس کی درخواست کے لئے ہم مامور ہیں۔ اور غلو و تجاوز گودین ہی میں ہو، موجب ضلالت و غضبِ الہی ہے۔ بسا اوقات ایسے ہیں کہ فی ذاتہ صحیح بلکہ منجملہ اسباب کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں باوجود اس کے بوجہ غلو اور حد سے بڑھ جانے کے بدطینت اور فاسد الرائے انسان انہی امور صحیحہ سے نتائج فاسدہ استنباط کر لیتا ہے۔

حضرت شیخ اکبرؒ ایسے نتائج کو شیطانی معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مثلاً حب اہل بیت بشہادت قرآن و حدیث و قرار داد اہل اللہ کمال ایمان کا موجب بلکہ بلحاظ اصول عین ایمان سمجھا گیا ہے۔ اس اصل صحیح میں غلو کرنے والے دو فرقہ ہوئے۔ ایک فریق نے تو بغض و سب صحابہ کرامؓ کا راستہ لے لیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے بعد آنحضرت ﷺ اہل بیت پاک کا منصب اور حق غصب کر لیا ہے۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسول ﷺ اور جبرائیل تک گستاخ ہوئے۔ بدیں خیال کہ رتبہ اہل بیت اور تقدم علی الصحابة پر نص صریح کیوں نہیں وارد ہوئی۔ یہ سب نتائج فاسدہ اسی اصل صحیح حب اہل بیت کے ہیں۔ ایسا ہی حب عباد اللہ الصالحین ذرائع

تقرب الی اللہ میں سے اعلیٰ درجہ کا ذریعہ ہے باوجود اس کے اگر حد سے متجاوز ہو یعنی انہی صلحاء کو معبود بنا لیا جائے یا ان کو متصرف مستقل سمجھا جائے یا شریک فی التصرف اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ بغیر شراکت ان کے انتظام عالم نہیں کر سکتا۔ تو یہی حُب موجب شرک ہو جائے گی۔ حُب اہلبیت و حب عباد اللہ الصالحین دربارہ صاحب اعتدال و صراط مستقیم کے مفید اور موجب کمال ثابت ہوئی چنانچہ طرفین بوجہ افراط و تفریط منجملہ ضالین شمار ہوئے۔ خلافت و ترتیب کذائی منصوص امر ہے مگر پہلے بوجہ عدم انکشاف یہ امر کسی قدر محل نزاع و تخالف رہ کر بعد ازاں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا اور یقیناً واضح ہو گیا کہ آیت استخلاف وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت الخ ۱ سے مراد یہی خلفاء اربعہ ہیں۔ بلکہ اس حد تک کہ آنحضرت ﷺ کو بوجہ کشف نبوت و وعدہ استخلاف اس امر میں ایسا اطمینان تھا کہ مرض وفات کے آخری ایام میں خیال شریف میں آیا اور فرمایا کہ لاؤ کاغذ میرے پاس کہ میں لکھ دوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ مگر وعدہ الہی کے بھروسہ پر کہ لیست خلفتہم اور لیکن لہم اور نیز لیظہرہ علی الدین کلمہ کا فرمانے والا اصدق الصادقین ہے، ضرور ہی اس وعدہ کو جن کے ہاتھ پر پورا کرنا ہے، پورا فرماوے گا بیعت صدیقی پر شکر رنجی شیر خدا کی صرف اتنی ہی بات پر تھی کہ ہم اہل بیت رسول اللہ ایسے نظر انداز کیوں کئے گئے کہ بروقت تنازعہ فی مابین مہاجرین و انصار و اقامت حجت ہر ایک فریق کے ہمارا ذکر تک بھی نہ ہوا حالانکہ جس حجت اور دلیل سے مہاجرین کو بہ نسبت انصار کے اس امر کا اہل اور مستحق سمجھا گیا ہے یعنی الا نعمة من قریش (امام قریش سے ہیں) وہی حجت ہے ہمارے لئے کیونکہ ہاشمی کو بہ نسبت قریش کے زیادہ قرابت اور ارتباط ہے اور وہ تھوڑی سی کدورت بھی صدیق اکبرؐ کے بیان معذرت سے جاتی رہی۔ یہ لوگ یبعدونسی لا یشرکون بی شیئا (میری عبادت کریں گے، میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں گے) کے مصادیق تھے۔ ان پاک سینوں میں کدورت کا مقام کیسے ہو سکتا تھا۔ اس روز نہ صدیقی ادراک اور نہ مرتضوی فہم موعود لہم کی شخصیت تک پہنچا ہوا تھا ورنہ اتنا تنازع بھی نہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خلافت خلفاء اربعہ کی منصوص ہے اور یہی خوش قسمت لوگ اس نعمت عظمیٰ اور اقامت دین پسندیدہ کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔

چنانچہ جنگ فارس کے ایام میں بعد استشارہ جناب عمر فاروقؓ باب مدینۃ العلم علی المرتضیٰ نے سب سے اول اس دقیقہ کو سمجھا اور فرمایا کہ نحن موعودون بالنصر (ہم مدد کا وعدہ دیئے گئے ہیں) یعنی آیت

استخلاف میں ہم لوگوں کو نصرت الہی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ لہذا فتح ہمارے حصے میں ہے اور چونکہ بروقت نزول سورۃ نور الذین امنوا منکم کا خطاب علم الہی میں انہی حضرات اربعہ کی طرف تھا اور ایفاء وعدہ بھی ضروری لہذا فضیلت و کمال سیاسی شیخین کے علاوہ ترتیب اعمار بھی موجب ترتیب خلافت ٹھہری۔ کیونکہ در صورت انتقاء ترتیب خلافت بعض حضرات کے حق میں ایفاء وعدہ ناممکن تھا اگر بلا فصل سب سے اول حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے تو جناب ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ محروم ہو جاتے۔ علیؓ ہذا القیاس عمر فاروقؓ کو اگر خلیفہ مانا جاتا تو صدیق اکبرؓ بے بہرہ ہوتے۔ ایسا ہی علی مرتضیٰؓ اگر بلا فصل خلیفہ ہوتے تو تینوں حضرات محروم تھے کیونکہ وفات مرتضویؓ سب سے پیچھے وقوع میں آئی مہاجرین و انصار کا تقاضا اس غرض سے ہوا کہ ہر ایک فریق چاہتا تھا کہ اقامت دین اور خدمت اسلام سے ہم لوگ مشرف ہوں نہ بوجہ نفسانیت جیسا کہ اہل دنیا کا شیوہ ہے۔ خیال کرنا چاہیے یہ لوگ اس مقدس ذات کے جانشین تھے جس کی صحبت کا اثر سالہا سال تک باقی رہنا چاہیے۔



علم تجوید کا ایک مسئلہ

۶۹۔ حرف ”ض“ کے صحیح تلفظ کے متعلق حضرت کی تحقیق انیق

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ”ض“ معجمہ آواز میں قریب طاء معجمہ کے ہے یا دال مہملہ کے۔ از روئے کتب فقہ امام اعظم ابو حنیفہ کے، حکم بیان فرمائیں۔ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

یہ مسئلہ متعلق بہ تجوید ہے جس سے ہم لوگ بالکل نا آشنا ہیں صرف عبارات کتب دیکھ کر حکم لگانا ایسا ہے جیسے کسی نا تجربہ کار طبیب کا صرف کتابوں میں سے مسائلِ طبیہ دیکھ کر علاج و معالجہ کرنا اور تشخصِ مرض سے ناواقف ہونا یا پیدائشی مفقود الذائقہ شخص کا اشیاء عالم کا ذائقہ بیان کرنا۔ اس واسطے کہ امورِ تجوید کی دریافت عمل پر موقوف ہے اور عمل موقوف ہے سماعتِ قرأتِ استادِ کامل پر۔ جس کا وجود فی زمانہ کم ہے۔ خصوصاً اس ملک میں تو شاذ و نادر معلوم ہوتا ہے۔ پس اس بارے میں گفتگو کرنا ہمارے منصب کے بالکل خلاف ہے۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ متنازع فیہا ہے اور مسائل نے خواہ مخواہ اس کی تحقیق یہاں پر منحصر رکھی ہے۔ لہذا ناچار بقدر رسائی فہم ناقص بعد تمہید مقدمات کے ضرورت کے مطابق مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

تمہید مقدمات

مقدّمہ اولیٰ:۔ اتحادِ صفات مستلزمہ اتحادِ صوت و یا مشابہتِ صوت نہیں ہے یعنی اگر دو حرف متحد فی الصفات ہوں تو اُن کا متحد فی الصوت ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ حاء مہملہ و ثاء صفت ہمس و رخوة و استعلاء و انفتاح میں شریک ہیں اور آواز میں کوئی شرکت نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس باموحدہ اور جیم معجمہ موصوف بصفۃ جہر و استعلاء و انفتاح و شدّة و قلقلہ ہیں اور ان کی آواز میں اتحاد نہیں بلکہ تغائر ہے اسی واسطے امام القراء امام جزریٰ اپنی کتاب نشر میں فرماتے ہیں کل حرف شارک غیرہ فی مخرج فانہ لا یمتاز عن مشارکہ الا بالصفات و کل حرف شارک غیرہ فی صفات فانہ لا یمتاز عنہ الا بالمخرج!

(ہر حرف جو مخرج میں اپنے غیر کے شریک ہو تو وہ اپنے مشارک سے صرف صفات کے ساتھ ممتاز ہوگا اور ہر حرف جو صفات میں اپنے غیر کے ساتھ شریک ہو تو وہ اس سے صرف مخرج ہی کیساتھ ممتاز ہوگا) غرضیکہ امتیاز بین الحرفین کی دو صورتیں ہیں اگر متحد المخرج ہیں تو بذریعہ صفات کے ممتاز کئے جاتے ہیں اور اگر مشارک فی الصفات ہیں تو مخرج کے ذریعہ امتیاز دیئے جاتے ہیں۔

مقدمہ ثانیہ:- صوت حروف دو قسم پر ہے ایک صوت ذاتی یعنی بلا اشتراک صفات، دوم صوت صفاتی یعنی بلحاظ صفات مثلاً طاء کی نسبت اہل فن فرماتے ہیں کہ لولا الاطباق فی الظاء لکان ذالاً اس سے معلوم ہوا کہ صوت طاء بعینہ صوت ذال ہے سوائے اطباق کے۔ لیکن یہ امر تاہنوز مخفی رہا کہ جس صوت میں ذال اور طاء شریک ہیں آیا وہ مخرج کی وجہ سے ہے یا صفات کے لحاظ سے ہے۔ پس جس وقت ہم نے ذال کی صفات کی طرف خیال کیا تو ذال کو مجبورہ، رخوہ، منفتحہ مخفضہ پایا۔ پھر اور حرفوں کی صفات کی طرف نظر ڈالی تو عین کو ذال کی جمیع صفتوں میں شریک پایا حالانکہ عین اور ذال کے صوت میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ پس اس غورو فکر کے بعد یہ امر صاف ظاہر ہو گیا کہ ذالۃ ذال کہ جس میں طاء شریک ہے صوت ذاتی ہے نہ صوت صفاتی۔ کیونکہ اگر صفات کی وجہ سے اتحاد فی الصوت بین الذال والطاء ہوتا تو عین کو بھی ذال کے ساتھ متحد فی الصوت ہونا چاہیئے تھا اس واسطے کہ عین جمیع صفات ذال میں شریک ہے۔

مقدمہ ثالثہ:- حروف باعتبار اداد و قسم پر ہیں۔ اصل یہ یعنی جن کی ادا اپنے مخرج سے پوری طرح ہوتی ہے اور فرعیہ یعنی جن کی ادا اپنے مخرج سے پوری طرح نہیں ہوتی ہے بلکہ مخلوط المخرج والصوت ہو کر نکلتے ہیں اور فرعیہ کی پھر دو قسم ہیں۔ فصیحہ وغیر فصیحہ، چنانچہ شافیہ میں ہے ومخرج المتفرع واضح والفصح ثمانية همزة بین بین وہی ثلثہ۔ والنون الخفیه۔ والفاء الامالة ولام التفخيم۔ والصاد كالزاء۔ والشين كالجيم۔ واما الصاد كالسين والطاء كالتا والفاء كالباء۔ والصاد الضعيفه والكاف كالجيم فمستهجنۃ (متفرع کا مخرج واضح ہے اور فصیح آٹھ ہیں، ہمزہ بین بین اور وہ تین ہیں نون خفیہ، الف امالہ اور لام تفخیم صاد زاء کی طرح، شین جیم کی طرح اور صاد سین کی طرح طاء تا کی طرح، فباء کی طرح، ضاد ضعیفہ، کاف جیم کی طرح تو وہ مستہجنہ ہیں) ووقال فی الرضی شرح الشافیه قال السیرافی

انہالغۃ قوم لیس فی لغتہم ضاد فاذا احتاجوا الی تکلم بها فی العربیۃ اعتاصت علیہم
 فر بما اخرجوها ظاء معجمۃ لاخراجہم ایاہا من طرف اللسان واطراف الشایا وربما
 تکلفوا فی اخراجہا من مخرج الضاد فلم یحصل لہم فخرجت بین الضاد والظاء
 المعجمتین ۱ (رضی نے شرح شافیہ میں کہا، سیرانی نے کہا کہ یہ اس قوم کی لغت نہیں ہے جن کی لغت میں ضاد
 نہیں ہے جب وہ عربی میں اس تکلم کے محتاج ہوتے ہیں تو اس کی ادائیگی ان پر دشوار ہوتی ہے کبھی اس کو طرف
 زبان سے اور سامنے کے دو دانتوں کی اطراف سے نکالنے کی وجہ سے ظاء معجمہ نکالتے ہیں۔ کبھی ضاد کے مخرج
 سے نکالنے میں تکلف کرتے ہیں تو ایسا نہیں کر پاتے تو ضاد اور ظاء معجمہ کے درمیان خارج ہوا) وقال فی
 النظامیہ شرح الشافیۃ الضاد الضعیفہ ای التی تکنون بین الضاد والظاء ۲ (نظامیہ شرح شافیہ
 میں کہا الضاد الضعیفہ یعنی وہ ضاد جو ضاد اور ظاء کے درمیان ہو) وقال فی الکافیۃ شرح الشافیۃ الضاد
 الضعیفۃ بین الضاد والظاء (کافیہ شرح الشافیہ میں ہے ضاد ضعیفہ ضاد اور ظاء کے درمیان ادا ہوتا ہے)

تمہید مقدمات کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضاد نہ دال کیساتھ متحد بصوت ذاتی ہے اور نہ
 صوت صفاتی میں مشترک ہے اتحاد صوت ذاتی تو اس واسطے نہیں کہ دونوں کا مخرج جدا جدا ہے نہ متحد المخرج ہیں
 نہ قریب المخرج اور عدم اشتراک صوت صفاتی اس وجہ سے ہے کہ دونوں کے صفات میں بالکلیہ منافات ہے۔
 مثلاً ضاد رخوہ ہے، دال شدیدہ، ضاد ساکنہ ہے۔ دال قلقلہ، ضاد مطبقہ ہے۔ دال منفحہ، ضاد
 مستعلیہ ہے۔ دال مستقلہ، ضاد مضخمہ ہے۔ دال مرققہ، ضاد مستطیلہ ہے۔ دال قصیر اور اسی طرح صوت ظاء
 کے ساتھ بھی اس کا صوت متحد بصوت ذاتی نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کا مخرج بھی علیحدہ علیحدہ ہے اور یہی منشاء
 اتحاد صوت ذاتی تھا جیسا کہ مقدمہ دوم میں بیان کیا گیا ہے اور صوت صفاتی کے ساتھ بھی بالکلیہ مشابہت
 نہیں ہے اولاً اس واسطے کہ اتحاد صفات مستلزم اتحاد صوت کا نہیں۔ چنانچہ مقدمہ اولیٰ میں مہد ہو چکا ہے۔ دوم
 اس وجہ سے کہ جس وقت صفت مختصہ موجود ہو تو وہ باوجود اتحاد مخرج کے اشتباہ صوت کو دور کر دیتی ہے اور بوقت
 عدم اتحاد مخرج تو بدرجہ اولیٰ امتیاز حاصل ہوگا جیسا کہ مقدمہ اولیٰ میں بعبارت نشر پوری طرح سے واضح کیا گیا ہے۔
 پس استطالت ضاد ایسی صفت ہے جو عدم استطالت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ضرور جس وقت کہ استطالت پائی
 جائے گی تو عدم استطالت مرتفع ہو جائے گا جس کی وجہ سے امتیاز کا پورا پورا استحقاق ہوگا کما صرح بہ امام

القراء الامام الجزری فی المقدمة للمنظومة فی علم القراءة حیث قال:

والضاد باستطالة ومخرج مميز من الظاء وكلها تجی

وان تلاقيا البیان لازم ظهورک یعض الظالم

اور جو لوگ مشابہت کے قائل ہیں وہ بوجہ اشتراک صفات اس طرف مائل ہیں نہ یہ کہ عینیت واتحاد کے قائل ہیں جیسا کہ ان کے ادلہ سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ امام جزری تمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں واعلم ان هذه الحروف لیس فی الحروف ما یعسر علی اللسان مثله والناس یتفاوتون فی النطق به فمنهم من یجعله ظاء لانه یشارك الظاء فی صفاتها کلها ویزید علیها باستطالة فلو لا الاستطالة واختلاف المخرجین لكانت ظاء وهم اکثر الشامین واهل المشرق^۲ (معلوم ہو کہ ان حروف جیسا کوئی حرف بھی زبان پر ادائیگی میں مشکل نہیں اور لوگ اسکے نطق میں متفاوت ہیں۔ کچھ اس کو ظاء بناتے ہیں کیونکہ وہ اپنی تمام صفات میں ظاء کے مشارک ہے۔ اور استطالت کی وجہ سے اس پر زائد ہے۔ اگر استطالت اور اختلاف مخرج نہ ہوتا تو ظاء ہوتا۔ وہ اکثر شامی اور مشرق والے ہیں) اور حاشیہ جہد المقل میں مسطور ہے فمنهم من یجعلها ظاء هذا لیس بعجب لثبوت التشابه وعسر التميز بینهما^۳ (بعض اس کو ظاء بناتے ہیں تشابہ کے ثبوت اور ان کے درمیان تمیز کے مشکل ہونے کی وجہ سے یہ عجیب بھی نہیں) اور وہ امر جو کہ عبارات فقہیہ سے سمجھا جاتا ہے کہ مدار فساد صلوٰۃ وعدم فساد حصول امتیاز بین الحرفین بمشقت وبلا مشقت پر ہے۔ یا بر تقدیر تغیر معنی صورت مشقت میں تعمد موجب فساد ہے اور عدم تعمد عفو ہے۔ یہ سب محمول بعموم بلوی وعدم امتیاز عوام مخارج حروف پر ہے یا احیاناً مشابہت صوت بزلۃ قاری پر۔ نہ یہ کہ فقہاء نے اس کو متحد الصوت مانا ہے اور خواہ مخواہ بایں مشابہت پڑھنے کے واسطے حکم فرما ہے چنانچہ یہ مضمون عبارات فقہاء سے بخوبی واضح ہے چنانچہ خزائنہ الروایات میں مرقوم ہے لو قرأ الضاد مکان الظاء أو علی العکس تفسد عند ابی حنیفہ^۴ ومحمد^۵ وعند عامة المشائخ کا بی مطیع ومحمد بن سلمة لا. لان للعجم بلوی عاما. وفي الغیاثیة ان قرأ الله السمد مکان الله الصمد او السیف مکان الصیف او السالحین مکان الصالحین او قرأ غیر المغضوب بالظاء

۱۔ مقدمہ جزری، ص ۲۰، مطبوعہ سلطان پریس دہلی ۲۔ النسر فی القراءات العشر، ج ۲، ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ بیروت

۳۔ حاشیہ جہد المقل، ص ۹۸۰، فصل لیس بین الضاد المعجم والظاء المعملہ مطبع احمدیہ علی گڑھ انڈیا

والضالین بالظاء او الذال قال بعضهم لا تفسد لانه بلوی عام فان العوام لا یميزون ولا یعرفون مخارج الحروف منهم ابو القاسم و محمد بن سلمة و كثير من المشائخ افتوا به وبعضهم قالوا ان تغیر المعنی تفسد صلوته منهم ابو مطیع وقال القاضی الامام ابو الحسن والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فی ذالك تفسد وان جرى علی لسانه او لا يعرف التميز لا تفسد وهذا اعدل الاقوال وهو المختار. وفي الذخيرة ان الحرفين اذا كانا من مخرج واحد او كان بينهما قرب المخرج واحد هما يبدل بالآخر كان ذكر هذا الحرف كذكر هذا الحرف فلا يوجب فساد الصلوة وكذا اذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قرب به لان فيه بلوی العامة نحو ان ياتی بالذال مكان الضاد وان ياتی بالراء المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ (ضاد کو ظاء کی جگہ پڑھا یا ظاء کو ضاد کی جگہ پڑھا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ عامۃ المشائخ جیسے ابو مطیع اور محمد بن مسلمہ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی کیونکہ عجمیوں کے لیے عموم بلوئی ہے۔ غیاثہ میں ہے اللہ الصمد کی جگہ اللہ السمد (سین کے ساتھ) الصیف کی جگہ السیف یا الصالحین کی جگہ السالحن یا غیر المغضوب اور الصالحین کو ظاء یا ذال کے ساتھ پڑھا بعض علماء کہتے ہیں نماز فاسد نہیں عموم بلوئی کی وجہ سے عوام نہ تو ان حروف میں تمیز کر سکتے ہیں اور نہ ہی حروف کے مخارج کی انہیں پہچان ہے۔ ابو القاسم اور محمد بن سلمہ اور بہت سے مشائخ نے یہی فتویٰ دیا ہے بعض علماء نے فرمایا اگر معنی تبدیل ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی ان میں سے ابو مطیع ہیں۔ قاضی امام ابو الحسن اور قاضی امام ابو عاصم نے فرمایا اگر جان بوجھ کر ایسا پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان پر جاری ہو یا وہ تمیز کرنا نہیں جانتا تو نماز نہ فاسد ہوگی۔ یہ تمام اقوال میں زیادہ انصاف والا اور مختار قول ہے۔ ذخیرہ میں ہے کہ جب دو حرف ایک مخرج سے ہوں یا ان کے درمیان قرب مخرج ہو اور ان میں سے ایک دوسرے کی جگہ بدلا جاسکتا ہو اس حرف کا ذکر اس حرف کی طرح ہوگا تو نماز کے فاسد ہونے کا موجب نہ ہوگا۔ اسی طرح جب دو حرفوں کے درمیان مخرج کا اتحاد نہ ہو اور نہ ہی قرب ہو اس لئے کہ اس میں عموم بلوئی ہے جیسے ضاد کی جگہ ذال یا ذال کی جگہ زاء اور ضاد کی جگہ ظاء ادا کرے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی)

اور غنیۃ المستملیٰ میں ہے غیر المغضوب بالظاء والذال المعجمتین تفسد اذ لیس لهما معنی واما الضالین بالظاء المعجمة والذال المهملة لا تفسد لوجود لفظہما فی القرآن وقرب المعنی لصحة تقدير ولا الظالین ای المستمرین فی الظلال والذالین ای القائلین هل ندلکم علی رجل الآیۃ (غنیۃ المستملیٰ میں ہے غیر المغضوب، ظاء اور ذال معجمہ کے ساتھ پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ان دونوں کا معنی کوئی نہیں۔ ضالین ظاء معجمہ اور ذال مهملہ کے ساتھ پڑھیں تو نماز فاسد نہ ہو گی کیونکہ وہ دونوں لفظ قرآن میں موجود ہیں اور قرب معنی کی وجہ سے بوجہ صحت تقدیر والظالین یعنی سائے میں ہمیشہ رہنے والے اور الذالین یعنی کہنے والے بل ندلکم علی رجل الآیۃ)

خلاصہ یہ کہ صلوٰۃ کا جواز وعدم جواز محض عموم بلوی وغیرہ کے لحاظ سے ہے نہ مشابہت صوت کی وجہ سے اور کیونکر تشابہ صوت کو مدار جواز صلوٰۃ قرار دیا جائے کہ تشابہ بالظاء وغیرہ ضاد کا اصلی صوت نہیں ہے بلکہ باحداث بعض عن بعض پیدا ہوا ہے جیسا کہ مقدمہ ثالثہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر اسی تشابہ صوت کا نام ضاد ہوتا تو اس کا اخراج مشکل ہی کیا تھا یہ تو وقوع میں آیا ہوا ہے تمام عجمی اسی طرح اس کی ادائیگی کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب جار بردی فرماتے ہیں ولاضاد الافی العربیۃ ولذالک قال علیہ السلام انا افصح من تکلم بالضاد یعنی انا افصح العرب ۲ (جار بردی فرماتے ہیں ضاد صرف عربی ہے اسی واسطے آپ ﷺ نے فرمایا میں ضاد بولنے والوں میں زیادہ فصیح ہوں یعنی میں عرب میں زیادہ فصیح ہوں) الحاصل تشابہ بصوت الظاء وغیرہ ضاد کا اصلی صوت نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مستقل صوت ہے جو سماعت قرأت استاد کامل پر موقوف ہے عبارت میں نہیں آسکتا ہے۔ پس جب اس کا اصلی صوت مشابہ دال مهملہ ویا ظاء معجمہ وغیرہ کے نہ ہوا تو ایک دوسرے کی تغلیط کرنا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا بالکل بے فائدہ ہے۔ ہاں اگر اصلی صوت کے حصول کے واسطے تحریر دی جائے اور اس کی تحصیل کے واسطے کوشش کی جائے تو بہت ضروری ہے چنانچہ تمام ائمہ قرأت اس بارے میں متفق ہیں۔

من لم یجود القرآن آثم
وهكذا منه الينا وصلا

والاخذ بالتجوید حتم لازم
لانه به الاله انزل

۱ غنیۃ المستملیٰ کبیری مع صفیری، ص ۴۱۰، باب فی بیان احکام زلۃ القاری مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۲ جار بردی شرح شافعی، ص ۳۳۸ مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور۔

وہو ایضاً حلیۃ التلاوة
وہو اعطاء الحروف حقها
ورد كل واحد لاصله
مکملًا من غير ما تكلف

وزينة الاداء والقراءة
من صفة لها ومستحقها
واللفظ في نظيره كمثله
باللطف والنطق بلا تعرف

ولیس بینہ و بین ترکیہ

الاریاضۃ امرء بفکھہ

باقی رہا جواز صلوٰۃ وہ بلحاظ بلوئی عام دونوں صوتوں میں ہو جائے گا۔ گو قائلین تشابہ بصوت الظاء بکثرت ہیں اور مشابہت بصوت الدال المہملہ کم مگر علت بلوئی عام دونوں جگہ میں پائی جاتی ہے۔ پس ترجیح کی وجہ نہیں ہے مگر قلت و کثرت قائلین۔

لہذا اگر بایں لحاظ بصوت ظاء عدم تمیز و عدم تعارف مخارج پڑھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اکثر فقہاء کرام بصورت تشابہ صوت الظاء عدم فساد صلوٰۃ کے قائل ہوئے ہیں

ہکذا حکم الكتاب واللہ اعلم بالصواب ط

العبد

الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

بقلم خود از گولڑہ



فتاویٰ

مولانا محمد غازی صاحبؒ

و

قاری محمد عبدالرحمن صاحبؒ

نجاستِ کنواں

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمایان دین متین اس بارہ میں کہ ایک خوردسالہ لڑکی کی کفش (جوتی) پانی پینے کے چاہ میں گر جاوے اور نکالی نہ جاسکے۔ جوتی جو گرنے سے باقی رہی۔ وہ بھی پاؤں میں سے اتار کر نہیں دیکھی گئی کہ اس کے نیچے کچھ غلاظت ہے یا نہ۔ البتہ شاہدوں کی شہادت یہ ہے کہ وہ کفش جو پاؤں میں تھی پنچہ اس کا اوپر سے صاف تھا یعنی اوپر پنچہ پر کوئی غلاظت نہ تھی، ایسے چاہ کے پاک کرنے کی بابت شرعی حکم کیا ہے؟

خاکسار محمد حسین خان ۱۹۲۳-۲-۱۰

نوٹ

قبل از تحریر جواب یہ نوٹ بغرض وضاحت سوال و حقیقت واقعہ مرقوم ہے تاکہ جناب منصف صاحب کو مطابقت سوال و جواب میں کوئی دقت نہ واقع ہو۔

واضح ہو کہ موضع میرا جعفر ضلع راولپنڈی میں گاؤں سے باہر لب نالہ بارانی ایک کنواں ہے۔ جس سے گاؤں کے لوگ پانی بھرا کرتے ہیں۔ ایک روز ایک راہ گزر لڑکی مسافر نو دس سالہ کسی طرف جا رہی تھی پانی پینے کیلئے کنوئیں پر گئی اس کے ایک پیر کی سلیپر جو ایک قسم کی جوتی ہوتی ہے، کنوئیں میں گر پڑی۔ اس کی پاکی و پلیدی کی کسی کو خبر نہیں کہ آیا وہ سلیپر پاک تھی یا پلید۔ اس وقت کنوئیں پر تین عورتیں موجود تھیں۔ انہوں نے اس لڑکی کے پکڑنے کے لئے کوشش کی کہ کیفیت پاپوش پائے ثانی دریافت کی جائے مگر وہ لڑکی دوڑ کر بھاگ گئی۔ ہاں عورتوں نے کنوئیں سے اترتے وقت اس جوتی کا پنچہ دیکھا تو نجاست سے صاف تھا۔ بعد ازاں ان عورتوں نے بیان کیا کہ ایک راہ گزر مسافر لڑکی کی سلیپر کنوئیں میں گر پڑی ہے بس اسی قدر بیان ہے۔ اس واقعہ کی شہرت کے بعد ایک بزرگ ذی علم نے اس کنوئیں کی پاکی کا حکم دیا اور محض طمانیت قلب عوام الناس کچھ پانی کنوئیں سے نکال دینے کا حکم دیا بعد ازاں مولوی عبدالعلی صاحب مستالوی ضلع راولپنڈی نے اس کنوئیں کی ناپاکی کا حکم دیا اور کہا کہ یہ کنواں چھ (۶) مہینہ تک بند رکھا جاوے۔ بعدہ تمام پانی اس کا بمعہ کیچڑ نکالا جائے

اس وقت اس کنوئیں کا پانی پاک ہوگا۔ اس کے بعد گاؤں والے اس امر کے تصفیہ کے لئے بہت اصرار کر کے راقم الحروف محمد غازی عفی اللہ عنہ کو موضع میرا جعفر میں لے گئے۔ مگر اس مولوی مذکور الصدر نے فیصلہ کرنا منظور نہ کیا اور فیصلہ کے لئے تاریخ مقرر کی۔ اُس تاریخ پر جناب تحصیلدار سردار آغا محمد حسین خان صاحب و تھانہ دار راجہ سردار خان صاحب بمعہ گارڈ سپاہیاں تشریف لائے اور اُن عورتوں کا بیان قلم بند فرما کر فریقین کو عنایت کیا جو شامل فتویٰ ہذا ہے۔

الجواب ہوا لصواب

یہ کنواں پاک ہے کیونکہ جب تک نجاست سلیپر کا پورا یقین یا غلبہ ظن نہ ہو، اس وقت تک ناپاکی چاہ کا حکم نہیں دیا جاسکتا ہے اس واسطے کہ طہارت چاہ یقینی ہے اور عدم طہارت سلیپر شکی اور قاعدہ کلیہ فقہاء کرام الیقین لایزول بالشک متفق علیہ ہے یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا بناء علیہ بحالت شک نجاست طہارت چاہ کا حکم بقاعدہ الاصل بقاء ما کان علی ما کان فی حالة الشک (چیز کا اسی حال پر باقی رہنا اصل ہے جس پر حالت شک میں تھی) ضروری ہوگا کیونکہ سلیپر کا ناپاک ہونا ایک امر احتمالی ہے خصوصاً راہ گزر لڑکی جو صاف میدان میں قطع مسافت کر رہی ہو اس کے سلیپر پر تلوث نجاست کا حکم دینا بالکل زبردستی ہے کیونکہ سلیپر پوشی اُنہی عورتوں کا دستور ہے جو شہر کی باشندہ ہوں اور مال مویشی سے اُن کا کوئی سروکار نہ ہو غرضیکہ جب اُس سلیپر کی کیفیت معلوم نہیں ہے محض احتمالی عدم طہارت سے اُس کو ناپاک کہا جا رہا ہے تو اس صورت میں بلحاظ طہارت اصلی نفی عدم طہارت احتمالی کا حکم دیا جائے گا اور جب عدم طہارت سلیپر کی نفی کی گئی تو ضرور طہارت ماننا پڑے گی اور یہ ظاہر ہے کہ وقوع شی طاہر سے ماء البر نجس نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب الاشباہ والنظائر نے تحت قاعدہ ثالثہ الیقین لایزول بالشک بہت سے قاعدے مندرج فرمائے ہیں منجملہ ان کے ما نحن فیہ والا قاعدہ بھی تحریر کیا ہے وہ یہ ہے الاصل بقاء ما کان علی ما کان ویفزع علیہا مسائل منها شک فی وجود النجس فالاصل بقاء الطہارة ولذا قال محمد حوض تملأ منه الصغار والعید بالایدی الدنسة والجبراء الوسخة يجوز الوضوء منه ما لم يعلم به نجاسة ولذا افتوا بطہارة طین الطرقات وفي الملتقط فارة فی الكوز لا یدری انها كانت فی الحبرة لا یقضى

بفساد الحبرۃ بالشک۔ اودلیل الاصل مارواه مسلم۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اذا وجد احدکم فی بطنہ شیئاً فاشکل علیہ اخرج منه شیء ام لا۔ فلا یخرج من المسجد حتی یسمع صوتاً او یجد ریحاً۔ (الاصل بقاء ما کان علی ما کان) کے ضابطہ فقہیہ سے متعدد مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نجاست کے وجود میں شک ہو تو اصل طہارت کی بقاء ہے۔ اسی بنا پر امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک حوض ہے جس سے چھوٹے چھوٹے بچے اور غلام اپنے میلے کھیلے ہاتھوں اور میلے برتنوں سے پانی بھرتے رہتے ہوں تو ایسے حوض سے اس وقت تک وضو جائز ہے جب تک نجاست کا یقینی علم نہ حاصل ہو۔ اسی وجہ سے فقہاء نے راستوں کی مٹی کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اور ملتقط میں ہے کہ چوہا گلاس میں ملا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پانی مٹکے میں تھا یا نہیں، تو مٹکے کے فاسد (ناپاک) ہونے کا فیصلہ شک کی بناء پر نہیں دیا جائے گا۔ اس ضابطہ فقہیہ کی دلیل و حجت وہ حدیث نبوی ﷺ ہے جسے امام مسلم نے سیدنا ابی ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (فرمایا) جب تم میں سے کسی کے پیٹ میں کچھ محسوس ہو اور یہ (جاننا) مشکل ہو جائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ تو ہرگز مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے اور طحاوی میں مرقوم ہے واما سائر الحيوانات فان علم ببدنہ نجاسة یتنجس الماء وان لم یصل فمہ الماء وقیدنا بالعلم لانہم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیاً لا یجب نزع شیء وان کان الظاہر اشتمال بولہا علی افخاذہا ۲ (لیکن باقی حیوانات کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے بدن پر نجاست معلوم ہو تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس جانور کا منہ پانی کو نہ پہنچا ہو۔ ہم نے علم کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ گائے اور گائے جیسے جانور جو کنویں سے زندہ نکل آئیں ان کے بارے میں فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگرچہ بظاہر پیشاب کا ان کی رانوں پر اشتمال ہوتا ہے) اور اگر بالفرض دہقانی عورتوں کی جوتیوں کی طرح اس لڑکی کی سلیر گوبر وغیرہ ذوجرم نجاست سے متلوٹ مانی جاوے تو بھی قطع مسافت کی حالت میں بلحاظ دلک طہارت سلیر کا ظن غالب ہے۔ اور اس کے وقوع میں کنواں ناپاک نہ ہوگا چنانچہ صاحب نفع المفتی والساکن متفرقات المسائل مولانا عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور لکھنوی نے تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے المطہر الثالث الدلک فی الخف والنعل ونحوہ وهذا عند الشیخین واما عند محمد فلا یطہر الا بالغسل وهو القیاس وقد صح رجوع محمد عن قوله فافتی بطہارة الخف بالدلک والمسح لما دخل

الرّی ونظر عموم البلوی کذا فی رسائل الارکان ۱ (تیسرا پاک کرنے والا عمل دلوں (ملنا، مسلنا) ہے جو موزے، جوتے اور ان جیسی اشیاء میں ہوتا ہے اور یہ شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد کا اپنے قول سے رجوع بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ پس جب آپ شہر ”رعی“ میں داخل ہوئے اور لوگوں کی ضرورتوں اور مجبوریوں اور (عموم بلوی) کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے دلوں اور مسح سے موزے کی طہارت کا فتویٰ دیا۔ رسائل الارکان میں اسی طرح ہے) اور اگر خواہ مخواہ قدرے قلیل نجاست اس کے ساتھ تسلیم بھی کی جائے تو اس وقت بھی بلحاظ عموم بلوی اس سلیپر کے وقوع سے وہ کنواں طاہر ہی رہے گا چنانچہ نفع المفتی والوسائل میں مرقوم ہے فنقول قلیل النجاسة كالبعرة والبعرتین لا یفسد الماء استحسانا والحد الفاصل فی القلیل لا یفسد الماء والكثیران الكثير ما یستکثره الناظر فی المروى الذی عن ابی حنیفة وخلافه قلیل وعلیه الاعتماد کما فی الهدایہ وکذا لافرق بین البعر الرطب والیابس والمنکسر والصحیح والخشی والروث والبعر لشمول الضرورة وهو الظاهر ۲ (ہم کہتے ہیں کہ ایک دو مینگنیوں کی مقدار قلیل نجاست سے از روئے استحسان پانی ناپاک نہیں ہوتا اور حد جو فاصل ہے قلیل وکثیر میں جس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، وہ یہ ہے کہ کثیر وہ ہے جس کو دیکھنے والا کثیر سمجھے اور وہ جو اس کے خلاف ہو اسے دیکھنے والا کثیر نہ سمجھے وہ قلیل ہے امام اعظم ابو حنیفہ سے مروی روایت کے مطابق اور اسی پر اعتماد ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اسی طرح تر اور خشک ٹوٹی ہوئی اور صحیح سالم مینگنی، گوبر اور لید میں کوئی فرق نہیں بوجہ شمول ضرورت (عموم بلوی) کے، اور یہی ظاہر ہے)

الحاصل صورت مسئلہ میں کنواں بالکل پاک و طاہر و مطہر ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے باقی رہا یہ امر کہ باوجود طہارت کنواں پانی کیوں نکلوا یا گیا سو اس کا جواب یہ ہے کہ پانی کا نکلنا محض طہانیت قلب عوام الناس کے لحاظ سے وقوع میں آیا ہے نہ بغرض تطہیر چنانچہ قاضی خان میں ہے وکذا لو وقعت الشاة وخرجت حية الا انها یزح عشرون دلو التسکین القلب لا للتطہیر حتی لو لم یزح وتوضاء جاز ۳ (ایسا ہی حکم ہے اگر بکری گر پڑی اور زندہ باہر نکل آئی مگر یہ جو بیس ڈول کھینچے جاتے ہیں یہ اطمینان قلب کے لیے ہے نہ کہ پاک کرنے کے لیے یہاں تک کہ اگر یہ بیس ڈول نہ نکالے گئے اور وضو کر لیا گیا تو جائز ہے) حررہ: محمد غازی عفی عنہ ربہ برائے گولڑہ

ہوالمصوب

واقعی جناب مجیب صاحب یعنی معظمی و مکرمی مولانا محمد غازی صاحب سلمہ اللہ الوہاب کا جواب قواعد کلیہ و جزئیہ فقہاء کرامؒ کے بالکل موافق ہے کیونکہ جوتی و سلپیر وغیرہ اصل میں تو یقیناً طاہر ہیں اور عدم طہارت اُس کی عارضی ہے جس کا ثبوت محتاج دلیل ہے اور فیما نحن فیہ میں وہ موجود نہیں ہے یعنی ناپاکی سلپیر کا ثبوت بدلیل شرعی نہیں ہوا۔ جیسا کہ سوال سے خود ظاہر ہے۔ پس لامحالہ عدم طہارت کا ایسی صورت میں احتمال و شک ہی ہوگا اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شک یقین پر طاری ہو وہ یقین سابق کو زائل نہیں کر سکتا ہے۔

چنانچہ شرح الاشباہ والنظائر میں مرقوم ہے۔ ان الشک قسمان قسم طار علی یقین الحاصل بامر خارج عنہ و شک طار بالیقین ای بمعارضۃ دلیل معہ دلیل اخر فالاول لا یزیل الیقین والثانی یخرجہ عن کونہ یقیناً (شک دو قسم کا ہوتا ہے پہلی قسم یقین پر طاری ہونے والی ہے اور یہ ایسے امر سے حاصل ہوتا ہے جو اس سے خارج ہو دوسرا شک یقین کے ساتھ طاری ہوتا ہے یعنی ایک دلیل کے ساتھ دوسری دلیل کے ٹکرانے سے۔ تو قسم اول کا حکم یہ ہے کہ وہ یقین کو زائل نہیں کرتا اور دوسرا اس کو یقین ہونے سے خارج کر دیتا ہے) اور فیما نحن فیہ میں شک قسم اول ہے یعنی یقین طہارت کے بعد عدم طہارت کا شک طاری ہوا ہے تو یہ طریق ان شک عدم طہارت، یقینی طہارت سابقہ کو زائل نہیں کر سکتا ہے لان الاصل فی الاشیاء البقاء والعدم طار (کیونکہ اشیاء میں اصل بقاء ہے اور عدم طاری ہے) پس لامحالہ طہارت سابقہ کی بقا مسلم ہوگی اور عدم طہارت قابل تسلیم نہ ہوگی فہذا معنی قولہم الیقین لا یرتفع بالشک وهو المقصود (یہی معنی ہے ان کے قول ”الیقین لا یرتفع بالشک“ کا یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور یہی مقصود ہے) ہاں کسی وقت جوتی و سلپیر وغیرہ کے ساتھ تلوّث نجاست کا احتمال باغلبہ ظن یا یقین ہی ہوا کرتا ہے جو محتاج قرینہ ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت یہ پلید رہے۔ بسا اوقات خود بخود چلنے پھرنے سے پلیدی دور ہو جاتی ہے اور بسا اوقات انسان آپ اس کو پاک و صاف کر لیا کرتا ہے۔ جس سے طہارت پا پوش حاصل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ شرح الاشباہ والنظائر میں ہے قوله وذلک النعل بالارض ونحوہ کالخف والفر ومن نجس ذی جرم جف سواء کان الجرم من نفسه او غیرہ یكون مطہراً لہ وهذا

عند الشيخين وهو الصحيح وقال محمد بالغسل لا غير وروی رجوعه كفا في المحيط.
 وقال ابو يوسف يطهر الخف في الرطبة ايضاً اذا مسح بالتراب لانه يجذب رطوبتها
 ويصير كالتى جفت وعليه الفتوى (جوتی، موزے اور پوستین اور ان جیسی اشیاء کو جسم والی خشک نجاست
 سے پاک کرنے کے لئے زمین پر ملنا، رگڑنا برابر ہے چاہے وہ جرم اس کا اپنا ہو یا اس کے غیر کا، یہ مسلنا اور
 زمین پر ملنا اس کے لیے مطہر ثابت ہوگا۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا! دھونا
 ہی واجب ہے نہ کہ دلك اور ان کا رجوع روایت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے
 ہیں کہ ترنجاست میں بھی موزے کو مٹی پر مسح کر لیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مٹی اس کی رطوبت کو جذب
 کر لیتی ہے اور یہ خشک موزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے) رہے دہقانی مال مویشی والے لوگ
 جن کی جوتیوں پر گوبر اور لید وغیرہ کا تلوٹ خواہ بطور غلبہ ظن یا یقین تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی نجاست مغلظہ
 انسانیہ مثل بول و براز کا تلوٹ شکی رہے گا کیونکہ عادتاً انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا ایسی نجاست سے کنارہ کشی اختیار
 کرتا ہے۔ باقی تلوٹ پاوش بارواث وغیرہ بلحاظ عموم بلوی و ضرورت شدیدہ عند الشرع عفو ہے جیسا کہ گائے
 بھینس بکری وغیرہ کنوئیں میں گر جائے اور زندہ نکال لی جائے اس وقت ناپاکی چاہ کا حکم نہیں دیا جاتا ہے
 باوجودیکہ کسی حیوان کا بدن کچھ نہ کچھ پلیدی سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اور کوئی جگہ نہیں تو اس کے کھر، سُم اور
 پیشاب و گوبر کی جگہ تو ضرور ہی ناپاک ہوتی ہے۔ پس جوتی اگر بالفرض والتسلیم ایسی نجاست سے متلوٹ بھی
 مانی جائے تو بھی حیوانات متلوٹ نجاست سے تو یقیناً وہ جوتی کم ہی متلوٹ ہوگی اور جو ضرورت داعیہ عضو
 نجاست حیوانات والی صورت میں پائی جاتی ہے۔ وہ ہی ضرورتاً نجاست پاوش والی صورت میں عفو نجاست کی
 مقتضی ہے و نیز جیسے حیوانات کے گرنے سے کچھ نہ کچھ پلیدی پانی میں مخلوط ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جوتی
 کے عدم اخراج کی حالت میں بوقت عدم تیقن نجاست مفسدہ ماء البیر غیر مفسدہ نجاست عفو تصور کی جائے گی اور
 طہارت چاہ کا اپنی اصلی حالت سابقہ پر حکم دیا جائے گا۔

غرضیکہ اصل تو طہارت ہے۔ اس کے اعتبار سے جوتی کو پاک تسلیم کرنا پڑے گا اور بوقت شک
 طریان نجاست الیقین لا یزول بالشک کو ملحوظ رکھ کر طہارت چاہ کا حکم دینا پڑے گا اور بوقت تیقن نجاست
 ماء البیر نجس قرار دیا جائے گا۔ مگر یہ فیما نحن فیہ سے خارج ہے کیونکہ در صورت مسئلہ جوتی کی پاکی و پلیدی کی

کیفیت کسی کو معلوم نہیں ہے اور جب کیفیت معلوم نہ ہوئی تو بقاعدہ الاصل الطہارۃ طہارت اصلی کا حکم دیا جائے گا۔ جیسا کہ مجیب صاحب نے تحریر فرمایا ہے چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے ولا یتنجس الماء بوقوع ادمی ولا بوقوع ما یوکل لحمہ کالبقر والا بل والغنم اذا خرج حیا ولم یکن علی بدنہ نجاسة متیقنة ولا ینظر الی اشتمال ابو الہا علی افخاذا (پانی آدمی کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اور اونٹ گائے، بکری اور ان جیسے جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہو اگر پانی میں گر کر زندہ باہر نکل آئیں اور ان کے بدن پر نجاست کا یقین نہ ہو تو پانی پلید نہیں ہوتا اور ان کی رانوں پر پیشاب کے اشتمال کا لحاظ نہیں کیا جائیگا) اور البحر الرائق میں مرقوم ہے واما سائر الحيوانات فان علم ببدنہ نجاسة یتنجس الماء وان لم یصل فمہ الی الماء وقیدنا بالعلم لانہم قالوا فی البقر ونحوہ یرجح حیا لا یجب شیء وان کان الظاہر اشتمال بولہا علی افخاذا لکن یحتمل طہارتہا بان سقطت عقب دخولہا ماء کثیرا ہذا مع ان الاصل الطہارۃ ۲ واللہ اعلم (اور دیگر حیوانات کے بدن پر نجاست اگرچہ معلوم ہو تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اگر اس جانور کا منہ پانی تک نہ پہنچا ہو اور ہم نے علم کی قید اس لیے لگائی کہ گائے اور اس جیسے جانور جو زندہ نکل آئیں ان کے بارے میں فقہاء نے فرمایا کہ کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی رانوں پر ان کے پیشابوں کا اشتمال ظاہر ہے۔ لیکن احتمال طہارت کا بایں طور ہے کہ وہ ماء کثیر میں دخول کے بعد ساقط ہو چکا ہے یہ اس کے باوجود ہے کہ اصل طہارت ہے)

حررہ: محمد عبدالرحمن نزیل خانقاہ گولڑہ شریف بقلم خود۔

مسجد کے امام یا متولی کی موجودگی میں کسی شخص کا جماعت کرانا

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں جو عید گاہ شہر کے ایک حصہ میں ہے۔ متولی عید گاہ اور اہل شہر کے اتفاق سے ایک امام مقرر ہو جو حسب و نسب سے شریف ہونے کے علاوہ مرد صالح و حافظ قرآن شریف اور ضروری مسائل دینیہ سے بھی باخبر ہو اور وہ امام الحی تسلیم ہو چکا ہو۔ اس کی

۱۔ مراقی الفلاح، ص ۸، ۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۔ البحر الرائق، ج ۱، کتاب الطہارت، ص ۱۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

موجودگی میں دوسرا شخص اس کی اجازت اور رضا اور متولی عید گاہ کی اجازت کے بغیر جماعت صلوٰۃ الفرض یا صلوٰۃ العید کر سکتا ہے یا ہر دو کی اجازت حاصل کرنے کی حاجت ہے۔

خادم العلماء محمد حسین حنفی چشتی متولی عید گاہ اہل سنت و جماعت شہر جہلم مورخہ ۱۹۱۱ء۔ ۱۰۔ ۲۶

ہوا لملہم للحق والصواب

واقعی امامِ حق کی اجازت و رضا مندی کے سوا اس کی مسجد میں دوسرے شخص کو خود بخود جماعت کرانی بالکل جائز نہیں ہے گو وہ شخص امامِ حق سے فضیلت و رتبہ میں زیادہ ہی کیوں نہ ہو اس واسطے کہ رسول خدا ﷺ نے اس سے نہی فرمائی ہے اور بہ قاعدہ مسلمہ الامر للوجوب والنہی للتحريم الا اذا كانت قرينة صارفة (تسلیم شدہ ضابطہ فقہیہ ہے کہ امر و وجوب کے لیے اور نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو) الفاظ ہر حدیث ولا یؤم الرجل فی سلطانہ ولا یجلس علی تکرمتہ فی بیتہ الا باذنہ رواہ الترمذی (کوئی آدمی دوسرے کے زیر اقتدار مصلیٰ امامت پر اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرے اور نہ ہی کسی کے گھر میں جا کر اس کی جائے مکرمات و مسند پر بلا اجازت بیٹھے) اولاً یؤم الرجل الرجل فی سلطانہ ولا یقعد فی بیتہ علی تکرمتہ الا باذنہ رواہ المسلم (اور ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کی امامت اس کی سلطنت میں اس کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اور اس کے گھر میں اس کی مسند پر بھی بلا اجازت نہ بیٹھے) اس سے نہی بوضاحت تمام پوری طرح ثابت ہوتی ہے۔ و نیز جماعت کی مشروعیت بغرض اجتماع مسلمین عبادت کے لئے باہمی الفت و محبت حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے اور غیر جگہ میں خود بخود امامت کرنے کے لئے سبقت کرنے میں اولاً تو امامِ حق کی توہین اور اس کی اطاعت و فرمان برداری سے روگردانی لازم آتی ہے اور ثانیاً یہ فعل باہمی بغض و حسد اور تقاطع و تفارق کا باعث ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ و عیدین کی نماز میں خود بخود پیش قدمی کرنے سے بہت بڑے تفرقہ اور فساد کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو مشروعیت جماعت کے سراسر خلاف اور فرمانِ عالی شان حضرت سرور کائنات ﷺ کے بالکل منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ غیر جگہ میں سبقت نہیں فرماتے تھے۔ فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے لیکن بلحاظ ظاہر الفاظ حدیث غیر جگہ میں امامت نہیں فرماتے تھے چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں ابی عطیہ عقیلی سے مروی ہے

عن عطیہ العقیلی قال کان مالک بن الحویرث یأتینا الی مصلانا یتحدث فحضرت
 الصلوٰۃ یوما قال ابو عطیہ فقلنا لہ تقدم فصل قال لنا قد موار جلا منکم یصلی بکم
 وساحدثکم لم لأصلی بکم سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من زار قوماً فلا یؤمهم ولیؤم
 رجل منهم رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی (عطیہ عقیلی سے روایت ہے کہ سیدنا مالک بن حویرث
 ہماری مسجد میں ہمارے پاس تشریف لائے حدیثیں سناتے رہے۔ دن کو نماز کا وقت ہو گیا۔ ابو عطیہ کہتے ہیں
 کہ ہم نے ان سے کہا آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے تو انہوں نے ہمیں فرمایا کہ تم اپنے میں سے کسی کو امام بناؤ
 کہ وہ تمہیں نماز پڑھائے۔ میں عنقریب تمہیں ایک حدیث بیان کروں گا جس کی وجہ سے میں نے تمہیں نماز
 نہیں پڑھائی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی قوم کی ملاقات کے لیے جائے تو
 وہاں ان کی امامت نہ کرے بلکہ انہی میں سے کوئی ایک مرد ان کی امامت کرے) اور مرقاۃ میں مرقوم ہے
 ولذا کان ابن عمر یصلی خلف الحجاج وصح عن ابن عمر ان امام المسجد مقدم علی
 غیر السلطان وتحریرہ ان الجماعة شرعت لاجتماع المسلمین علی الطاعة وتألفہم
 وتوادہم فاذا ام الرجل الرجل فی سلطانہ افضی ذلک الی توہین امر السلطنة وخلع
 ربقة الطاعة وكذلك اذا امہ فی قومہ واهلہ ادى الی التباغض والتقاطع وظهور الخلاف
 الذی شرع لدفعہ الاجتماع فلا یقدم رجل علی ذی السلطنة لا سیما فی الاعیاد
 والجماعة ولا علی امام الحی ورب البیت الا بالاذن (اسی لیے حضرت ابن عمرؓ حجاج کے پیچھے نماز
 پڑھتے رہے اور سیدنا ابن عمرؓ سے یہ روایت بھی صحت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ مسجد کا امام غیر سلطان سے
 مقدم ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جماعت مسلمانوں کو طاعت پر جمع کرنے اور ان کے مابین الفت و محبت پیدا
 کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے۔ پھر جب ایک آدمی دوسرے کے زیر اقتدار مصلائے نماز پر امامت کرے
 گا تو یہ عمل امر سلطنت کی توہین اور اطاعت کا طوق اتار پھینکنا ہے۔ اور اسی طرح جب کوئی شخص کسی قوم میں
 جا کر از خود امام بن جائے تو اس سے بھی لوگوں کے درمیان بغض و عناد اور تعلقات کا انقطاع پیدا ہونے کا قوی
 اندیشہ ہوتا ہے۔ اور وہ اختلاف پیدا ہوگا جس کے دور کرنے کے لیے جماعت مشروع ہوئی ہے۔ اس بناء پر حکم
 ہے کہ کوئی شخص کسی کی سلطنت میں از خود پیش قدمی نہ کرے خصوصاً عیدوں اور جمعہ کی نمازوں میں، اور امام

محلہ اور گھر کے مالک پر پیش قدمی نہ کرے) ہاں اگر وہ اجازت دیں تو پھر آگے بڑھ کر نماز پڑھا دینا جائز ہے واللہ اعلم

حررہ محمد عبد الرحمن الجونفوری نزیل خانقاہ گولڑہ شریف
بحکم حضرت قبلہ عالم

اہل ہنود کے تابوت کے ساتھ شامل ہونا

استفتاء

بمضور فیض گنجور عالی جناب معلی القاب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب دام فیضہ

بصد آداب نیاز بعجز انکسار معروض آنکہ ایک مسئلہ کی ضرورت ہے جو سوائے علمائے دین حل ہونا مشکل ہے۔ بمراد حل اُس کے خلاصہ التماس ہے بموجب کلام قدیر و حدیث شریف تحریر فرما کر ہم نیاز مندان اہل اسلام کو آگاہ فرمایا جاوے۔ وہ یہ معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص اہل اسلام میں سے ہمراہ تابوت اہل ہنود کے شامل ہو کر بمنزلہ اُس کے چتہ تک جاوے اور جلنے تک وہاں نمائش میں رہے یعنی اُن مسلمانان متذکرہ بالا کے حق میں شرعاً کیا حکم ہے چنانچہ مسمیان سید نذیر حسین شاہ و علی اکبر چوہدری وغیرہ چند کس مسلمانان بھی مشمولہ ایسے موقعہ پر ساکن موضع بودھاں ولوہیاں ایک تابوت اہل ہنود کے ساتھ گئے تھے اور ایسے فعل میں شامل رہے نامزدگان مندرجہ بالا کے حق میں شرعی مفصل حکم جاری فرمایا جاوے، واجباً گزارش ہے۔

الجواب ہوا الصواب

کفار کی شادی و غمی میں شریک ہونا اور اُن سے موانست و محبت کرنا خصوصاً اُن کے تابوت کے ساتھ جانا جو غایت درجہ کے اتحاد اور باہمی ارتباط پر دلالت کرتا ہے بالکل شرعاً ممنوع ہے۔ کفار خدا اور رسول خدا ﷺ اور خدا اور رسول ﷺ کے تابعداروں و فرمانبرداروں کے دشمن جانی و مالی ہیں موقع پر مسلمانوں کا ساتھ دینے والے نہیں پس جو قوم کہ خدا اور رسول و مسلمانوں کی دشمن ہو اس کے ساتھ دوستی کرنا اُس کی شادی و غمی میں شریک ہونا گناہ کبیرہ ہے کفار کے ساتھ دوستی و محبت کرنے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن شریف میں سخت منع فرمایا

ہے اور نہایت ہی وعید ظاہر فرمائی ہے چنانچہ آیت کریمہ لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء الا ان تتقوا منهم تقاة ويحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر ط ۱ (مومن اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں جو شخص ایسا کام کرے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ مگر یہ کہ تم اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات (یعنی اپنے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) پوری پوری اتحاد کفار سے منع کر رہی ہے اور صاحب تفسیر خازن اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں نہی اللہ المؤمنین ان یوالوا الکفار او یلاطفوہم لقراۃ بینہم او محبة او معاشرۃ والمحبۃ فی اللہ والبغض فی اللہ باب عظیم واصل من اصول الایمان ۲ (اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو روک دیا ہے اس سے کہ وہ کافروں کے ساتھ اپنی قرابت (رشتہ داری) یا باہمی محبت یا معاشرت کی وجہ سے ان سے دوستی رکھیں یا ان پر مہربانی کریں۔ اور خالص اللہ تعالیٰ کیلئے محبت اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دشمنی رکھنا بہت بڑا باب اور اصول ایمان میں سے اصل ہے) اور جو لوگ بائیں مخالفت کفار کے ساتھ دوستی و محبت رکھنے والے ہیں اُن کے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ومن يفعل ذالک فليس من الله في شيء (اور جو یہ کام کرے گا اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا) ای فليس من دين الله في شيء وقيل معناه فليس من ولاية الله في شيء وهذا امر معقول من ان ولاية المولى معاداة اعدائه وموالاته الله وموالاته الكفار ضدان لا يجتمعان (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اس کا کوئی واسطہ نہ رہا۔ اور کہا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی میں سے اسے کچھ بھی نہ ملا اور یہی امر معقول ہے کیونکہ مولیٰ تعالیٰ کی دوستی اس کے دشمنوں سے عداوت ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوستی و محبت اور کفار سے بھی محبت و دوستی دو ضدیں ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں) ہاں اگر مسلمان کفار کے ملک میں ہوں اور کفار کا اُن پر ہر طرح غلبہ و تسلط ہو اور یہ خیال یقینی ہو کہ اگر ہم ان کے ساتھ ظاہری دوستی و اتحاد نہ کریں گے تو ہماری جان و مال کے دشمن ہو جائیں گے۔ تو ایسی حالت میں اگر اُن کے ساتھ بظاہر راہ و رسم رکھی جائے اور دل میں محبت مسلمانوں کی ہو تو مجبوری کی حالت میں ظاہری راہ و رسم کفار کے ساتھ رکھنے میں چنداں مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ قول باری عز اسمہ 'الا ان تتقوا منهم تقاة' (مگر یہ کہ تم بچاؤ کرنا چاہو) سے مفہوم ہوتا ہے۔ مگر اولیٰ ایسے حالات میں بھی کفار سے اجتناب و احتراز کرنا ہے اور مقتضائے ایمان

اسی کو چاہتا ہے۔ باقی ان کا نکاح سابق بدستور قائم ہے۔ یہ شرکت کفر و ارتداد نہیں ہے کہ نکاح جاتا رہے، ہاں گناہ کبیرہ بے شک ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ ایسے فعل شنیع سے اجتناب کرنا چاہیے واللہ اعلم
حررہ: محمد عبدالرحمن بحکم حضرت قبلہ عالم مخدومی پیر مہر علی شاہ صاحب
بقلم خود از گولڑہ

کفار کی رسومات میں شرکت کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ کفار کے ساتھ دوستی و محبت رکھتے ہیں اور شادی و غمی میں دوستانہ شریک ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے مردوں کے تابوت کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور مردہ جلنے تک اہل ہنود کے ہمراہ رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اہل ہنود کی غمی میں شریک نہ ہوں تو اہل ہنود ان کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتے ہیں مگر یہ خواہ مخواہ ان کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟ آیا ایسی شرکت سے عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ بلکہ بسا اوقات ان کی شرکت باقی مسلمانوں کے حق میں باعث مضرت ہوتی ہے کہ اہل ہنود غریب مسلمانوں کو زبردستی اپنی خلاف شرع تقریبات میں شریک کرتے ہیں اور ان لوگوں کی شرکت کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ پس آیا یہ گناہ بھی ان لوگوں کے سر پر ہوگا یا نہیں اور غریب مسلمان ایسی شرکت کی وجہ سے خدا کے نزدیک معذور ہوں گے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

کفار کے ساتھ دلی دوستی و محبت شرعاً حرام ہے۔ یہ منافقوں کی حالت و خصلت ہے کہ ظاہراً اہل اسلام سے ملنا اور اپنے ایمان و اسلام کا دعویٰ کرنا اور باطناً کفار کے ساتھ تعلق دلی و محبت قلبی رکھنا، ایسے لوگوں کی خداوند کریم نے نہایت ہی مذمت فرمائی ہے اور ان کے خلاف نار کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی ایسے لوگ ہمیشہ مبغوض الہی و دائمی جہنمی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں آیہ کریمہ تری کثیرا منهم يتولون الذین

کفروا لبئس ما قدمت لهم انفسهم ان سخط الله عليهم وفي العذاب هم خالدون (آپ دیکھیں گے ان میں سے بہت لوگوں کو جو کفار سے دوستی رکھتے ہیں بہت برا ہے وہ جو ان کے نفسوں نے ان کیلئے آگے بھیجا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہوا اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے) نازل ہوئی ہے پس ایسے لوگ جنہوں نے کفار کے ساتھ دلی دوستی رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے غریب مسلمانوں کو تکلیف و اذیت ہوتی رہی ہے اگر بلا توبہ و استغفار مر گئے ہیں تو خدا کے عذاب میں سخت مبتلا ہوں گے جس پر وفي العذاب هم خالدون (اور عذاب میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) دال (دلائل کر رہا ہے) ہے۔ باقی غریب مسلمان اگر بخوف جان و مال اہل ہنود کی غمی و شادی میں مجبوری کی حالت سے شریک ہوتے رہے ہیں تو وہ عند اللہ معذور ہیں۔ ان کا گناہ بھی انہی لوگوں کی گردن پر ہوگا جن کی وجہ سے ان غریبوں کو خلاف شرع تقریبات میں شریک ہونا پڑا ہے واللہ اعلم

حررہ:-

محمد عبدالرحمن بکرم

حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب "بقلم خود"

اثباتِ خلافتِ خلفاء ثلاثہ بقاعدہ مسلمہ مذہب اہل تشیع

استفتاء

نحمدہ ونصلی علیہ اما بعد ما قولکم ایہا العلماء رحمکم اللہ شیعہ مذہب کے لوگ جو اصحاب ثلاثہ و عائشہ صدیقہ وائمہ اربعہ وغیرہ کو برا کہتے ہیں بلکہ اصحاب ثلاثہ کے حق میں تو اس حد تک بیان کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ کافر تھے۔ صرف حضرت علیؑ اور چند اشخاص ان کے تابع مسلمان تھے۔ باقی ظالم، ملعون اور مردود تھے۔ کیا ایسے اہل تشیع کے ہمراہ کھانا پینا وغیرہ برتاؤ اہل سنت و جماعت کے مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

اما بعد آنکہ جہلاء و علماء اہل تشیع نے دربارہ صحابہ کرام و خلفاء ثلاثہ عظام جو کچھ زبان درازی و دہن کشائی کی ہے اور انصاف کی آنکھوں کو بغض و حسد کی میل سے کور کر کے جو کچھ ناشائستہ گفتگو و قلم فرسائی کے کار بند ہوئے ہیں اس کے ترکی بہ ترکی جواب میں زبان و قلم کو آلودہ کرنا اول تو تضحیح اوقات، دوم اس کے مختصر بیان کے لئے بھی ایک دفتر طولانی چاہئے، جس کا یہ فتویٰ محل نہیں۔ اس لئے اس کے جواب سے اعراض و اغماض کر کے اصلی جواب کی طرف عنان توجہ پھیری جاتی ہے مگر قبل از تحریر جواب خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا اثبات بقاعدہ مسلمہ اہل تشیع اجمالی طور پر کرنا مناسب وقت معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ جواب سوال سائل میں وضاحت ہو جائے اور ثبوت مدعا کی بلا دقت الزامی دلیل بن جائے۔

واضح ہو کہ امامت مثل نبوت کے اصول دین میں سے ہے جن اوصاف خاصہ اور خواص مہمہ کے ساتھ نبوت مخصوص و متصف ہے انہی اوصاف و خواص کے ساتھ امامت بھی متصف ہے حتیٰ کہ جیسے نبی معصوم ہے ویسے ہی امام بھی معصوم ہے۔ صرف فرق اسم نبوت اور نزول وحی میں ہے۔ والا نبی اور امام یکمجمع اوصاف متحد ہیں اہالیان تشیع کا اس کے ساتھ بالکل اتفاق ہے۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شیعہ شوستری مجالس المؤمنین و دیگر علماء اہل تشیع اپنی تصنیفات بحث امامت و خلافت میں اس کے بالاتفاق مقرر ہیں۔ پس باتفاق اہالیان تشیع یہ امر ثابت و محقق ہے کہ جس طرح منصب ہدایت امت، نبی کے ساتھ منوط ہے اسی طرح امام کے ساتھ بھی مربوط ہے اور جیسے حفظ شریعت نبی پر موقوف ہے ویسے ہی امام و خلیفہ پر بھی منحصر ہے۔ اور جیسے نبی کے ساتھ معارضہ و تحدی میں کوئی شخص غالب نہیں آ سکتا ہے ویسے ہی امام و خلیفہ کے ساتھ بھی معارضہ و تحدی کر کے کوئی شخص چیرہ دستی نہیں حاصل کر سکتا ہے۔ اور جیسے مرتبہ نبوت من جانب اللہ ہے ویسے ہی عہدہ امامت و خلافت بھی من جانب اللہ ہے۔ پس جب اتحاد و اشتراک فی جمیع الاوصاف بین النبی والا امام (نبی اور امام کے درمیان تمام اوصاف و صفات میں اتحاد و اشتراک) حسب مذہب اہل تشیع (شیعوں کے مذہب کے مطابق) ثابت ہوا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ منجملہ اوصاف نبی کے، ایک یہ بھی وصف ہے کہ انبیاء کے ساتھ عادت اللہ

جاری ہے کہ نبی کے مقابلہ میں متنبی یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا اپنے دعویٰ نبوت میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت آدم سے لے کر آج تک کوئی ایسی نظیر نہیں ملے گی کہ کسی شخص نے بمقابلہ کسی نبی کے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو اور وہ اپنے دعویٰ کا ذبہ میں کامیاب ہوا ہو۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عسی وغیرہ کے قصص و حکایات تو تاریخ کے واقفین پر مخفی نہیں ہیں۔ چونکہ امامت و خلافت بھی جمیع اوصاف مہمہ میں نبوت کے ساتھ متحد اور کل مقاصد میں اس کی مشارک ہے تو امامت بھی لامحالہ اس صفت کے ساتھ متصف ہوگی اور امام کے ساتھ بھی یہی عادت اللہ جاری ہوگی کہ اگر کوئی شخص نیابت رسول اور امامت و خلافت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو وہ اپنے دعویٰ امامت میں کسی طرح کامیاب نہ ہوگا کیونکہ عادت اللہ اور انصاف خداوندی سے بالکل مستبعد و بعید ہے کہ مدعی کاذب کو بمقابلہ امام صادق کامیاب کرے۔ پس حسب قاعدہ مسلمہ اہل تشیع بداہتہ یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ امام صادق و خلیفہ برحق بلا فصل یعنی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں کذباً و عداوتاً مدعی خلافت ہوئے، وہ مخذول ہوں، اُن کی خلافت ہرگز مسلم نہ رہے۔ ورنہ علاوہ نقائص واردہ کے نبوت اور امامت میں مساوات باقی نہ رہے گی اور حق و باطل میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے ذات خداوند پر العیاذ باللہ بہت بڑا دھبہ حسب زعم اہل تشیع آئے گا۔ حالانکہ واقعات پر نظر ڈالنے سے معاملہ بالعکس معلوم ہوتا ہے اور قضیہ منقلبہ نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعد وفات حضرت سرور کائنات علیہ علی آلہ افضل التحیات بموجودگی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ مدعی خلافت ہوئے اور امامت کا دعویٰ کیا۔ پس یہ دو حال سے خالی نہیں کہ یا یہ حضرات ثلاثہ اپنے دعویٰ امامت میں کاذب تھے یا صادق اگر کاذب تھے تو واجب تھا کہ وہ اپنے دعویٰ امامت میں کامیاب نہ ہوتے اور خلق خدا کے روبرو جھل و شرمندہ ہوتے۔ مگر ہم روز روشن کی طرح دیکھتے ہیں کہ وہ حضرات ثلاثہ اپنے دعویٰ امامت میں ایسے کامیاب ہوئے اور اسلام کی وہ نمایاں ترقی دکھائی کہ انہوں نے دعویٰ امامت کو مدلل و مبرہن کر دیا کسی کو ان کی امامت و خلافت کی حقیقت میں بجز اہل تشیع کے شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ خود حضرت امیر المومنینؓ اور کل اہل بیت نے ان کی امامت و خلافت کو کما حقہ تسلیم کیا۔ جس کا ثبوت اپنے محل و موقع پر علمائے اسلام نے پورا پورا کیا ہے۔ غرضیکہ جو اصلی غرض ارسال رسل و نصب خلفاء سے تھی کہ دین اسلام کو شیوع و رواج ہو، وہ بخوبی خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات ثلاثہ کو ان مہمات کے پورا کرنے کی کما حقہ تمکین عطا فرمائی اگر بقول اہل

تشیع یہ حضرات اپنے دعویٰ خلافت و امامت میں کاذب ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ یہ حضرات بمقابلہ خلیفہ و امام برحق اپنے دعویٰ میں کامیاب ہوتے اور حق تعالیٰ جل شانہ ان کو مقاصد خلافت کے حصول پر قدرت و تمکین دیتا۔ پس جبکہ وہ حضرات ثلاثہ اپنے دعویٰ امامت و خلافت میں مخدول نہ ہوئے اور عنایت الہی مہمات خلافت کے سرانجام میں پوری پوری شامل حال رہی تو اس سے مثل آفتاب نیم روز ظاہر و باہر ہو گیا کہ حضرات خلفاء ثلاثہ اس دعویٰ خلافت میں ایسے صادق تھے کہ اس سے زیادہ کسی کو صدق حاصل نہیں ہوا و ہذا ہوا المقصود۔

جب خلافت ثلاثہ کا ثبوت بقاعدہ اہل تشیع کما حقہ ہو گیا تو اب ہم اہالیان تشیع سے دریافت کرتے ہیں کہ منکر نبی تو فریقین کے نزدیک یعنی سنی و شیعہ دونوں کے نزدیک کافر و اکفر ہے۔ پس منکر امام جس کی امامت آپ کے مسلمہ قواعد کی رو سے ثابت کی گئی ہو۔ اس کی نسبت آپ کیا لفظ استعمال کریں گے ضرور اپنے مذہب کا پاس و لحاظ کر کے کہنا پڑے گا کہ منکر امام کافر ہے۔ ورنہ مساوات بین النبی والامام باقی نہ رہے گی اور مساوات کا رکھنا تو ضروری ہے بناء علیہ منکر امام پر کفر بھی لازمی۔ یہ تقریر محض بغرض جواب الزامی جز و تحریر میں لائی گئی ہے گو فی الجملہ اصل جواب میں وضاحت آجائے گی۔

آدم بر سر مدعا:- واضح ہو کہ جو فرقہ شیعہ کہ منکر ضروریات دین ہو یعنی مثلاً حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتا ہو یا نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ و شراکت نبوت آنجناب کا قائل ہو یا ان کو افضل من الرسل تصور کرتا ہو یا حضرت عائشہ صدیقہ کی شان مبارک میں قذف کرتا ہو یا سب و شتم و قتل شیخین یعنی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق و خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کو حلال جانتا ہو وہ فرقہ شیعہ بلا شک و شبہ کافر و مرتد ہے۔ اور جو گروہ حسد او عداوتاً بخیاں جاہلانہ صحابہ کرام خصوصاً خلیفہ اول و ثانی کی شان مبارک میں گستاخی کرتا ہے یعنی طعن و طنز سب و شتم روا رکھتا ہے لیکن اس کو حلال نہیں جانتا ہے وہ گروہ اہل تشیع ہمارے محققین فقہاء کرام و مدققین علماء عظام کے نزدیک کافر تو نہیں ہے لیکن افسق الفسقہ و انجر الفجرہ ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالشکور سالمی نے تمہید میں تحریر فرمایا ہے کلام الروافض مختلفہ فبعضہ یكون کفرا و بعضہ لا فلو قال ان علیا کان الہا نزل من السماء کفر۔ وقال بعضہم بانہ شریک لمحمد ﷺ فی النبوة۔ وقال بعضہم النبوة کانت لعلی وجبریل اخطا و منهم من قال ان علیا کان افضل من الرسول فهذا کلمة الکفر۔ واما الذی یكون بدعة ولا یكون کفرا فهو قولہم ان علیا

كان افضل من الشيخين. ومنهم من قال انه يجب اللعن على من خالف علياً كعائشة
ومعاوية وهذا كله ما يشبهه بدعة وليس بكفر (روافض کا کلام مختلف ہے اس کا بعض کفر ہے اور بعض
نہیں۔ پس اگر کہا کہ حضرت علیؑ معبود تھے اور آسمان سے نازل ہوئے تو وہ کافر ہوگا اور شیعوں میں سے کچھ نے
یہ کہا کہ سیدنا علیؑ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبوت میں شریک ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا کہ نبوت علیؑ کیلئے تھی
اور جبریلؑ سے خطا ہوئی (اور حضرت محمدؐ کے پاس چلے گئے) اور بعض نے کہا سیدنا علیؑ رضی اللہ عنہ سے
افضل ہیں تو یہ بات کفر ہے۔ لیکن ان کے وہ اقوال جو بدعت ہیں کفر نہیں بنتے وہ یہ ہیں کہ سیدنا علیؑ حضرات
شیخین سے افضل بتائے اور ان میں سے کچھ کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علیؑ کی مخالفت کی جیسے حضرت سیدہ
عائشہ صدیقہؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ تو ان پر لعنت بھیجنا واجب ہے یہ تمام وہ اقوال ہیں جو بدعت کے مشابہ
ہوتے ہیں کفر نہیں) اور ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں تحریر فرمایا ہے فلو فرض انه يسب الشيخين لا
يخرج عن الايمان نعم لو استحل السب او القتل فهو كافر لا محالة فالفسق والعصيان لا
يزيل الايمان (اگر بالفرض اس نے شیخین کو گالی دی ہے تو ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ ہاں اگر گالی دینے یا
قتل کرنے کو حلال سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ کافر ہے پس فسق اور نافرمانی ایمان کو زائل نہیں کرتے) الحاصل صحابہ
کرامؓ وائمہ عظامؓ کا سب و شتم کنندہ گروہ شیعہ فاسق و فاجر ہے تا وقتیکہ وہ گروہ اپنے اس گناہ کبیرہ سے توبہ نہ
کرے اور اپنے فعل شنیع سے باز نہ آئے۔ اس کے ساتھ اسلامی برتاؤ اور شادی و غمی کی شرکت اور باہمی اکل و
شراب شرعاً ناجائز و منع ہے اور کیونکر یہ گروہ فاسق و فاجر نہ ہو اور اسلامی برتاؤ اس کے ساتھ متروک نہ ہوں اس
گروہ نے اُن حضرات کی شان مبارک میں گستاخیاں کی ہیں جن کی شان مبارک میں آیہ کریمہ الذین امنوا
وهاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ہم
الفائزون یشرہم ربہم برحمة منه ورضوان و جنت لہم فیہا نعیم مقیم خالدین فیہا ابدان
(جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے جان و مال سے بہت بڑا درجہ ہے) ان
کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ خوشخبری دیتا ہے ان کو ان کا رب اپنی
رحمت اور خوشنودی کی اور ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن میں دائمی نعمت ہوگی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں
گے) نازل ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں سینکڑوں آیات قرآنی ان حضرات کی رفعت شانی و کمال ایمانی پر دلالت

کرتی ہیں جس میں کسی طرح کی چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ گروہ شیعہ نے ان کی مغفرت عظیمہ کو لعنت فاحشہ سے اور ایمان کامل کو کفر شدید سے اور ثواب عظیم کو عذاب الیم سے بدل دیا سبحانک ہذا بہتان عظیم پس کیا جو گروہ انبیاء کی کسر شان میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے اور ائمہ کرام کو خائن اور تارک واجب بنائے۔ اصحاب مقبولین کو العیاذ باللہ مرتد اور مبغوض من اللہ و جہنمی قرار دے، اہل بیت و عترت طاہرہ کی دوستی کے پردہ میں ان حضرات کرام کی اہانت و تذلیل کے ایسے ایسے مضامین تراشے کہ مخالفین اسلام کو بھی بحر خجالت و شرمندگی میں ڈال دیں۔ اس گروہ کے فسق و فجور میں بھی کوئی شک و شبہ ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ ان کی صحبت سے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ بچائے اور ایسے عقائد باطلہ سے محفوظ رکھے اور اپنی اور اپنے حبیب پاک ﷺ اور اہل بیت عظام و صحابہ کرام کی پوری پوری محبت عطا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

حررہ:-

محمد عبدالرحمن بکرم حضرت قبلہ عالم مخدومنا مولانا جناب پیر مہر علی شاہ صاحب رطلقلم خود

توسل کے متعلق حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہم مسجد در خطبہ عید الفطر بایں کلمات نصیحت عوام الناس کو کرتا ہے کہ اے لوگو! اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور شرک بُری چیز ہے۔ بہت سی اقوام سابقہ شرک سے گمراہ و درجہ ہلاکت کو پہنچی ہیں چنانچہ عیسیٰ وغیرہ کو ابن اللہ سے پکارا ہے اور بہت نے بت پرستی کی ہے اور درمیان امت مرحومہ محمد یہ شرک اس قسم کا ہے کہ عام لوگ جاہل خصوصاً عورتیں مزاروں پر جا کر کہتی اور سجدہ کرتی ہیں کہ اے پیر مجھے فرزند وغیرہ اور روزی عطا کر، یہ کہنا شرک ہے بلکہ موافق الہی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ طلب کرنا مسنون و درست ہے یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ یہ محبوب مقبول تیرے ہیں ان

کے طفیل میری مشکل حل فرماتا تو ایک شخص نے زور سے پکارا کہ کہنا یا پیر مجھے فرزند، روزی وغیرہ عطا کر شرک نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔ تم لوگوں کو بے ایمان و گمراہ کرتے ہو۔ پس اس صورت میں کون شخص حق پر ہے یعنی ناصح یا معترض صاحب۔ علاوہ بریں اگر کوئی شخص کہے کہ یا رسول اللہ ﷺ یا پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی مجھ کو فرزند وغیرہ عطا کر۔ تو یہ کہنا از روئے شریعت شریف جائز و درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا بالذلال

الجواب هو الصواب

ناصر از روئے ظاہر شریعت حق پر ہے اور معترض ناصح پر۔ ہاں حضرات صاحب صفائی جن کے نزدیک قرب و بعد یکساں ہے، وہ مستثنیٰ ہیں مگر عوام الناس اس مرتبہ کے نہیں ہوتے ان کو بجز تو سل چارہ نہیں ہے یعنی یوں کہیں کہ اے اللہ! بطفیل فلاں نبی و ولی میرا کام پورا فرما۔ مسئلہ یا رسول اللہ ﷺ یا پیران پیر تفصیل طلب ہے۔ جس کو میں تحریر میں لانا مناسب خیال نہیں کرتا ہوں۔

حررہ: محمد عبدالرحمن بحکم حضرت قبلہ عالم سید پیر مہر علی شاہ صاحب "بقلم خود"

اسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے ایک خط

(نقل خط حافظ اللہ بخش صاحب امام مسجد کلاں شاہی شیر گڑھ ضلع منٹگری)

حضرت یہ نقل جواب حضور ہے۔ جس کے دیکھنے سے خوشی کمال ہوئی کہ جواب باصواب ہے۔ مگر التماس ہے کہ یا حضرت سائل کا سوال بحث ندا و منادی سے تو نہیں تھا جو جناب نے صاحب صفائی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ سائل کا سوال محض دریافت کرنا صفات مخصوصہ بذات وحدہ لا شریک خاص ہیں۔ کہ آیا ان میں مخلوق بھی شامل ہے یا نہیں۔ یعنی یا پیر مراد فرزند و روزی وغیرہ عطا کن۔ کیا روزی و فرزند مخلوق دے سکتی یا نہیں۔ کیا اولیاء اللہ اور کیا انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت سید الکونین ﷺ۔ جناب نے بذریعہ مستثنیٰ و قلم بند در جواب رسول اللہ ﷺ و حضرت پیران پیر ہم لوگوں کو کمال شک میں ڈال دیا ہے۔ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ حضرات امر کر سکتے ہیں۔ لہذا کسی اہل علم کے پیش نظر نہیں کیا گیا کہ شاید جواب پر اعتراض کو گنجائش ملے پس برائے مہربانی مفصل جواب باصواب روانہ فرمائیں۔ وہ ہی جواب علمائے دین کو پیش کیا جائے گا اگر کوئی معترض ہو تو میرا ذمہ نہ ہوگا۔

الراقم خاکسار اللہ بخش سہارنپوری امام مسجد کلاں شاہی شیر گڑھ

جواب خط

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ منشاء سوال صرف دو ہی استبعاد ہیں۔

نمبر ۱۔ خطاب الی المیت خصوصاً جو ہزار ہا فراخ کے فاصلہ پر مدفون ہے۔

نمبر ۲۔ اشراک المخلوق فی صفات الخالق یعنی مخلوق کا خالق کی صفات میں شریک ہونا۔ دونوں

استبعادوں کا دفعیہ جواب مسطورہ بالا سے ہو سکتا ہے۔ استبعاد اول کے بارہ میں عوام کے لئے جو اہلیت کلام باہل برزخ نہیں رکھتے وہ صورت لکھی گئی کہ یا اللہ بحرمت فلاں بزرگ میرا کام کر۔ دوسرے استبعاد کا دفعیہ اس طرح پر ہو گیا کہ جو لوگ ہمت تکلم بہ ارواح طیبہ رکھتے ہیں ان کا سوال دونوں عبارتوں میں ایک معنی رکھتا ہے۔ کما شہد بہ جیسا کہ لاہب لک غلاماز کیا (تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں) اسکی شہادت دے رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عوام کو بلفظ مخصوص مذکور بالا کہنا چاہئے اور خواص سے اگر انتساب فعل الی السبب سرزد ہو جیسا کہ قول جبریل مذکورہ بالا میں تو وہ اسناد بوجہ مجاز ہونے کے جائز سمجھا جائے گا۔ غور سے ملاحظہ فرمائیں اور اس تحریر کو آخری تحریر سمجھیں۔

والسلام۔ محمد عبدالرحمن از گولڑہ بقلم خود مورخہ ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۲۷ھ

قسم اٹھانے والے کے ساتھ برتاؤ کا حکم

استفتاء

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين

اما بعد۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و ہادی راہ شرع متین اس بارہ میں کہ اگر ایک آدمی مجلس اہل اسلام

میں قرآن شریف سر پر رکھ کر قسم اٹھا دیوے کہ نہ میرا طریقہ و مذہب مرزائی ہے اور نہ میں آئندہ رکھوں گا اور یہی مطلب قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے ہاتھ سے لکھ دیوے تو قسم قرآنی اور اللہ تعالیٰ کی قسم پر یقین کیا جاوے یا نہ اور جو یقین نہ کرے۔ اس کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے اور کیا عند الشرع شریف

اس شخص کے ساتھ (جس نے قسم کھائی ہے) اور اس کے لواحقین کے ساتھ برتاؤ کرنا، نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز اور جو آدمی ایسے شخص اور اس کے لواحقین کے ساتھ برتاؤ کرے اور نماز وغیرہ سے پرہیز کرے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ بینو ابالجواب تو جروا بالصواب۔

نامک غلام حسین پلٹن نمبر ۲۲ کمپنی نمبر ۸ چھاؤنی جہلم

الجواب ہوا الصواب

اگر قسم کھانے والا شخص سچ بولنے والا ہے، جھوٹ کی اس میں عادت نہیں تو اس کی قسم کا اعتبار کرنا چاہیے اس کی نسبت پرانی بدگمانی چھوڑ دینی چاہیے آئندہ اس کے حالات و عادات ملاحظہ کرنے چاہئیں۔ اگر وہ اپنی قسم پر قائم نہ رہے تو اس کے ساتھ اسلامی برتاؤ ترک کرنا چاہیے، ورنہ بعد قسم کھانے اور توبہ کرنے کا اعتبار نہ کرنے سے انسان گنہگار ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا (اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کی عیب جوئی بھی مت کرو) اور اگر قسم کھانے والا شخص کذاب اور جھوٹ بولنے کا عادی ہے تو اس کی قسم پر ابتداً بلا چال چلن دیکھنے کے اعتبار نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں چنانچہ آیت کریمہ ولا تطع کل حلاف مہین ہماز مشاء بنمیم (۲) اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانے جو بہت زیادہ قسمیں کھانے والا، انتہائی ذلیل ہو، جو طعنہ زن، عیب جو اور چغل خوری کر نیوالا ہے) اس پر دال ہے۔ واللہ اعلم

حررہ: محمد عبدالرحمن بکرم حضرت قبلہ عالم جناب پیر مہر علی شاہ صاحب "بقلم خود"

عورت کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت فوت ہوگئی ہے اس کی تجہیز و تکفین و جملہ خرچ و اخراجات کفن و دفن کس کے ذمہ ہیں خاوند کے ذمہ یا کسی اور خویش و اقارب و اجنبی کے ذمہ؟ بینو اتوجروا

الجواب ہوا الصواب

جو عورت فوت ہوئی ہے۔ اگر اس کا اپنا ذاتی مال ہے تو اس کی تجہیز و تکفین و جملہ اخراجات متعلقہ کفن و دفن اس کے مال سے کیا جائے گا۔ بالا جماع کذا فی الفتاویٰ الخیر یہ واما اذا کان لہا مال فکفنها فی ما لہا بالا جماع ولا یجب علی الزوج (جب اس کا اپنا مال ہو تو اس کا کفن اس کے اپنے مال سے لیا جائے گا اور شوہر پر واجب نہ ہوگا) اور اگر اس عورت کا کوئی مال نہیں ہے تو اس کے کفن و دفن و جملہ اخراجات کی ذمہ داری اس کے خاوند پر واجب ہوگی۔ کیونکہ اگر زوج پر واجب نہ ہو تو لازم آئے گا کہ کسی اور خویش یا اجنبی کے ذمہ ہو اس واسطے کہ بیت المال اس ملک میں نہیں ہے۔ پس کسی خویش یا غیر خویش کے اوپر ذمہ داری کرنے سے اولیٰ و انسب یہ ہے کہ اس کے خاوند ہی کے ذمہ رہے جیسا کہ زندگی کی حالت میں نان و نفقہ اسی کے ذمہ واجب تھا۔ چنانچہ تجنیس میں مرقوم ہے وعند ابی یوسف یجب الکفن علیہ وعلیہ الفتویٰ لانه لو لم یجب علیہ لوجب علی الاجانب وهو کان اولیٰ بایجاب الکسوة علیہ حال حیاتیہا فیرجع علی سائر الاجانب۔ وفي مختار النوازل کفن المرأة وتجهیزها علی زوجها هو المختار لانه لم یکن علیہ لوجب علیہا وهو اولیٰ بالوجوب۔ وبہ علم ان ماعدا الکفن من حنوط واجرة غسل و حمل و دفن وغیر ذالک من اجرة حفر قبر و سد علی الوجه المسنون فکله علی الزوج علی قول ابی یوسف لانه ملحق بالتجهیز لکونه لا یفعل حسبہ واللہ اعلم وعلمہ اتم (اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا کفن شوہر پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ اگر خاوند کے ذمہ نہ ہو تو اجنبیوں پر واجب ہوگا اور شوہر ہی زیادہ حقدار تھا اس کی زندگی میں نان و نفقہ کے اپنے اوپر واجب ہونے کا۔ پس باقی تمام اجانب پر یہی خاوند ترجیح پا جائے گا اور مختار النوازل میں ہے کہ زوجہ کا کفن اور اس کی تجہیز اس کے شوہر کے ذمہ ہے یہی مختار ہے اس لیے کہ اگر شوہر کے ذمہ نہ ہو تو خود زوجہ کے ذمہ ہوگا۔ حالانکہ وجوب کا زیادہ حقدار شوہر ہی ہے اسی سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں کفن کے علاوہ (بوقت تجہیز میت) ہوتی ہیں۔ مثلاً حنوط، نہلانے، اور اٹھانے اور دفنانے کی اجرت اور اس کے علاوہ مسنون طریقہ پر قبر کھودنے اور بند کرنے کی اجرت یہ تمام خاوند کے ذمہ ہے ابو یوسف کے قول کے مطابق اس لیے کہ یہ سب تجہیز کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ یہ کام حسبہ نہیں کئے جاتے)

حررہ: عبد الرحمن بحکم حضرت صاحب قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب "بقلم خود"

فعل مخلوف علیہ کے کرنے سے منکوحہ پر طلاق کا واقع ہونا

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام کروں یا فلاں جگہ اپنی دختر کا ناطہ دوں یا فرزند کا ناطہ کروں تو میری منکوحہ کو تین طلاق ہے۔ پس اگر وہ شخص اپنی قسم سے نادم ہو کر وہ امور مخلوف علیہ کرے تو اس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور اس سے بچنے یعنی تین طلاق فعل مخلوف علیہ کے کرنے سے نہ واقع ہونے کی بھی شرع شریف میں کوئی صورت ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

اگر اس کی منکوحہ اس کے ملک نکاح میں ہے اور ان امور کو کرے گا جن پر طلاق ثلاثہ معلق کی ہے تو بلا شک و شبہ اس کی منکوحہ مطلقہ بطلاق ثلاثہ ہو جائے گی اور بدون حلالہ اس کے نکاح میں نہ آسکے گی لقولہ تعالیٰ فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ (پس وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی اس کے بعد جب تک کہ وہ عورت کسی اور سے شادی نہ کرے) پس اس سے بچنے یعنی طلاق ثلاثہ نہ واقع ہونے اور حلالہ سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص اول اپنی منکوحہ موجودہ کو ایک طلاق بائن دے۔ جب ایام عدت گزر جائیں تو وہ شخص وہ کام کرے جس پر طلاق معلق کی تھی۔ اس وقت اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور طلاق بھی نہ واقع ہوگی کیونکہ اس کی منکوحہ اس کے نکاح میں نہیں رہی ہے طلاق کس پر واقع ہو چنانچہ درمختار میں ہے وتنعحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملک طلقت وعق والا لا فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتحل الیمین فینکحها (قسم ٹوٹ جاتی ہے شرط کے مطلقاً پائے جانے کے بعد لیکن اگر ملک میں پائی گئی تو زوجہ طلاق والی ہو جائے گی اور غلام تھا تو آزاد ہو جائے گا ورنہ نہیں جس نے تین طلاقوں کو دخول دار سے معلق کر دیا تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ زوجہ کو ایک طلاق دے دے پھر عدت کے بعد عورت دار میں داخل ہو جائے تو قسم کھل جائے گی پھر اس سے نکاح کر لے) واللہ اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب حرره: محمد عبدالرحمن بن حکم حضرت قبلہ عالم و جہاں پناہ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب "بقلم خود۔

مسئلہ طلاق

ایک شخص نے اپنی منکوحہ غیر مدخولہ کو سہ طلاق دی اور بعد اس کے کہا کہ اگر میں اس عورت کے ساتھ نکاح کروں۔ تو اس کو عمر طلاق، عمر طلاق، عمر طلاق۔ آیا یہ عورت بعد حلالہ اپنے زوج پر حلال ہو سکتی ہے یا نہ اور معنی لفظ عمر طلاق طلاق دائمی ہے یا واحد یا غیر ذالک معنی لفظ عمر طلاق بہ حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرماویں۔ بینوا تو جروا

الجواب ہوا الصواب

اول جملہ کہ میری منکوحہ غیر مدخولہ کو تین طلاق موجب وقوع طلاق ثلاثہ ہے اگرچہ بلفظ واحد اس نے طلاق دی ہے چنانچہ درمختار میں ہے قال لزوجه غیر المدخول بها انت طالق ثلاثا وقعن (اگر کسی نے اپنی غیر مدخولہ بیوی کیلئے کہا کہ میں نے اسکو تین طلاقیں دیں تو (سب) واقع ہو جائیں گی) اور اگر متفرق طلاق دی ہے تو پہلی ہی طلاق سے منکوحہ غیر مدخولہ بائن ہو جائے گی اور دوسری و تیسری طلاق نہ واقع ہوگی۔ چنانچہ درمختار میں ہے وان فرق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانية (اور اگر ایک ایک طلاق دیتا رہا تو پہلی سے بائن ہو جائے گی اور دوسری واقع نہیں ہوگی) پس اگر اسی قدر الفاظ طلاق ہوتے تو پہلی صورت میں بعد تحلیل اور صورت ثانیہ میں تجدید نکاح کے ساتھ خاوند اول کے نکاح میں آ سکتی تھی۔ مگر جملہ ثانیہ تعلیقیہ مانع حلت ہے یعنی بعد تحلیل صورت اولیٰ میں اور تجدید نکاح صورت ثانیہ میں ہے موجب حلت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے بھی وہ عورت خاوند اول کے لئے حلال نہ ہوگی شرط کے پائے جانے سے پھر دوبارہ اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ یمین بھی باطل ہو جائے گی۔ بعد بطلان یمین پھر اس کے ساتھ اگر نکاح کرے تو درست ہو جائے گا چنانچہ درمختار میں ہے والفاظ الشرط ان واذا واذاما وکل وکلما ونحو ذالک وفيها کلها تنحل اليمين ببطلان التعليق اذا وجد الشرط مرة الا في كلما فانه ينحل بعد الثلاث فلا يقع ان نکحها بعد زوج آخر الا اذا دخلت كلما على الزوج نحو كلما تزوجت فانت كذا لدخولها على سبب الملك وهو غير متناه (الفاظ شرط یہ ہیں۔ ان، اذا، اذاما، کل اور کلما اور ان کے ہم معنی دیگر کلمات۔ ان تمام میں جب شرط ایک مرتبہ

پائی جائے تو بطلان تعلیق کی وجہ سے یمین پوری ہو جاتی ہے۔ سوائے ”کلمہ“ کے کہ اس میں تین کے بعد پوری ہوتی ہے۔ پس اگر اس عورت سے زوج ثانی کے بعد نکاح کیا تو واقع نہیں ہوگی، ہاں مگر جب ”کلمہ“ تزوج پر داخل ہو جیسے (کوئی کہے) کلمہ تزوجت فانت کذا (یعنی جب بھی میں تجھ سے نکاح کروں تو تو ایسی ہے) سبب ملک پر داخل ہونے کی وجہ سے اور وہ غیر متناہی ہے)

الحاصل دوسری مرتبہ طلاق واقع ہونے سے یمین کا بطلان ہو جائے گا اور وہ شخص حائض ہو جائے گا اب اس کے بعد حث کا لزوم متصور نہیں ہے۔ مگر بہ یمین آخر اور وہ فیما نحن فیہ میں موجود نہیں۔ اور ان جس کا ترجمہ اگر ہے مقتضی عموم و تکرار نہیں ہے چنانچہ شامی میں ہے قوله ای تبطل الیمین ای تنتهی وتتم و اذا تمت حث فلا يتصور الحث ثانيا لا یمین اخرى لانها غير مقتضية للعموم والتكرار (اور اس کا قول یعنی یمین باطل ہوتی ہے یعنی انتہاء کو پہنچتی ہے اور تمام ہو جاتی ہے اور جب وہ تمام کو پہنچ گئی تو وہ حائض ہو گیا۔ پھر دوسری یمین کے بغیر حث ثانی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ (لفظ ان) عموم اور تکرار کا مقتضی نہیں) پس جب ان مدخولہ علی سبب الملك مقتضی عموم و تکرار کو نہیں ہے تو اس میں قید عمر طلاق جو مفروضی ہے محض بے کار ہے۔ جیسے لفظ ابد کا کوئی ثمرہ اس کے ساتھ مرتب نہیں ہوتا ہے چنانچہ شامی میں ہے وان المقرونة بلفظ ابد اکتی فاذا قال ان تزوجت فلانة ابد اھی کذا فتزوجها فطلقت ثم تزوجها ثانيا لا تطلق لان التابيد انما ينفي التوقيت فيتأ بد عدم الزوج ولا يتكرر (اور ان) (شرطیہ) جو لفظ ”ابد“ کے ساتھ ملا ہوا ہو وہ متی کی طرح ہے پس جب کسی نے کہا ان تزوجت فلانة ابد اھی کذا یعنی اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو وہ ایسی ہے پھر اس سے نکاح کیا تو وہ طلاق والی ہو جائے گی پھر اس سے دوسری بار نکاح کر لیا تو اب طلاق نہیں پڑے گی اس لئے کہ تابید تو فقط توقيت کی نفی کرتی ہے پس عدم تزوج ہمیشہ رہے گا اور متکرر نہیں ہوگا) واللہ اعلم و علمہ اتم

حررہ:-

محمد عبدالرحمن بکرم

حضرت قبلہ عالم مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب بقلم خود

مسئلہ رضاعت

استفتاء

رہبر دین متین، مرشد برحق، دستگیر بیکساں، فریادرس خواص و عوام
جناب حضرت صاحب جی دام فیوضکم۔ بعد از دست بستہ نیاز دراز و قدم بوسی التماس خدمت عالیہ
یہ کہ مسئلہ ذیل کے واسطے حضور انور کیا فرماتے ہیں نیز اس احقر العباد کے واسطے دعا خیر فرماویں کہ خداوند کریم
شر شیطان سے پناہ دیوے۔

مسئلہ

ایک عورت مسماۃ زینب کی دو لڑکیاں پھاگن وستون دونوں منکوحہ ہیں۔ پھاگن کی لڑکی پیدا ہوئی
اور پھاگن دس یوم بعد مر گئی۔ پھاگن کی لڑکی مسماۃ نورانی کو زینب اس کی نانی پرورش کے واسطے لے گئی جو
ضعیف العمر ہے۔ اس نے یعنی زینب نے لڑکی کو اپنا تھن دیا۔ اب زینب سے دریافت کیا گیا تو وہ کہتی ہے کہ
میں نے ایک ہی روز تھن دیا مگر نہ دودھ آیا نہ پانی نکلا۔ زینب کا لڑکا جو اس لڑکی کا ماموں ہے کہتا ہے کہ چند ماہ
میری والدہ تھن لڑکی کو دیتی رہی ہے اور اوپر سے دودھ کیا ہی سے ڈالتی رہی ہے۔ لیکن میری والدہ کو دودھ
نہیں اُترا اور نہ پانی آیا۔ ارد گرد کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ تھن تو ضرور دیتی رہی ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ دودھ
اُترایا نہ آیا پھاگن کی لڑکی جس کو زینب نے تھن دیا ستون کا لڑکا نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ زینب تھن کا دینا
ایک روز مانتی ہے اور اس کا لڑکا اور دیگر مردمان چند ماہ کہتے ہیں۔ حضور انور اپنے دست مبارک سے فتویٰ تحریر
فرماویں اور نیز اسی کاغذ پر کہ آیا پھاگن کی لڑکی کو ستون کا لڑکا نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں اور شرعاً جائز ہے؟
۱۵/مارچ۔ احقر العباد اللہ بخش مدرس سیتا پور ڈاکخانہ سیتا پور مدرسہ مہدی آباد ضلع جھنگ

الجواب ہوا لصواب

اگر زینب دروغ گو نہیں ہے تو اس کا قول قابل اعتبار ہوگا اس واسطے کہ محض بچہ کے منہ میں پستان دینے
سے رضاعت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ اس کا دودھ بچہ کے منہ میں نہ جائے چنانچہ الاشباہ والنظائر میں مرقوم ہے

لو ادخلت المرأة حلمة ثديها في فم رضيعه ووقع الشك في وصول اللبن الى جوفها لم تحرم لان في المانع شكا كما في الولو الجية (اگر عورت نے اپنا پستان دودھ پیتے بچے کے منہ میں داخل کر دیا اور بچے کے پیٹ تک دودھ پہنچنے میں شک پڑ گیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ مانع میں شک ہے) پس جب رضاعت کا ثبوت شرعی کما حقہ نہ ہو سکا تو فیما نحن فیہ میں پھاگن کی لڑکی جس کو زینب نے اپنے پستان چوسنے کے لئے دیئے ہیں ستون کے لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے۔ چنانچہ قنیہ میں ہے امرأه كانت تعطى ثديها صبية واشتهر ذالك فيما بينهم ثم تقول لم يكن في ثديها لبن حين القمتها ثديها ولا يعلم ذالك الا من جهتها جازلا بنها ان يتزوج بهذه الصبية ۲ (کسی عورت نے بچی کو اپنا پستان دیدیا اور یہ بات لوگوں میں مشہور ہوگئی۔ پھر کہتی ہے کہ میں نے جب بچی کے منہ میں پستان دیا تھا تو اس وقت اس میں دودھ نہیں تھا اور یہ وہ بات ہے جو اسی عورت سے معلوم ہو سکتی ہے تو اس کے بیٹے کا نکاح اس بچی سے جائز ہے) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

حررہ: محمد عبدالرحمن بحکم حضرت قبلہ عالم مخدومنا پیر مہر علی شاہ صاحب

بیوی کو تین طلاق کے بعد ماں کہنے کے بارے میں حکم

استفتاء

آنجناب فیض مآب، پیر روشن ضمیر، دستگیر افتادگان و دستگاہ ماندگان، قافلہ سالار طریق ہدی، مربی و رہنما، کامل ہادی سلمہ اللہ تعالیٰ

جناب عالی!

بعد از ادائے آداب و تسلیمات کے عرض پرداز ہوں کہ موضع سید پور میں ایک شخص مسلمان مذہب سنی، کریم بخش نامی نے اپنی زوجہ کو ایک دن بولا کہ ہم کو بیماری سردی ہے اور ہم کو حلوہ بنادو اور زوجہ سے ایک روپیہ مانگا، زوجہ نے غصہ کے ساتھ ایک روپیہ دے دیا اور کریم بخش بازار چلا گیا۔ وہ روغن زرد، سو جی اور کھانڈ خرید کر گھر میں لے گیا آگے جا کر گھر میں دیکھا کہ زوجہ نے غلہ مکئی کا روٹی پکانا شروع کیا ہوا ہے۔ کریم بخش

۱۔ شرح الاشبہ والنظائر، ص ۸۴ مع شرح حموی ۲۔ قنیہ مسئلہ رضاع رد المحتار شامی، ص ۴۳۹، ج ۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکاری روڈ کوئٹہ

نے جا کر تو اور وٹی چولھے سے اتار کر پھینک دی اور زوجہ ہٹ کر چار پائی پر بیٹھ گئی اور زوجہ کو کہنے لگا کہ ہم نے حلوہ سب قبیلہ کی خوشی کے واسطے بنانا کیا تھا کہ ہم سب قبیلہ کھاویں گے اور تم نے یہ مکی کاروٹی کیوں پکانا شروع کیا اور زوجہ نہیں بولی۔ پھر کریم بخش نے آپ برتن حلوہ بنانے کا چولھے پر رکھا پہلے برتن میں گھی ڈالا۔ پھر سو جی ڈال کر آٹا بھوننا شروع کیا پھر زوجہ بولی شربت کا برانام لے کر کہا وہ پہلے کیوں نہیں پکایا۔ کریم بخش نے اٹھ کر پیٹا اور زوجہ کو کہا کہ اگر تمہاری مرضی رہنے کی نہیں ہے تو بتلا دے۔ ہم کو روز روز کیوں تنگ کرتی ہے۔ زوجہ بولی کہ ہاں ہماری یہی مرضی ہے۔ پھر بولا کہ اچھا تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی رہنے دو۔ پھر گھر سے باہر نکل آیا اور اس کے گھر کے ارد گرد ہندو بستے تھے۔ تین چار ہندوؤں کو بلایا اور گھر کے اندر لے گیا اور جا کر زوجہ کو بولا کہ شرف نور تم ہم سے ایک طلاق، دوسری طلاق، تیسری طلاق۔ تم ہماری ماں، تم ہماری ماں، تم ہماری ماں۔ یہ بات کہہ کر اندر سے باہر نکل آیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اندر گیا اور مسماۃ شرف نور اندر ہی تھی اور اس کو کہنے لگا کہ اب تک تو ہمارے گھر میں کیوں بیٹھی ہے۔ ہم نے تم کو طلاق جو دے دی ہے اور ماں بھی کہہ دیا ہے۔ پھر شرف نور اٹھ کر گھر سے نکل کر ایک اور شخص کے گھر میں چلی گئی۔ سب لوگوں نے سنا کہ کریم بخش نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ سب لوگ اس پر برا کہنے لگے کہ یہ تم نے کیا کیا۔ تم اپنے بال بچہ کو کس طرح پالو گے پھر لوگوں نے اُس کو کہا کہ تو جا کر کسی عالم سے پوچھو۔ کہ تمہارا طلاق شاید باعث غصہ کے نہ ہوا ہو۔ پھر وہ اپنے عالم کے پاس چلا گیا اور عالم کے پاس یہ سب بات بیان کی جو کہ ہم نے تحریر کی ہے۔ عالم نے اس کو کہا کہ تم نے بہت برا کیا ہے اگر تم نے طلاق دی تھی تو پھر ماں نہ کہتا۔ یہ ماں کا کلمہ تم نے کفر کا کہا ہے۔ اب تمہارے واسطے یہ حکم ہے کہ حلالہ نکال کر پھر تمہارا نکاح باندھا جاوے گا۔ تمہارے پر بیوی طلاق ہو گئی ہے۔ یہ عالم اپنے نے اس کو حکم دیا جو کہ ان کی مسجد میں رہتا تھا اور مولوی مولا بخش نام ہے۔ پھر کریم بخش چلا آیا دوسرے روز پھر گیا اور جا کر مولوی مولا بخش کو کہنے لگا کہ ہم سے مبلغ پانچ روپیہ لے لو اور حلالہ کا حکم نہ دو اس سے ہمارا ہتک ہوتا ہے اور کوئی ہمارے پر جزیہ لگا دو جس کے سبب سے حلالہ نہ نکالا جاوے اور عالم نے اس کو کہا کہ ہم رشوت لے کر یہ بات نہیں چھپا سکتا ہے یا کوئی ایسا حکم شریعت کے باہر نہیں دے سکتا ہے۔ جس سے ہم شریعت کے مخالف ہوں، یہ بات شریعت کی ہے۔ اس سے ہم دین اور دنیا میں جھوٹا پایا جاتا ہے۔ تمہارا نکاح ماسوا حلالہ نکالنے کے درست نہیں ہے۔ جب عالم نے اس کو یہ حکم دیا اور وہ چلا آیا اور ایک اور عالم گاؤں میں تھا جس کا

نام مولوی عبداللہ تھا۔ کریم بخش اس کے پاس چلا گیا۔ پھر اس عالم کے پاس بھی بیان کیا کہ ہم سے یہ بات ہوئی ہے اور مولوی مولا بخش حلالہ کا حکم دیتا ہے۔ اب میں آپ کے پاس اس واسطے آیا ہوں کہ آپ ہمارے سے پانچ روپیہ لے لیوں اور ایسا حکم دے دیں جس سے حلالہ نہ نکالا جاوے اور ہمارا نکاح ہو جاوے مولوی عبداللہ نے اس کو کہا کہ اچھا۔ ہم اُسی جگہ میں آ کر مولوی مولا بخش اور دو چار بھلا مانسوں کو بلا کر ہم تم سے دریافت کر کے پھر حکم دیں گے۔ دوسرے روز پھر ایک جگہ میں حیدر خان و شیر خان، کمال خان و راجہ علی اکبر خان ذیلدار و مولوی مولا بخش، عبداللہ اور کچھ عام لوگ اکٹھے ہوئے اور کریم بخش و شرف نور کو بلایا اور روبرو سب لوگوں کے قسم دے کر بیان کرایا۔ اور کریم بخش نے یہی بیان کیا جو آگے تحریر کیا ہے اور مولوی عبداللہ نے کہا کہ تمہارا نکاح ٹھیک ہے۔ تمہارے پر کفارہ لازم ہے۔ اور مولوی مولا بخش کو ان چار شخصوں نے کہا کہ آپ کیسا حکم دیتے تھے کہ سوا حلالہ نکالنے کے تمہارا نکاح جائز نہیں ہے اور مولوی عبداللہ کہتا ہے کہ اگر نکاح جائز ہے اور اس شخص پر کفارہ لازم ہے اور مولوی مولا بخش اس بات سے چپ کر رہا کہ مولوی عبداللہ ان کا استاد تھا شائد وہ بسبب لحاظ کے چپ کر رہا ہے۔ پھر لوگوں نے کہا کہ شریعت کا حکم دو۔ جو کہ حکم شریعت کا ہے پھر مولوی عبداللہ نے کہا کہ ہم مسئلہ دیکھ کر حکم دیں گے۔ پھر سب اُٹھ کر چلے گئے اور کریم بخش رات کے وقت مولوی عبداللہ کے گھر میں گیا اور جو پانچ روپیہ دینا کیا تھا وہ دیا اور مولوی عبداللہ نے اُس کو کہا کہ تمہارا نکاح ٹھیک ہے تم نیا نکاح کرو اور ساٹھ مسکین کی روٹی دے دو یہ تمہارے واسطے حکم ہے اور وہ مُڑ کر عورت کو اپنے گھر میں لے آیا پھر دو چار دن کے بعد اُس نے نیا نکاح کرایا اور ساٹھ مسکین کا روٹی بھی دیا نکاح مولوی مولا بخش نے باندھا ہے اور چار پانچ آدمی اور بھی نکاح کرنے میں بیٹھے ہیں۔ اس واسطے عرض گزار ہوں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ہوا الصواب

واضح ہو کہ اس استفتاء طویل کا مختصر جواب یہ ہے کہ کریم بخش کی منکوحہ مسماۃ شرف نور پر طلاق مثلثہ یعنی تین طلاق واقع ہو گئیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے و طلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق و كان عاصيا (طلاق بدعت یہ ہے کہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاق دیدے یا ایک ہی طہر میں تین طلاق دیدے پس جب یہ کر گزرے تو طلاق واقع ہو گئی اور وہ گناہ

گار قرار پایا) پس جب طلاق ثلاثہ کے وقوع کا ثبوت ہو گیا تو شرف نور کریم بخش کے نکاح میں بدوں حلالہ کسی طرح نہیں آسکتی ہے بقولہ تعالیٰ 'فلا تحل لہ الخ' (پس وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں) باقی مولوی عبداللہ صاحب کی رائے کہ کریم بخش کا پہلا نکاح بدستور قائم ہے بالکل خلاف شرع ہے ان کو صورت مسئلہ کا پتہ نہیں لگا۔ مسئلہ وقوع طلاق ثلاثہ کا ہے اور انہوں نے ظہار تصور کر کے کفارہ ظہار ساٹھ مسکینوں کو کھانا دلوا دیا۔ حالانکہ یہ صورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کریم بخش کے پہلے الفاظ کہ شرف نور تم ہم سے ایک طلاق، دوسری طلاق، تیسری طلاق۔ تو اس سے شرف نور پر تین طلاق واقع ہو گئیں۔ اب شرف نور ظہار کی محل نہیں رہی اس واسطے کہ ظہار میں بھی ملک یا اضافت الی الملک کا ہونا ضروری ہے۔ اور شرف نور بعد طلاق ثلاثہ ملک کریم بخش سے بالکل جدا ہو گئی۔ اس کے بعد کریم بخش کا یہ کہنا کہ تم ہماری ماں، تم ہماری ماں، تم ہماری ماں سراسر لغو ہے۔ علاوہ بریں ظہار کی تعریف شرعی تشبیہ المسلم زوجته او جزء شائع منها بمحرم علیہ تابیداً الخ کما فی الدر المختار (مسلمان کا اپنی زوجہ کو یا اس کی کسی جز شائع کو اپنی محرمہ سے تشبیہ دینا ظہار ہے جو اس پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو) اور کریم بخش نے شرف نور کو ماں کہا ہے اور زوجہ کو ماں کہنے سے ظہار نہیں ثابت ہوتا ہے چنانچہ شامی میں ہے واحترز بہ عن نحو انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل وان نویا (اور احتراز کیا ہے اس کے ساتھ اس مثال سے کہ بغیر تشبیہ کے کہے کہ تو میری ماں ہے تو اس کا یہ کہنا باطل ہوگا اگرچہ نیت کی ہو) اور جب مولوی عبداللہ صاحب کے نزدیک یہ ظہار کی صورت تھی تو تجدید نکاح کی ضرورت کیوں پڑی ظہار میں تو بعد ادائے کفارہ ظہار منکوحہ مظاہر بلا تجدید نکاح حلال ہو جاتی ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے واذا قال الرجل لامرأته انت علی کظہرامی فقد حرمت علیہ لایحل وطیہا ولا مسہا ولا تقبیلہا حتی یکفر عن ظہارہ ۲ (جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو زوجہ اس پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے نہ جماع حلال ہے نہ چھونا اور نہ ہی بوسہ یہاں تک کہ شوہر کفارہ ظہار ادا کرے)

خلاصہ یہ ہے کہ مسماۃ شرف نور مطلقہ بطلاق ثلاثہ ہو گئی۔ بدوں حلالہ کریم بخش نکاح نہیں کر سکتا ہے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب کی رائے بالکل شریعت کے خلاف ہے وہ قابل اعتبار نہیں واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ: محمد عبدالرحمن بحکم حضرت قبلہ عالم مولانا ومخد و مناجنا ب سید پیر مہر علی شاہ صاحب رطلقم خود

بالغ سے نکاح کی قبولیت کرانے کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے بالغ کے واسطے قبولیت نکاح کی اور بالغ لڑکے سے اس نکاح کی قبولیت نہیں کرائی اس کو کئی سال کا عرصہ ہو گیا ہے آیا یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں ہوا؟ بینوا تو جروا

الجواب ہوا لصواب

یہ نکاح نہیں ہوا کیونکہ صورت مسئلہ میں جو نکاح والد نے اپنے لڑکے بالغ کا کیا ہے وہ بطور فضولی ہے نہ بطور وکالت و ولایت اور نکاح فضولی اجازت اصیل پر موقوف ہوتا ہے۔ ایسی اجازت جو بطور تکلم ہونہ بطور سکوت۔ اور صورت مسئلہ میں اجازت تکلمی کا وجود نہیں ہے محض سکوت اصیل ہے جو مفید انعقاد عقد نہیں ہے چنانچہ شامی میں ہے قوله فسکت ای البکر البالغة بخلاف الابن الكبير فلا يكون سکوته رضی حتی یرضی بالكلام كما فی الحاکم! واللہ اعلم و علمہ اتم (ماتن کا قول تو وہ خاموش رہی یعنی کنواری بالغہ بخلاف بالغ بیٹے کے کہ اس کا سکوت رضا نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ بول کر رضا ظاہر کرے) ان كان الواقع صحيحاً فهذا الحكم صحيح والا لا (اگر واقعہ درست ہے تو حکم بھی یہی صحیح ہے) مولوی شیر محمد سکنہ سراہدن هذا الحكم صحيح والمجيب نجیح محمد زمان جہان آبادی ذالک والحکم کذا لک (یہ حکم اسی طرح ہے) امیر حمزہ بھوئی، محمد یوسف از بھوئی هذا الحكم صحيح محمد نعیم ہزارہ حال پہرڑہ نقل عینی شرح کنز

نقل عبارت خط مولوی احمد صاحب سکندر پوری ہزاروی

معدن الجود والاحسان، منبع مرضات حضرت پیر صاحب دامت فیوضاتہم

السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد ملاحظہ فرمائی خادم فدوی بخیریت و خیریت

آنجناب مع اہل و عیال از درگاہ لایزال شب و روز مطلوب المرام بموجب میاں فقیر محمد گزارش ہے۔ کتاب فقہ

ہدایہ کتاب الرضاع، ص ۳۸۵ مطبوعہ مجیدی کتب خانہ کانپور انڈیا۔

درمختار وغیرہ میں ولو اجاز من له الاجازة نکاح الفضولی بعد موتہ صح (اور وہ شخص جس کو جائز رکھنے کا اختیار حاصل ہو اس نے فضولی کے کئے ہوئے نکاح کو اس کی موت کے بعد جائز رکھا تو صحیح ہے) اور الفضولی قبل الاجازة لا یملک نقض النکاح (اور فضولی کو اجازت سے پہلے نکاح توڑنے کا اختیار حاصل نہیں) جو وارد ہے شامی، بحر الرائق وغیرہ میں۔ ان مقامات کو مع ما قبل، مابعد کے کسی خادم کو ارشاد فرمائیں ملاحظہ کرے اُس کے بعد جو کچھ ارشاد ہوگا اس پر عمل درآمد ہوگا۔ فقیر کی طبیعت علیل ہے قصور معاف فرمانا کتب کے دیکھنے سے معذور ہے والعذر عند کرام الناس مقبول زیادہ تسلیمات۔ خادم احمد عفا عنہ

معروض بجواب خط مولوی احمد صاحب سکندر پوری

مکرمی مولوی احمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمة اللہ۔ اما بعد آنکہ عبارت درمختار ولو اجاز من له الاجازة نکاح الفضولی بعد موتہ صح ۲ (اور وہ شخص جس کو فضولی کا نکاح جائز رکھنے کا اختیار حاصل ہو اس نے فضولی کے کئے ہوئے نکاح کو اس کی موت کے بعد جائز رکھا تو صحیح ہے) عبارت مرقومہ فتویٰ بالا کے منافی نہیں ہے اس واسطے کہ اس عبارت کا مطلب تو صرف اسی قدر ہے کہ در صورت قیام معقودہ و عاقد غیر فضولی اگر اخیل نکاح فضولی کی اجازت دے دے۔ گو خبر ہونے سے پہلے ہی فضولی مر گیا تو بھی نکاح درست ہو جائے گا بخلاف بیع فضولی کے کہ اُس میں عاقدین کی موجودگی مع المبیع والتمن ضروری ہے۔ پس منافات تو جب ہوتی کہ لمن له الاجازة کا سکوت بعد الخبر پایا جاتا اور چند مدت کے بعد اجازت ہونے سے عقد نکاح صحیح ہو جاتا اور عبارت درمختار اس پر دال نہیں ہے۔ بلکہ یہ صورت ہی علیحدہ ہے وہ یہ کہ فضولی نے کسی کے واسطے قبولیت نکاح کی کی اور خبر دینے کی نوبت نہ آئی کہ فضولی فوت ہو گیا۔ بعد ازاں کسی ذریعہ سے اخیل کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے تیرے واسطے قبولیت نکاح تیری اجازت کے سوا کی ہے۔ اسی وقت اخیل نے قبولیت فضولی کی کردی تو نکاح درست ہو جائے گا۔ اصل جواب مسئلہ سابقہ کی فی الجملہ تفصیل یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے لئے اتحاد مجلس شرط ہے۔ پس اگر عقد بطور خطاب کے ہے تو اسی مجلس خطاب میں قبولیت شرط ہوگی اور اگر بطور کتابت و رسالت وغیرہ کے ہے تو وصول کتاب و رسیدگی رسول وغیرہ تک ایک مجلس شمار کی جائے گی۔ پس اگر بوقت وصول کتاب و رسیدگی رسول قبولیت وغیرہ بحضور شاہدین ہوگئی۔ تو عقد منعقد ہو جائے گا والا لا چنانچہ

در مختار میں ہے ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس لو حاضرین وان طال
کمخیرة (ایجاب وقبول کی شرائط میں سے ایک شرط مجلس کا ایک ہونا ہے اگر سب حاضر ہوں اگرچہ مجلس
طویل ہو مخیرہ کی طرح) اور شامی میں ہے قوله لو حاضرین. احتراز بہ عن کتابہ الغائب لما فی
البحر من المحيط الفرق بین الكتاب والخطاب ان فی الخطاب لو قال قبلت فی مجلس
آخر لم یجزو فی الكتاب یجوز لان الکلام کما وجدت لاشی فلم یتصل الایجاب
بالقبول فی مجلس آخر. فاما الكتاب فقائم فی المجلس الآخر وقراءتہ بمنزلة خطاب
الحاضر فاتصل الایجاب بالقبول فصح. ومقتضاه ان قراءة الكتاب فی المجلس الآخر لا بد
منها یحصل الاتصال من الایجاب والقبول وحينئذ فاتحاد المجلس شرط فی الكتاب
ایضاً. وانما الفرق هو قیام الكتاب وامکان قراءة ثانیاً فلو حذف قوله حاضرین کالنهر لکان
اولی والظاهر انه لو کان مکان الكتاب رسول بالایجاب فلم تقبل المرأة ثم اعاد الرسول
الایجاب فی مجلس آخر فقبلت لم یصح لان رسالته انتهت اولا بخلاف الكتاب لبقائها
افادة الرحمی. اور ابن کبیر کا سکوت بعد الخبر رضاء پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ رد پر دلالت ہے کیونکہ فلا
یکون سکوتہ رضی کا معنی اس جگہ انه یکون ردا ہے جیسا کہ خود شامی میں ہے ان کان الالبکاء عن
صوت وویل لایکون رضا کی تفسیر میں فمعنی لایکون رضی انه یکون ردا پس جب کہ قبولیت کا
اتصال ایجاب کے ساتھ ضروری ہوا گو فیما نحن فیہ میں امتداد مجلس الی البلوی الخبر ہی کیوں نہ ہو تو ضرور
بعد بلوغ خبر کو کسی ذریعہ سے کیوں نہ ہو قبولیت کا وجود متحقق ہونا چاہئے اور وہ پایا نہیں گیا۔ کیونکہ ابن کبیر کی
قبولیت بالقول ضروری ہے اور یہاں محض سکوت ہے جو بمعنی اعراض وارد ہے اور جب سکوت کبیر بمعنی رد ہوا تو
عقد فضولی مجلس بلوغ خبر کے بعد باطل ہو گیا اب اگر اجازت دیوے تو کس عقد کی دے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ خیاب
قبول اتحاد مجلس ایجاب قبول کا مقتضی تھا وہ بوجہ سکوت ابن کبیر بعد مجلس بلوغ خبر جاتا رہا اب اس کی قبولیت مفید
العقد عقد نہیں ہے هذا هو المقصود واللہ اعلم وعلمہ اتم

حررہ محمد عبدالرحمن بحکم حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب "بقلم خود"

سماع ایجاب وقبول

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین کہ عقد نکاح کے وقت عاقدین سے موجب نے ایجاب کا تلفظ باسماع غیرہ اور انشاء اللہ کو باسماع نفسہ ملحقاً و متصلاً کہا ازاں پس قابل نے قبول کیا اور چند مدت کے بعد فریقین کے مابین سماع میں استثناء مذکور کی منازعت پڑی۔ آیا موجب مستثنیٰ کا قول یا کہ قابل اور شہداء غیر مستمعین کا معتبر ہے؟ اور ایجاب وقبول کذاً بین سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

فالجواب وهو مرئی الصواب

ایجاب موصوف باطل اور مستثنیٰ کا قول باسماع نفسہ معتبر فی الباب ہے جیسا کہ فقہاء کا کلیہ معمول بہا ہے قوله عن الحلوانی کل ما یختص باللسان یطله الاستثناء الی قوله ینفی ان یکون لحکم کذا لک فی کل ما یتوقف تمامہ علی القبول ولو غیر مبادلة کالنکاح در مختار اور جیسا کہ دوسرے میں وان قالوا ای الشہود طلق (مثلاً) ولم یسمع غیرہ منہ غیر کلمة الخلع (مثلاً) والزواج یدعی الاستثناء فالقول له الجواز انه قاله ولم یسمعه والشرط سماعہ لاسماعہم علی ما عرف فی الجامع الصغیر الخ در مختار فی تعلیق الطلاق لکن مع شئی من زیادة التفسیر ولا بد منه اذ هو من عناية المحشی کمالاً ینحی علی المتامل المتفطن فی المقام غایة الامر ما یختلج فی بال الناظر علی بادی البدء عن مقال الحاشیة الاولیٰ من الاختلاف فی الترجیح تارة لاستماع غیرہ بالاجہیة وتارة لاستماع نفسہ بتضعیف مقابله فهو فی الایجاب والقبول دون الاستثناء اذ هو برئ من هذا الاختلاف اتفاقاً نعم قالوا قیل مشروط باسماع نفسہ وقیل لا بل الشرط تصحیح الحروف کما لاسترة علی من طالع سباق هذا لمقام و سیاقه من رد المحتار

غایت امر یہ ہے کہ پہلے حاشیہ کی مقال کو بادی النظر میں دیکھنے والے کے دل میں جو اختلاف کبھی اپنے غیر کے سننے کے اوجہ ہونے کی ترجیح میں کبھی اپنے آپ کو سنانے کی ترجیح میں

(رحیم بخش غفی عنہ ساکن راجڑ)

الجواب هو الصواب

ظاہراً لمحاظ غلبہ فساد و بمقتضی احتیاط موجب کا دعویٰ استثناء بلا پینہ باطل و ایجاب صحیح و معتبر ہوگا
 کما قال فی الدر المختار و قیل لا یقبل الابینة و علیہ الاعتماد و الفتوی احتیاطاً لغلبة
 الفساد (خانیة) لان العوام لا يعرفون ان الاستثناء مبطل النکاح و الطلاق و الیمن و انما
 یعلم ذلک حيلة من لا یخاف الله تعالى و رسولہ المصطفیٰ ﷺ ۱ کما قال الطحاوی
 تحت قوله لغلبة الفساد. هذا فی زمانهم فكيف زماننا فقد یعلم السائل هذه الحيلة بعض
 من ینتسب الی العلم للغرض الفاسد و ایضاً دعویٰ الموجب المستثنی خلاف الظاهر فانه
 بدعویٰ الاستثناء یدعی ابطال الموجب بعد الاعتراف به و الظاهر خلافه و اذ ادعی
 الفساد و ادعی المدعی خلاف الظاهر یرجع الی الظاهر و یتروک خلافه کما قال نجم
 الدین النسفی عن شیخ الاسلام ابی الحسن ان مشائخنا اجابوا فی دعویٰ الاستثناء فی
 الطلاق ان لا یصدق الزوج الابینة لانه خلاف الظاهر و قد فسد حال الناس ۲ فتح القدر
 و الشامی ۳ (جیسا کہ در مختار میں ہے اور کہا گیا کہ بغیر گواہوں کے قبول نہیں کیا جائے گا اور اسی پر اعتماد اور اسی پر
 فتویٰ ہے۔ غلبہ فساد سے بچنے کے لیے (خانیہ) اس لئے کہ عوام یہ نہیں پہچانتے کہ استثناء نکاح، طلاق اور یمین
 کو باطل کر دینے والی ہے۔ وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ یہ اس آدمی کا حیلہ اور بہانہ ہے جسے نہ اللہ تعالیٰ کا خوف
 ہے نہ اس کے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ڈر۔ جیسا کہ امام طحاویؒ نے ماتن کے قول ”لغلبة الفساد“ کے تحت
 فرمایا۔ یہ تو ان کے زمانہ کی بات ہے ہمارے زمانہ کا کیا حال ہوگا۔ یہاں تو سائل کو یہ حیلہ بہانہ کسی غرض فاسد
 کے لیے سکھا دینے سے وہ شخص گریز نہیں کرے گا جو علم کی طرف منسوب لوگوں میں سے ایک ہے اور یہ بھی کہ
 موجب کا دعویٰ استثناء خلاف ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ استثناء کے دعویٰ سے موجب کو اس کے اعتراف کے
 بعد باطل کر دینے کا مدعی ہے اور جو ظاہر ہے وہ اس کے خلاف ہے اور جب اس نے فساد کا دعویٰ کیا تو رجوع
 ظاہر کی طرف کیا جائے گا اور اس کے خلاف کو چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ نجم الدین نسفی نے شیخ الاسلام ابوالحسن
 سے روایت کیا کہ ہمارے مشائخ طلاق میں استثناء کے دعویٰ میں یہ جواب دیتے ہیں کہ زوج کی تصدیق

۱ طحاوی علی الدر المختار، ج ۲، مطبوعہ مکتبہ عربیہ کائناتی روڈ کوئٹہ

در مختار، ص ۲۳۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲ فتح القدر، ج ۳، ص ۴۶۴، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

گواہوں کے بغیر نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ خلاف ظاہر کہتا ہے اور لوگوں کا حال بھی فاسد ہے) اور قائل کا قول کہ موجب نے استثناء نہیں کیا معتبر ہے اور شہداء کی شہادت اس پر صحیح و درست ہوگی کما فی رد المحتار والطحاوی نقل عن البحر ولو شهدوا بانہ طلق او خالع بلا استثناء. او شهدوا بانہ لم تستثن تقبل وهذا مما يقبل فيه البينة على النفي لانه في المعنى امر و جودی لانه عبارة عن ضم الشفتين عقيب التكلم بالموجب (جیسا کہ رد المحتار میں ہے اور طحاوی بحر سے نقل کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے گواہی دی کہ بلا استثناء طلاق دی یا خلع کیا ہے یا انہوں نے یہ شہادت دی کہ اس نے استثناء نہیں کیا تھا تو یہ شہادت قبول ہوگی اور یہ ان میں سے ہے جن میں نفی پر گواہ قبول کیے جاتے ہیں اس لئے کہ یہ درحقیقت امر و جودی کے معنی میں ہے کیونکہ یہ موجب کے تکلم کے بعد ہونٹوں کو ملانے سے عبارت ہے) باقی یہ عبارت مستفتی کہ موجب نے ایجاب کا تلفظ با سماع غیرہ اور انشاء اللہ کو با سماع نفسہ ملحقاً و متصلاً کہا ازاں پس قابل نے قبول کیا و نیز قول مستفتی آیا موجب مستثنیٰ کا قول معتبر ہوگا یا کہ قابل اور شہداء غیر مستمعین کا اور ایجاب و قبول کذائی سے نکاح منعقد ہو سکتا ہے یا نہیں، سراسر بناوٹ و منصوبہ بازی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پیشتر میں بیان کر آیا ہوں کہ عوام الناس اس مسئلہ سے بالکل واقف نہیں ہیں کہ ایجاب کے وقت اگر انشاء اللہ کہا جائے تو ایجاب باطل ہو جاتا ہے پس جب اس ایجاب کنندہ عامی نے استثناء کا دعویٰ کیا۔ تو صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ یہ دعویٰ خلاف ظاہر اس کا اپنا عندیہ نہیں ہے بلکہ کسی برائے نام خواندہ ناخدا ترس بدنام کنندہ نکو نامی کا بہکایا ہوا ہے اور ناخدا ترسی کی وجہ سے خلاف ظاہر یہ دعویٰ کر رہا ہے۔ آج تک شاید کسی نے نہ سنا ہوگا کہ اس ملک میں ایسا واقعہ پیش آیا ہو۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ پہلا واقعہ ہوگا اس سے کسی عامی کا کان اس سے آشنا نہ ہوا ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دعویٰ استثناء باطل و ایجاب صحیح نتیجہ یہ کہ نکاح منعقد ہو گیا۔ ان لطائف الحیل سے کام نہیں چل سکتا ہے واللہ اعلم و علمہ اتم

حررہ:- محمد عبدالرحمن الجونفوری نزیل خانقاہ گولڑہ شریف

منگنی کا نکاح کے قاسم مقام ہونے کے بارے میں ایک مسئلہ

استفتاء

حامداً ومصلیاً وسلم

مصباح الانام بكل ارض هم العلماء بالله الكرام

کیا فرماتے ہیں علماء دین وائمہ شرع متین ابقاہم اللہ الی یوم الدین بحرمت سید المرسلین ﷺ آمین ثم آمین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی دختر کا ناطہ یعنی (ساک) بحضور مجلس اہل اسلام کے کرے جس طرح رسم پنجاب کی ہے کہ ایک ولی لڑکے کی طرف سے آکر جملہ رؤساء اہل قریہ کو جمع کرتا ہے اور حسب طاقت زیورات و پارچہ جات لڑکی کو پہناتے ہیں اور مبلغات مناسبہ حق داروں و خدمت گزاروں کو دیتے ہیں اور غالباً ولی لڑکی کا کہتا ہے کہ میں اپنی دختر یا ہمشیرہ فلانے لڑکے کے واسطے دے چکا ہوں۔ اور ولی لڑکی جو لڑکے کی طرف سے ہو وہ زبانی یا دلی قبول کر لیتا ہے اور عوام مسلمین جو حاضر مجلس ہوں وہ ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا ہر دو فریقین میں اقبال رکھ اور شیرینی بھی مثل خرما وغیرہ کے تقسیم کرتے ہیں اور لڑکی کو بھی دی جاتی ہے۔ آیا یہ ناطہ نکاح یا نکاح کے قاسم مقام ہوتا ہے یا نہ اور یہ حدیث شریف جو مشہور ہے لا یخطب احد کم علی خطبة اخیه المسلم صحیح ہے یا نہ۔ اگر صحیح ہے تو کس صحابی سے مروی ہے اور کس کتاب میں درج ہے اور اس کے مصداق ہے یا نہ بینوا بسند الکتاب تو جروا من اللہ الوہاب

الجواب هو الصواب

جس خطبہ وخواستگاری میں ایجاب و قبول لسانی ہو جائیں یعنی لڑکی والا اپنی زبان میں کہے یا اپنے وکیل کی زبان سے کہلائے کہ میں نے فلاں لڑکی تمہارے فلاں لڑکے کے واسطے دی اور پسر کی جانب سے اکیل یا ولی یا وکیل بحضور شاہدین قبول کرے تو نکاح ہو جاتا ہے کیونکہ اسی ایجاب و قبول بحضور شاہدین کا نام نکاح ہے جیسا کہ جملہ کتب فقہ و حدیث میں مرقوم ہے اور اگر بوقت منگنی و خطبہ ایجاب و قبول نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا اس کو وعدہ نکاح کہا جائے گا اس کا ایفا وعدہ کنندہ پر ضروری و لازم ہوگا اور حدیث لا یخطب الرجل علی

خطبة اخيه المسلم (تم میں سے کوئی ایک پیغام نکاح نہ بھیجے اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر) کو بخاری و مسلم و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے بخاری و مسلم کے الفاظ حدیث یہ ہیں عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح او یترک (سیدنا ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ بھیجے پیغام نکاح اپنے بھائی کے خطبہ پر حتیٰ کہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے) اور ترمذی شریف میں بایں الفاظ مروی ہے عن ابی ہریرۃ قال قتیبة یبلغ بہ وقال احمد قال رسول اللہ ﷺ لا یبیع الرجل علی بیع اخیه ولا یخطب علی خطبة اخیه (سیدنا ابی ہریرہؓ سے روایت ہے قتیبہ کہتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے اور احمد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی نہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے) اور اس حدیث کو سمرہؓ اور ابن عمرؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا ظاہر و صاف مطلب یہ ہے کہ ایک بھائی مسلمان کے پیغام نکاح پر دوسرا بھائی مسلمان پیغام نکاح نہ دے۔ بشرطیکہ اول بھائی مسلمان کا پیغام خود عورت یا ولی عورت نے منظور کر لیا ہو اور نکاح کرنے پر راضی ہو گئی ہو جیسا کہ حدیث بخاری و مسلم میں بوضاحت تمام معلوم ہوتا ہے اور اگر پہلے کو عورت کی جانب سے انکار ہو گیا ہے تو دوسرے شخص کو اس جگہ پیغام نکاح بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یا یہ کہ ابھی تک اس عورت نے کسی کو ہست و نیست کا کچھ جواب نہیں دیا ہے اس وقت تک بھی پیغام روانہ کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں قصہ فاطمہ بنت قیس بایں الفاظ مروی ہے فلما انقضت عدتی خطبني ابو جهم ومعاوية قالت فاتیت رسول اللہ ﷺ فذکرت ذلک له فقال اما معاوية فرجل لامال له واما ابو جهم فرجل شدید علی النساء قالت خطبني اسامة بن زید فتزوجنی فبارک اللہ لی فی اسامة (پھر جب میری عدت گزر گئی تو ابو جهم اور معاویہ نے مجھے پیغام نکاح بھیجے۔ کہتی ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر خدمت اقدس میں یہ سب کچھ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ معاویہ کے پاس تو مال نہیں اور ابو جهم عورتوں پر سختی کرتا ہے۔ عرض کی مجھے اسامہ بن زید نے بھی پیغام نکاح بھیجا ہے تو آپ ﷺ نے میرا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسامہ کے گھر میں بہت برکت عطا کی) واللہ اعلم

حردہ:۔ محمد عبدالرحمن عفی عنہ نزیل خانقاہ گولڑہ شریف

وہابی کا معنی کیا ہے

(از جناب مولانا مولوی محمد غازی صاحب)

مولوی محمد حیدر اللہ خان صاحب درانی المجد دی النقشبندی اپنی کتاب درۃ الدرانی میں لکھتے ہیں۔
مؤرخ ملتبرون جغرافیہ عمومیہ مطبوعہ مصر کی تیسری جلد معربہ رفاعہ بگ ناظر مدرستہ الاسن میں لکھتا ہے کہ محمد بن عبد
الوہاب کے متعلق تمام عرب میں اور علی الخصوص یمن میں یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص غریب الحال سلیمان نامی جو
چرواہا تھا اُس نے خواب میں دیکھا کہ آگ کا ایک شعلہ اُس کے بدن سے جدا ہو کر زمین میں پھیل گیا ہے اور جو
اس کے سامنے آتا ہے اُس کو جلا دیتا ہے۔ یہ خواب اُس نے معبرین کے سامنے بیان کیا جو ایسے خوابوں کی تعبیر
جانتے تھے انہوں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ اُس کا ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جو بڑی طاقت اور دولت پاوے گا۔
آخر کار اُس خواب کا تحقق سلیمان کے پوتے محمد بن عبد الوہاب کے وجود سے ہو گیا۔ جو ۱۱۱۱ھ میں متولد ہوا اور بعد از
ہزار خرابی ۱۲۰۷ھ میں فوت ہو گیا یعنی اُس نے چھیا نوے (۹۶) سال عمر پائی اور ابتداء اُس نے شیخ محمد سلیمان
گردی شافعی اور شیخ محمد حیات سندھی حنفی سے علم حاصل کیا۔ لیکن یہ ہر دو بزرگ اپنے نور فراست سے کہا کرتے
تھے کہ یہ (محمد بن عبد الوہاب) ملحد ہوگا اور بظاہر اس کا شغل بھی اسی قسم کا تھا کہ اکثر مسیلمہ کذاب اور اسود غنسی اور
طلیحہ اسدی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کیا کرتا۔ جنہوں نے اُس کے قبل نبوت کا دعویٰ کیا اور خدا کی قدرت ہے کہ
اس کو پورے طور سے کسی علم و فن میں دستگاہی نہ ہوئی اور اسی واسطے علمائے وقت کی رد و قدح نے اُسے جواب دینے
کی قدرت نہ دی جبکہ ۱۱۴۳ھ میں اُس نے علماء مدینہ طیبہ سے مقابلہ کرنا چاہا۔

ملتبرون لکھتا ہے کہ یہ شخص بوجہ اپنے دادا کے خواب کے لوگوں کی نظروں میں محترم رہا اور اپنے
عقائد کے ظاہر کرنے سے اول اُس نے اپنے کو قریش اور نبی ﷺ کی نسل سے ہونا ظاہر کیا اور کہا کہ اس کا نام
بھی رسول ﷺ کے اسم مبارک کی مثل محمد ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ کے ہمنام ہونے کا شرف رکھتا ہے پھر اُس
نے چند اصولی عقائد مرتب کئے کہ فقط قرآن کریم کی اتباع واجب ہے نہ اُن فروعات کی جو اُس سے مستنبط
ہیں اور محمد ﷺ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور دوست ہے لیکن ان کی مدح اور تعظیم کرنا لائق نہیں کیونکہ مدح و تعظیم
صرف خدائے قدیم کے لئے شایان ہے۔ لہذا کسی غیر کی مدح اور تعظیم من قبیل شرک ہے اور چونکہ لوگوں کا ایسا

شرک کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ لہذا اُس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے تاکہ میں اُن کو سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کروں۔ پس جو کوئی مجھے قبول کر لے گا وہ دوستوں میں سے ہے اور جو کوئی میرا حکم نہ مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہے اور اس کا قتل بلاشبہ واجب ہے۔

پھر مؤرخ ملتطعون لکھتا ہے کہ یہ عقیدہ محمد بن عبد الوہاب نے پہلے پہل پوشیدہ ظاہر کیا اور چند لوگ اس کے مقلد ہو گئے اور پھر ملک شام کی طرف چلا گیا لیکن وہاں اُس کی کچھ بن نہ آئی اور آخر کار تین برس کے بعد بلادِ عرب کی طرف واپس آیا اور مدینہ منورہ میں ۱۱۴۳ھ میں گیا۔ لیکن وہاں کے علماء نے اُس وقت اُس کی خوب خبر لی بالآخر ۱۱۵۰ھ میں نجد کے اطراف بدوی لوگوں میں اس کا فسون اثر کر گیا اور اسی اثناء میں ایک شخص ابن مسعود مستمعی بہ اسم محمد جو قبیلہ نجد کا ایک مشہور پیر زادہ تھا اور جس کے کئی قبائل اُس کے خاندانی مرید اور مطیع تھے۔ اُس نے اپنی ایک مخفی آرزو کے لالچ سے کہ اس کی حکومت عاملانہ بصورت ریاست کسی طرح سے بڑھے اور اُس مشہور خواب کے لحاظ سے کہ غالباً محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان کا جادو چل جائے گا اور اس کے مذہب کی تائید سے اس کا دلی ارادہ پورا ہونے لگے گا۔ اُس نے محمد بن عبد الوہاب کا مذہب قبول کر لیا اور اُس کے سارے مرید آبائی بھی اس کے ساتھ ہو لئے اور اس نے مذہب وہابیہ کو اس قدر تقویت دی کہ اطراف و اکناف کے اعراب اور بدوی سب کے سب اس کے مطیع ہو گئے حتیٰ کہ ایک ریاست کی صورت نمایاں ہو گئی اور محمد بن عبد الوہاب اُن کا امام قرار پایا اور ابن مسعود اس کے لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اور مدینہ و رعیہ انہوں نے اپنا دار السلطنت معین کیا اور رفتہ رفتہ ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج باقاعدہ مرتب کر کے اپنے ملک و دولت کی توسیع میں ساعی ہوا۔ مگر حیات نے وفانہ کی اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب کامل نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ابن مسعود کا بیٹا عبدالعزیز اس کا جانشین ہوا جو کہ شجاعت اور ہمت میں اپنے باپ سے بڑھ کر نکلا اور محمد بن عبد الوہاب کے اعتقاد اور قواعد کے مطابق دعوت دین وہابیہ بزورِ شمشیر شروع کر دی۔ پس جبکہ عرب کے کسی قبیلہ کو اپنا مطیع بنانا چاہتا تو اولاً کسی ایک کو اس کی تفہیم کے لئے بھیجتا تا کہ وہ اس کے اعتقاد کے مطابق تفسیر و تاویل قرآن کو مانے۔ پس اگر وہ اس کا اعتقاد قبول کر لیتا تو اس کو امن دے دیتا ورنہ اُس کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ کر کے تمام اموال و مویشی غارت کر لیتا۔ لیکن بچوں اور عورتوں کا تعرض نہیں کرتا تھا اور مطیع قبیلوں سے ہر قسم کے اموال اور نقد میں سے عشر لیتا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہابیہ کی طاقت بحرِ احمر اور بحرِ فارس اور حلب اور دمشق اور بغداد

کی اطراف و اکناف تک پھیل گئی۔ حتیٰ کہ عبدالعزیز ابن مسعود کے مرنے کے بعد بتاریخ ۸ محرم ۱۲۱۸ ھ مسعود ابن عبدالعزیز ایک لشکر کثیر کے ساتھ کعبۃ اللہ پر حملہ آور ہوا اور خاص خانہ کعبہ میں خونریزی کی جس کی شان بقول قرآن ہے کہ من دخلہ کان امنا لیکن اس نے امن کو غیر امن بنادیا اور حد و حرم جس میں جنگلی بھیڑ یا بھی قدرتی ادب کے لحاظ سے ہرن کا تعاقب بحر داخل ہونے کے چھوڑ دیتا ہے۔ اس وہابی بھیڑیے کے پنجہ سے حرم، حل ہو گیا اور چاروں مصلے جلادئے گئے اور قبے گرا دیئے گئے اور ان میں بول و براز کر کے تحقیر کی گئی اور اسی محرم کے پہلے ہفتے میں اُس نے ایک رسالہ ابن عبدالوہاب کا اہل مکہ کی طرف بطور حجت و دعوت بھیجا جس کی اصل عبارت کا ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس کے دیکھنے سے مشتے نمونہ خروار عبرت کا باعث ہو چنانچہ لکھا کہ فمن اعتقد انه اذا ذکر اسم نبی فیطلع هو علیہ صار مشرکاً و هذا الاعتقاد شرک سواء کان مع نبی او ولی او ملک او جنی او صنم او وثن و سواء کان یعتقد حصولہ بذاتہ او باعلام اللہ تعالیٰ بای طریق کان یصیر مشرکاً . و من اعتقد النبى و غیرہ ولیہ و شفیعہ فهو و ابو جہل فی الشرک سواء و اما السابقون فاللات و السواع و العزى و اما اللاحقون فمحمّد و علی و عبد القادر و من لم یقل فی حاجتہ یا اللہ و قال یا محمد و ان اعتقد عبدا غیر متصرف فی الكل صار مشرکاً و کفاک قدوة فی ذالک شیخنا تقی الدین ابن تیمیہ و قد ثبت ان السفر الی قبر محمد و مشاہدہ و مساجدہ و اثارہ و قبرای نبی او ولی و سائر الاوثان شرک اکبر (یعنی جو کوئی یہ اعتقاد کرے کہ نبی کا نام لینے سے نبی اس پر مطلع ہو جاتا ہے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ یہ اعتقاد کسی نبی کے ساتھ ہو یا ولی یا فرشتہ یا جن بھوت یا صنم یا بت کے ساتھ ہو۔ پھر خواہ یہ اعتقاد کرے کہ اس کا علم اس نبی و غیرہ کو بذاتہ حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اعلام سے۔ الغرض جس طریق سے یہ اعتقاد ہو اُس سے مشرک ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی نبی و غیرہ کو اپنا ولی اور شفیع ہونا اعتقاد کرتا ہے تو وہ اور ابو جہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔ پہلے بت لات اور سواع اور عزى تھے۔ لیکن پچھلے بت محمد (ﷺ) اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور عبد القادر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں جو شخص اپنی حاجت کے اوقات یا اللہ نہیں کہتا یا محمد (ﷺ) کہتا ہے اور اگرچہ اُس کو ایک بندہ عاجز سب باتوں میں اعتقاد کرتا ہے تو بھی مشرک ہو جاتا ہے اور تجھے اس باب میں ہمارا شیخ تقی الدین ابن تیمیہ بس ہے۔ اور یہ ثابت ہو

چکا ہے کہ محمد (ﷺ) کی قبر مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف یا کسی دوسرے نبی یا ولی یا دوسرے بتوں کی طرف سفر کر کے جانا شرک اکبر ہے)

پس مکہ کو غارت کر کے اُس نے ۱۸۰۴ء میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور ایسا تاراج کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارک کو توڑ کر خزان بے شمار لے گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر لاد کر لے گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود بن عبدالعزیز نے جبکہ وہ محمد علی پاشا خدیو مصر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا تو اُس کے پاس سے ایک صندوق ملا جس میں سے تین سولولوئے آبدار کلاں اور کئی دانے زمرد کلاں کے نکلے اور اقرار کیا کہ یہ صندوق بھی حجرہ نبویہ ﷺ میں سے اُس کے والد مسعود نے نکالا تھا۔ پس مسعود نے فقط اسی غارت پر اکتفانہ کی بلکہ قبہ مولد نبی ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیق اور علی ابن ابی طالب اور خدیجہ الکبریٰ کے قبے بھی گرا دیئے۔ اس خیال سے کہ یہ بھی اصنام ہیں اور روضہ رسول کریم ﷺ کے گنبد پر چڑھ کر جب گرانے لگا تو عجب قدرت حق ظاہر ہوئی کہ سارے وہابی سرنگوں گر کر مرے اور اسی اثناء میں آگ کا ایک شعلہ ایسا نکلا جس نے بہتوں کو جلایا اور اسی طرح ایک اژدھا حضرت موسیٰ کے اژدھا کی طرح نکلا۔ جس نے قوم فرعون کی طرح افواج وہابیہ کا تعاقب کیا اور اتنے میں بحکم سلطان معظم محمد علی پاشا خدیو مصر مقرر ہوا اور اس کا بیٹا طوسون جس کے ساتھ سید احمد طحاوی محشی درمختار بھی مصر میں آئے تھے، بحکم والد خود ایک لشکر عظیم کے ساتھ مدینہ منورہ کے دروازہ پر وہابیہ کی تیخ کنی کے لئے آپہنچا۔ اُس وقت عثمان مضائقی سپہ سالار وہابیہ نے مدینہ کے دروازے بند کر لئے۔ لیکن طوسون نے زمین کے نیچے سے سُرنگ لگائی اور اتفاق سے ایک حصہ دیوار کا گر گیا۔ اور طوسون نے اندر گھس کر نجدیوں پر قیامت برپا کر دی اور مقید وہابیوں کے کان کتر دیئے گئے اور مدینہ منورہ ۱۲۲۷ھ میں وہابیوں کے وجود سے پاک ہو گیا اور ۱۲۲۸ھ میں عثمان مضائقی بھی گرفتار ہو کر قسطنطنیہ میں قتل کیا گیا۔ لیکن ۱۲۲۹ھ میں مسعود کے فوت ہونے کے ساتھ ہی اُس کا بیٹا عبداللہ بن مسعود اُس کا جانشین ہوا۔ اور آخر کار وہ بھی حروب کثیر کے بعد محمد علی پاشا خدیو مصر کے دوسرے فرزند ابراہیم پاشا کے ہاتھوں ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ میں مدینہ ورعیہ پایہ تخت وہابیاں فتح ہو کر گرفتار ہو گیا اور بتاریخ ۲۹ محرم ۱۲۳۴ھ قسطنطنیہ میں باب ہمایوں پر قتل کیا گیا اور وہابیوں کی قوت اور دولت کا خاتمہ ہوا اور اس فرقہ کے لوگوں کو پوری پوری سزائیں بطور تعزیری دی گئیں۔ یعنی مقید کئے گئے اور کان کتر دیئے گئے اور امن و امان قائم ہوا اور پھر از سر نو مکہ اور مدینہ میں چاروں

مذہبوں کے مصلے قائم ہوئے اور ملک عرب اس ناپاک فرقہ سے پاک ہو گیا۔ وہابی نامہ میں ہے کہ عرب میں اس فرقہ کی اتنی طول میعاد ہونے کا باعث یہی ہے کہ ابتداء غفلت رہی اور مکہ اور مصر کے پاشا جلد جلد فوت ہوتے رہے اور ان کے تغیر و تبدل سے انتظام ٹھیک نہ ہوا اور یہ فرقہ زور پکڑتا گیا۔ مگر خدائے تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ اس فرقہ کا داعیہ ہندو پنجاب میں منتقل ہو گیا گویا خدا کے غضب نے اس ملک میں ظہور کیا۔ چنانچہ پنجاب میں اس مذہب کی اشاعت مولوی عبداللہ غزنوی کے وجود سے ہوئی جو اسی مذہب کی بدولت غزنی سے بہت رسوائی کے ساتھ نکالا گیا اور اولاً بصورت درویشاں حضرت کوٹہہ والے ایک بزرگ نقشبندی کی صحبت میں رہا۔ مگر آخر کار وہاں سے بھی اُس کو نکلنا پڑا اور حضرت اخوند صاحب کے فتوؤں اور مریدوں سے ڈر کر امرتسر میں جاگزین ہوا اور وہابیت کا بیج بودیا۔ غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو قادیانی صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ نمبر ۳۱۸ میں اپنی الہامی تفسیر کے اثبات میں نقل کیا کہ عبداللہ غزنوی کو ایک دفعہ الہام ہوا کہ رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق اور اس سے مراد اس کے معنی یہ نہ تھے بلکہ یہ مراد تھی کہ مولوی صاحب کو ہستان ریاست کابل سے پنجاب کے ملک میں بزریر سلطنت برطانیہ آئیں گے اور یہی مولوی غزنوی ہیں جن کا ایک کشفی قول قادیانی صاحب نے اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے ازالۃ الاوہام کی جلد ثانی میں نقل کیا ہے۔ پس پنجاب میں اس وقت تک جس قدر وہابی مولوی ہیں وہ سب اسی غزنوی مولوی کے متبع اور مقلد ہیں اور ہم کو ان کے فروعی اعتقادات اس موقع پر نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ عورتیں اور بچے بھی اس سے ناواقف نہیں اور خدا ہم کو اور ہمارے دوستوں کو ان کے شر سے بچائے اور صلح اور خیر کے خفی راستے پر قائم رکھے۔

آمین یا رب العالمین



